

مولانا مناظر احسن گیلانی کی کہساری فی انہی کی زبانی !

احاطہ دارالعلوم میں شیخہ دن

Toobaa-elibrary.blogspot.com

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی زمانے کے درپے لاپرواہی
اکابر اساتذہ کے دلنشین حالات و واقعات
تدریسی لطافت و طرائف اپنے موضوع پر
دلچسپ اور لاجواب کتاب !

جو کہ ہر باذوق قاری کے معیار پر
پوری اترے گی نیز اس سکھلا دیوبند
کے اخلاص، عزیمت اور جدوجہد و عمل
سے نمودار زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی

احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے

دن

آپ بقی

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

مرتبہ: مولانا اعجاز احمد اعظمی

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا مناظر احسن گیلانی کی کہانی ان کی زبانی

احاطہ دارالعلوم میں بیٹے ہوتے دن

تصنیف

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی

ترتیب

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

ناشر:

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بہرون پور گیت مکان 540513

Toobaa-elibrary.blogspot.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محرمه الفصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱	پہلے دیوبند	۹	دیوبند جانے کا فیصلہ
۲	داتا گاہی صاحب کی	۱۰	
۳	مقدمہ	۱۲	باب دیوبند کی رسائی
۵	باب	۱۳	افتتاحی ہفتہ
۶	ٹوبہ میں	۱۴	دارالعلوم کا افتتاح
۷	پہلی تقریر	۲۰	دارالعلوم کی مسجد اور نماز
۸	قلمیہ خواجہ	۲۵	نئے نئے اساتذہ
۹	باب ذکر دیوبند	۲۸	دارالعلوم کے استقامت
۱۰	مفت زکات کا حاشیہ شیخ الہند	۱۸	درسی کتابوں کا مسئلہ
	دارالعلوم کا ابتدائی تعاون	۱۹	موسم سرما کا انتظام
		۲۰	لطیفہ و حاشیہ
		۲۱	مفت علاج
		۲۲	کام میں برکت

کتاب جذا اپنے عنوان ہی سے واضح ہے صاحب کتاب حضرت مولانا سید مائیں احسن گیلانی ان خوش قسمت استیلا میں سے ہیں جنہوں نے دارالعلوم کا دوسرا ہمارے نانا پڑا جن کو دیکھنے کے لیے آج انھیں رسی ہیں۔ اور ان اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا جو اپنے دور حیات میں مرجع طائفتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر سلیم و فطرت انسان کے دل میں ہرگز نہ اور ایک ہی صفت کی محبت و دوستی فرمائی ہے اور آج کے اس ملوث دور میں ایسی باتیں کی تصانیف ہی ان کا فہم الہدیل ہیں۔ صاحب کتاب اگرچہ اب دار فانی سے دارِ جاہل کی طرف غلط ہو چکے ہیں مگر انہیں اپنی تصانیف سے اب بھی ہر قاری کے دل میں دوسرے کی طرح رسوخ ہوگی۔

اور اہل مذاہب کی شروعات سے یہ سنی رہی کہ اپنے ائمہ و مفسرین کے کتب مطبوعہ عام پر لائی جائیں تاکہ ائمہ کا فیض مطلق خاص تک محدود نہ رہے۔ کتب مذاہب اشاعت بھی اسی سنی کی ایک کڑی ہے امید و افق ہے کہ عواطف یہ سب قبول ہو کر خاص و عام کے لئے استفادہ کا باعث بنے گی۔

اللہ پاک تازہ سے اپنے الابر سے فیض یابی کی توفیق نصیب فرمائیں آمین۔

الحرم المملوك

مجله علمی فناوری

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۱۶	حکمت و مشاہدات	۶۱	شافیہ کے ایک ناول
۱۱۷	تفسیر دارالکے	۶۲	طریقہ عمل و تصدیق و تبصرو
۱۱۸	ذکر الوری کا اختتام	۶۳	صاحبزادہ آفتاب بخش کا سانس
	باب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی سرمد	۱۰۱	دفاع ہو گیا
۱۲۲	داستان انقلاب	۱۰۲	اشعار کا خزائن
۱۲۵	حضرت شیخ الہند کا درس	۱۰۳	کیفیت باطنی کی جنگ
۱۲۶	ایک عجیب ہونٹ کی کیفیت	۱۰۴	دل کی خوشتر
۱۲۸	قدرتی و فنی کی کمی	۱۰۵	دورہ حدیث کے اختتامی کلمات
۱۲۹	پند پر دانہ	۱۰۸	زندگی کا نصب العین
۱۳۰	شیخ الہند کی خدمت میں حاضر بنی	۱۰۹	درس الوری کی ایک اور خصوصیت
۱۵۰	زندہ کرامت	۱۱۱	باب شاہ صاحب اور علوم قرآنی
۱۵۲	بدلا ہوا رنگ	۱۱۲	قرآن کے سہل ہونے کا سبب
۱۵۳	محبت نبوی میں انسانیت	۱۱۸	کیا قرآن میں سب کچھ ہے؟
۱۵۵	درس بخاری	۱۱۹	قرآنی قصیدوں کی تعلق
۱۵۷	تبدیلیوں کی داستان عجیب	۱۲۰	ایک عالمی مذمت
۱۵۸	عبرت ناک خواب		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۳	مدرسہ کی عمارت	۵۷	شاہ صاحب کے درس کے احاطہ و سوسری کا مختصر اپانی
۲۴	چاول کا طیفہ (ماتھ)	۵۸	انقلابی تنازعات
	باب امتحان داخلہ	۶۱	نئی تعبیرات نئے الفاظ عربی میں ضبط تقریر
۲۶	باب دو رکعت میں مضامین شریعت	۶۲	نوشہ درس کی تجدید
۲۸	دارالعلوم میں تدریس حدیث کا آغاز	۶۸	باب مختار و توبہ
۲۹	دین کے بنیادی ستونوں کی وضاحت و رجوع	۶۹	اقتدار کی تشریح
۳۰	ایک نئی علمی طرز	۷۹	منصب قضا اور اجتہاد
۳۱	دورہ حدیث کا آغاز	۸۰	ائمہ اجتہاد کی تعظیم
	باب علامہ القزواہ شیری کے حلقہ درس میں	۸۱	معارف موفیہ
۳۲		۸۲	وحدت الوجود
		۸۳	مسئلہ احسان
		۸۴	معتزلات
		۸۵	حلقہ ترین گروہ انسانی
		۸۶	باب شاہ صاحب کی چند خصوصیات
		۸۷	افراد و جہاں کے باب میں
		۸۸	شاہ صاحب کا رویہ

نمبر	مضامین	نمبر	مضامین
۷۷	چو گویم جلوائے دیدنی را	۱۶۰	العقاب
۷۸	مراخی لطیف	۱۶۱	غیبی امداد
۷۹	حضرت مدنی کے حلقہ	۱۶۲	فتح الملہم کی ابتدا
۸۰	درس میں	۱۶۳	مولیٰ حاتم
۸۱	حضرت شیخ البند سے	۱۶۴	جملہ مولیٰ
۸۲	ارادت کا حجت	۱۶۵	دارالعلوم کا ہرنگہ پڑا اصلاح
۸۱	تقریری زندگی کی رسم اللہ	۱۶۶	باب دوستی اساتذہ
۸۲	دواہم باتیں	۱۶۷	اور دارالعلوم کا ماحول
۸۳	مولانا عبد اللہ سندھی کا مسئلہ	۱۶۸	مولوی گل محمد خاں اودھو لانا
۸۴	دارالعلوم کا مقصد	۱۶۹	غلام رسول شوکت
۸۵	شیخ الہند کا نقطہ نظر	۱۷۰	حضرت بیان سید امجد علی شاہ
۸۵	باب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۱	تقریب پر نگاہ تبحر
۸۶	سین ابوداؤد کا پہلا درس	۱۷۲	حضرت بیان صاحب کرم
۸۷	قاسمی نظریات مسادت	۱۷۳	حضرت مفتی عمر فاروق صاحب
۸۸	ذاتی تصادف	۱۷۴	درس کا صحیح طریقہ
۸۹	درویش برہانری	۱۷۵	عملی درس
۹۰	مولانا عثمانی کی زندگی میں	۱۷۶	ملکوتی تلاوت قرآن
		۱۷۷	سارا ماحول میں آموزشا
		۱۷۸	جاگیر علی کوٹھار دی

نمبر	مضامین	نمبر	مضامین
۱۰۶	باب طلبہ برادری کے کچھ مسئلے	۱۷۹	دوسری تقریب
۱۰۷	میکس بازی	۱۸۰	تیسری تقریب
۱۰۸	نالم سیم قافلہ کا لطیفہ	۱۸۱	چوتھی تقریب
۱۰۹	ہندی بازی	۱۸۲	پانچویں تقریب
۱۱۰	رنگ بازی	۱۸۳	دیدہ جنت جو وابھو
۱۱۱	ٹیلے بازی	۱۸۴	مولانا ابوالکلام آزاد کی طاقا
۱۱۲	خسہ سواری	۱۸۵	مسئلہ فتح مدین کی کئی توجہ
۱۱۳	شب شکاری کی مہم	۱۸۶	باب آستانہ صابری کی زیارت
۱۱۴	خروگوش کا شکار	۱۸۷	ایمان سوز نظارہ
۱۱۵	جئے مٹر گئے کا موسم	۱۸۸	بہیضات
۱۱۶	چٹھیں میں ہرن کی ڈار	۱۸۹	کلیہ سے منگول
۱۱۷	مسلم حلوان اور مرعرقی	۱۹۰	اس آئندہ کی رنگ کام نہ چلے گا
۱۱۸	دکوت	۱۹۱	غیب نما زہر داران
۱۱۹	باقی اشاروں کی ترشہ بازی	۱۹۲	باب گروکل کا گڑھی کا سفر
۱۲۰	باب چند یادگار تقریبات	۱۹۳	گروکل
۱۲۱	پہلی تقریب	۱۹۴	سفر رنگ و حیدر آباد

پیشہ دارانِ علوم

لے کر جو پاؤں سے کاٹنے کا نہ کیسے
جنوں کو طرکی دلاہوں یہ ڈالنے کیسے
بھنور میں اپنا خدیجہ لہجہ لے کر
قصورت کو انچون میں ڈالنے کیسے
ان کی کہیں سبیل پگڑن ہوں میں !
رشد و قائم و محمود گناہیں ہوں میں
تکاش لے کر محبت میں غش پائے
نظر کو بات کیست دل کو یاد پائے
جنوں کو یاد کھڑاں پلا دیا پائے
سہاں خود کو سہاں بنوا دیا پائے
جہاں میں بہرِ نبوت کی آگین ہوں میں
رشد و قائم و محمود گناہیں ہوں میں
اکیڑ میں نے غزالی بنائے تھے
چرخِ نسبت عالی جلائے میں تھے
بہند و شبلی و داری بنائے میں تھے
دل نگاہ کے عالم جلائے میں تھے
ہوں دل و نہرِ گھر و تر و تری ہوں میں
رشد و قائم و محمود گناہیں ہوں میں

★

حضرت مولانا افتخار الحق صاحبِ جہتِ توحیدی
مہتمم دارالعلوم دیوبند
مور کھپور

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۲۸	مولانا افتخار اللہ خاں کی	۲۳۷	باب ۱۱: ایک اور فزنی گاہ
۲۷۱	باب ۱۰: دارالعلوم سے	۲۳۸	باب ۱۲: ان رقیبہ دین
	پھر حیدر آباد	۲۳۹	پھر دیوبند میں
۲۷۲	ناگہانی اطلاع	۲۴۰	سہارن میں عارضی قیام
	میرا سفر کلکتہ جاری رہا	۲۴۱	اور دیوبند واپسی
۲۷۳	استقبال کر غواہوں کا		
۲۷۴	ہجوم اور بڑی		
۲۷۵	حاجی عبدالقصد		
۲۷۶	خاند قید میں		
۲۷۷	حیدر آباد میں		
	حضرت مولانا مفتاح الدین		

داستان اس کتاب کی

تقریباً بیس سال کی مدت گزری، میں یحییٰ کی بے شعوری سے گل کر شعور
آگئی کی روشنی میں داخل ہو رہا تھا میں نے جن ماحول میں آگھ کھلی تھی، وہ
دیندارانہ ماحول تھا، علم اور علمائے کرام کے چروں سے معمور تھا۔ اس ماحول میں کھلی
اور کافوں کے راستے سے کچھ چیزیں دل کے اندر داخل ہو کر اپنی اپنی جگہ بنا
رہی تھیں خوب یاد ہے کہ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کا تذکرہ بار بار کانٹوں
میں پڑتا تھا، کانٹوں اور رسالوں میں نظر سے گزرتا تھا۔ اور دل اس کی
عقیدت اور محبت سے معمور ہوتا جا رہا تھا اپنے ایک بزرگ جناب مولوی
محمد بشیر الدین صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں اکثر میری حاضری ہوتی تھی وہ
دارالعلوم دیوبند کے تعلق یافتہ اور داخل تھے، اور اب طبابت کرتے تھے،
ان کے یہاں ماہنامہ دارالعلوم دیوبند آکر لکھتا تھا۔ مجھے اس سے بہت دلچسپی
تھی، ہر تازہ شمارہ تو پڑھتا ہی تھا، لیکن شہزادوں کی بھی تجویز ہار کرتی تھی، پھر
ایک شمارہ ایسا بھی ملا جس میں "احاطہ دارالعلوم میں جیتے ہوئے دن کا ماحول
تھا۔ اسے بہت شوق سے پڑھا۔ اس کی اور قسطیں تلاش کیں کچھ ٹھیں اور زیادہ تر
نہیں ملیں جو کچھ ملا پڑھ لیا۔ اور غصہ میں ملا۔ اس کا شوق دل کو گہرا مارا پھر
اللہ تعالیٰ نے عرصہ کے بعد نصف کتاب علی دیوبند بھیجا دیا۔ وہاں موقع نہ مل
سکا پھر مرد زمانہ سے اس کا خیال بھی دھندلا گیا۔ برسرِ سازش آتا اور مل
جاتا۔ عرصہ کے بعد میرے ایک عزیز مولوی شبیر احمد موخری سلم نے اپنی

اپنی طالب علمی ہی کے دور میں مسطورہ میں حیات مولانا گیلانی شانک کی جس
دیکھا کہ وہ ایک دھنی اور باحوصلہ آدمی ہیں، حیات گیلانی میں جگہ جگہ مذکور بالا
مضمون کا حوالہ آیا ہے، میرے شوق نے پھر انگڑائی لی، میں نے عزیز موصوف
سے گزارش کی کہ اب دوسرے نمبر پر "احاطہ دارالعلوم میں جیتے ہوئے دن
کو کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا انتظام کرو۔ انھوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔
چنانچہ رسالہ دارالعلوم کی پرائی فائلوں میں اس مضمون کی جستجو کی، عزیز موصوف
نے یہ کام اپنے ایک دوست مولوی سعدی مصحح شافعی آبادی کے حوالے
کیا، انھوں نے محنت شاقہ برداشت کر کے کچھ غور اور کچھ اپنے دوستوں سے
تقل کر دیا، پچیس قسطوں کا یہ مضمون مولوی صاحب موصوف کی
کدو کاوش سے سجا ہو گیا۔ انھوں نے اسے مرتب کیا، اس کی فہرست بنائی، اور
کام مکمل کر کے مولوی شبیر احمد علی کے سپرد کیا کہ اب وہ کتابت شروع کرائیں۔
مولوی شبیر احمد نے پورا مسودہ میرے حوالے کیا کہ ایک نگاہ میں بھی ڈال لوں،
میں نے بغور پورے مضمون کا مطالعہ کیا، مجھے محسوس ہوا کہ نقل کرنا والوں سے کسی
نقل میں اتنی غلطیاں ہوئی ہیں کہ موجودہ حالت میں کتاب کے حوالے کرنا نہیں
اور جس طرز سے مسودہ تیار کیا گیا ہے، وہ بھی بہت ناقص اور غیر بہت۔ اب مجھے
وجہ پیش کرنی پڑی، اول تو نقل کا اصل سے مقابلہ کرنا چاہئے اس کے لئے دیوبند
سے متحد قسطوں کے نو نمونہ مانگے، کچھ قسطیں دارالافتحین سے حاصل کیں، اور
جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی، اصل سے مقابلہ کیا، اور ضرورت کتاب کے
اکثر حصے میں ہوئی، اغلاط کی تصحیح کی، حواضات کو درست کیا۔

دوسری محنت یہ کہ از سر نو پورا مسودہ اپنے غلط سے لکھا، اور اس کی ترتیب
و تہذیب اس طرح کی کہ کتاب کو کوئی زحمت نہ ہو، ابواب قائم کئے، ہر باب
فہرست نامقام تھی، نئے سرے سے فہرست مرتب کی، بعض تیار کرنے کے بعد
اندازہ ہوا کہ یہ داستان ابھی ناقص ہے، کی جب تک اس میں مولانا کا ایک اور

مضمون و شال کیا جائے، جو یا دایم گذشتہ کے عنوان سے دارالعلوم میں
 حاضرین میں شائع ہوا تھا، چنانچہ دہلوی سے اس کا فوٹو حاصل کر کے اسے بھی
 کتاب کا جزو بنادیا۔ اس طرح یہ ایک مکمل کتاب آپ کے ہاتھوں میں آئی
 ابواب میرے متعین کئے ہوئے نفاذ کی عنایت میں زیادہ تر مولوی مصحوم صاحب
 کے متعین کئے ہیں۔ چنانچہ ان میں عنوانوں کا اضافہ میں نے کیا ہے، لیکن وہ
 اتنے کم ہیں کہ انہیں متذکر نے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔
 اس طرح یہ کتاب کسی شخصوں کی محنت و کاوش کا عکس نہیں بلکہ مولوی شہید احمد
 صاحب اور مولوی مصحوم علی صاحب کا ذکر آپ پر چھلکے میرے ساتھ میرے چند
 عزیزوں نے بہت محنت کی، اول حافظ صاحب اور ان کی خیر کار داری سکندر عرف صاحب
 باہو انہوں نے کتاب کی تکمیل میں بہت کام کی، دہلوی سے فوٹو انہیں نے
 منگوا لیے۔ اصل سے مقابلہ زیادہ تر انہوں نے کیا، پھر ہر وقت کی تصحیح میں بہت
 محنت کی، کتاب سے برابر رابطہ قائم رکھا۔ اس کے لئے سفر کیا، عرفان پر گزرا، کا
 جذبہ شوق اور محنت نہ ہو تو شاید یہ کتاب اس شکل میں نہ آتی، دوسرے مولانا
 منظور احمد قاسمی استاد مدرسہ شیخ الاسلام شیخ زور۔ انہوں نے ہر وقت کی تصحیح میں بھی
 مدد کی، عیسے حاجی بالو کے بڑے بھائی منظور بھی سلیب پر مسودہ تیار ہوا تھا،
 اس وقت یہ دارالعلوم میں زیر ترمیم تھے، دارالعلوم کے حافظ قاسمی سے مطبوعہ
 رسالے منگوا کر ان کا فوٹو لیا، انہیں سے باس بھیجا، یہ رسالہ مشکل مولوی غلام
 فیصل کی اور انہوں نے میرے عزیز دوست مولانا قادری عبدالرشاد صاحب جلالی
 فقیر و بارہائی نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کتابت کی، اللہ تعالیٰ انکے
 عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اہم و اہل علائق و لذت نصیب فرمائے۔
 ان مراحل کے بعد، اس کی طباعت کا مرحلہ تھا، مولوی شہید احمد سلاطین صاحب
 لکھنے کا قصد رکھتے تھے، مگر وہ اپنے کچھ حالات کی وجہ سے مجبور ہو گئے، تو میرے
 عزیز دوست مولوی محمد طیب صاحب مکتبہ تجلیہ دہلوی جن کو ان تالیف تسلیت البتیری

شائع کی انہوں نے اس کی طباعت کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ انہیں کے تعاون سے یہ
 کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔

جی چاہتا تھا کہ اس میں حقیقت کتاب پر اسی کے شایان شان ایک مقدمہ
 لکھا جاتا، مگر دو مہینہ تک میں اور کہاں جاتا، مجھے کون پوچھتا، علم اور قلم
 میں میرے مرکز حقیقت، میرے طویل القدر استاد حضرت مولانا محمد افضال الحق
 صاحب قاضی مظاہر میں جن کے فیضانِ نظر سے — اگرچہ میں اپنی کم سوزی
 اور بے استعدادی کی وجہ سے یہ تو نہیں بتا سکتا کہ کیا ہے لیکن یہ ضرور دیکھ سکتا
 ہوں کہ — اس مشت خاک میں، اگر کسی کو کوئی ہنر نظر آئے، تو یہ انہیں کا
 فیضانِ نظر ہے، میں اپنی یہ کوشش اور محنت ان کی خدمت میں لے گیا، انہوں
 نے حسن قبول کی، سند دی اور جہاں میں جاتا تھا، حصۃ الاستاذ نے وہاں ہی مقدمہ
 لکھ کر عزائم فرمادیا، جس کے الفاظ اگرچہ قلیل ہیں لیکن معانی و مقاصد اسکے طویل
 ہیں، غور و فکر کریں، ان کے لئے اس مختصر مقدمہ میں ایک جہاں نہیں ہے، نہی
 بہت ملے گا۔

امجدان محمد اعظمی

مدرسہ شیخ الاسلام شیخ زور، مظاہر

بکرم محمد الحرم، سندھ

مقدمہ

یادش بخیر

حضرت مولانا محمد افضال الحق صاحب تاجی غفرلہ

بچپن تو بچپن ہے، اسے کون کھتا ہے اور کون پڑھے گا، لیکن یہی بچپن بھی اتنا اذکھا، اس قدر دلچسپ اور ایسا پر کیف ہوتا ہے کہ خالق کائنات بھی اسے لطف لیکر بیان کرتا ہے، اور سارے عالم سے پڑھ لیتا ہے جسے حضرت موسیٰ کا بچپن، حضرت یوسف کا بچپن، حضرت عیسیٰ کا بچپن، ولیمہ اسلام، یا حسن و علی، و سلم کا بچپن، لیکن جی بچپن عجیب نہیں ہوتا، انکس کا کھنے والا قلم ایسا بھر بیان ہوتا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں اور سو دھتے ہیں، جیسے مولانا رومی، حضرت سعدی اور مولانا آزاد کے تراشے، افسانے اور ڈرامے۔

افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد

اسی کے ساتھ کئی بچپن عجیب نہیں ہوتا، مغرور احوال عجیب ہوتا ہے، جہاں بچپن پرورش پاتا ہے کہ وہ سنگ پاروں سے ہرے تلاش لیتا ہے، اور پتھروں کو کسوٹی بنانے کا ہنر جانتا ہے، ایسا احوال نعمت سے ملتا ہے،

اور بڑی جگر کاوی اور دوسری اور عرق ریزی سے بن کر تیار ہوتا ہے، جیسے اصحاب صفہ کا ماحول جس نے ابو ہریرہؓ ایسے بڑے کو صرف تین سال میں امیر المؤمنین فی الحدیث بنادیا، اور جیسے شاہ ولی اللہ کا ماحول جس نے شاہ عبدالعزیزؒ ایسے شاہکاروں کو سرانجام الہند بنا کر ہندوستان روشن کر دیا جیسے فرنگی محل کا خاندان جس نے عبدالحمید کو لغت الامت بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا تھا، اور جیسے دیوبند کا وہ ماحول جس نے محمود حسن کو شیخ الہند، انور شاہ کو کھٹک عصر جمین احمد کو شیخ الاسلام بنا کر سارے زمانہ کو محو حیرت کر دیا، جس کی فنکاری مردم شناسی اور سیرت سازی کی مثال آج نہیں مل سکتی، بشکر اللہ مستقیم۔

آج کے ماحول میں جو کتاب ہے، وہ بچپن کے ایسے ہی ماحول کی عکاس ہے اس کوئی مسلم کارنے عجوبہ روزگار نہیں بنادیا ہے، بلکہ وہ ایک عجیب روزگار ماحول کی صرف ہو بہو تصویر ہے، مگر ایسی خوبصورت، آہنی و نکش اور اس قدر جذب و گداز پیدا کرنے والی ہے کہ آج کا عالم منہ دیکھتا رہ جائے گا، اسے یقین کرنا مشکل ہوگا کہ یہ کل کے واقعات ہیں، افسانہ نہیں ہیں، یہ کل کا ظاہر و باطن تھا، آج کا جامہ نہیں۔

اس لئے مجھے اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ مولانا اجماع صاحب ایسے استاد اڈیٹر و خطیب اور مرثیے کے ایک صاحب بچپن کی کہانی کو کتاب بنانے کی بہت کیسے کیا ہے، ہاں میں مگر گذاروں کہ مولانا کی نظر نے تعلیم و تربیت کی ایسی یادگاریں تلاش کر دی ہیں کہ دینی مدارس و ادارہ اسلام اور جامعات کے لئے قدامت آئینہ ثابت ہو جائیں گی، بلکہ دارالعلوم دیوبند کو وہ آئینہ دکھائیں گی، اور وہ دم بخود ہو کر رہ جائے گا بقول حقین جو پوری مرحوم سے

زمانے کے تغیر کی کہانی پر جھٹے کیا ہوا
کہ ہم سے اپنی ہی تصویریں پانی نہیں جاتی!

۱۶
 میں نے دارالعلوم سے سب سے میں فراغت پائی ہے، اور یہ کھانی
 ۱۳۳۵ء کی ہے، مگر ان دونوں میں بھی بڑا فرق ہے، آنا فرق کر آج کے
 دارالعلوم کو اور طلباء کو یقین نہیں کہنے گا کہ یہ کھانی ہماری ہی ہے، اور ہمارے
 ہی استاد کا کھانا ہی ہے۔ مگر انھیں یقین کرنا چاہیے کہ یہ عثمانیہ لکھنؤ
 میں دنیا کے صدر معظم کا بیان ہے، اور ان کی آپ یقین ہے، کل آپ
 بھی ایسے ہی تھے، اگر یہی مائل ہوتا تو آپ بھی آفتاب ہا ہا بن جاتے۔
 تعلیم و تربیت کا فنادی تھیں۔ استاد۔ ہوتا ہے ایسا استاد
 جو ایک نظر میں بھانپ لیتا ہے کہ یہ سہل ہے یا پتھر، اگر سہل ہے تو تاج میں جڑ
 جڑ دیتا ہے، ورنہ عارتوں میں لگا کر تاج محل اور لال ٹکڑ بنا دیتا ہے۔
 جو استاد بچے کا مستقبل پر دیکھ لیتا ہے کہ اس کی کبھی فتنہ ہے، پھر اپنی بات
 توجہ اور شخصیت کی قسم ہے اس کو کبھی بنا دیتا ہے، اور بھی گل و گلزار لگتی۔
 جو استاد۔ لکھ کر دیتی تہ بہ تہ ان کو شیخ الہندی طرح ذور بھی کر
 دیتا ہے، اور ہمیشہ کے لئے غیر کی طاعت اس کا رنج بھی موڑ دیتا ہے۔
 وہ استاد۔ جو حقیقت پسندی سے بھی بڑا نااہل، ہاں اپنی
 برتر طبعیت اور فنکاری سے اس کی جلا بدرا کر دیتا ہے، پھر اسے حق کہتا ہے
 تھکا دیتا ہے، جسے حضرت کثیر اور مولانا عثمانی جیسے حضرات نے مناظر اس
 کی نگاہیں چکا چوند کر دیں کہ وہ میرزا کا کا شاعر کبھی لے کر کلمہ حاصل کا نام ہے
 یا ذوالکا۔ جب انھوں نے سن لیا کہ کلمہ ایک نوید ہے جو خدا کی
 بارگاہ سے ملتا ہے، اس طرح استاد دارالعلوم نے ان کی کئی کئی کتابیں فرمیں
 پلا کر ایسا سیراب کر دیا کہ عثمانیہ یونیورسٹی بھی ان کی شاندار کو ختم نہ کر سکی
 وہ استاد و شاعر و کلمہ کی باتیں دیتا بلکہ علم کی توجہ اور دین بھی دیتا ہے،
 جس پر آگے مل کر وہ اپنی شخصیت کو مکمل کرتا ہے، اور اپنی سراج کی طبعیت
 قدم بٹھاتا ہے، جیسے شیخ الہندی نے لکھا، ان کے فضل و اہل اور انوار میں

جس سے دل و دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور ان کی وہ شخص جو
 مولانا حسین احمد مدنی سے اور شیخ الہندی سے حدیث و فقہ کے لئے ترمذی و
 بخاری میں ہوتی تھیں کہ نقل و نقل رہ جاتی ہے۔
 دوا استاد۔ جو روحانیت کے جذبہ باطن سے اور قلبی طہانیت
 سے دماغ کو نہیں بلکہ دل کو زندہ کر دیتا ہے، اور عدل سے زندگی پیدا کر کے
 عقل و حواس کو دل کا حاشیہ برادر بنا دیتا ہے، جیسے مفتی عزیز الرحمن کی بات
 میں انھیں حسین کی صحبت، حضرت شیخ الہندی کی تسلی، اور حضرت مدنی کا خواب
 میں ان کا ان کی مدد کرنا، چنانچہ مناظر اس جیسا معمولی نوجوان جب روحانیت
 سے مطمئن ہو گیا، تو اس کے دلہا بنا دیں، اس کے جذبہ باطن اور معرفت و دلور
 کی پرواز نے اس کو کبریت احمد بنا دیا اور دنیا کی کوئی شخصیت کوئی کاموادر
 کوئی یونیورسٹی اسے مغرب نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے سامنے پہلے آواز ہو گئی، اہل
 لئے وہ بہادری و شہادت، مناظر اس کیلانی ہو گئے، ایسی ہی فضا کا اٹھ ہے کہ آج تک
 دارالعلوم کی یہ بات بھی، اب یہ کہاں کا چہرہ کی بھی صاحب نسبت ہوتا ہے۔
 مگر یہ باتیں ہیں جب کہ کہ آتش جہل تھا
 دارالعلوم کی یہ ساری علمی، روحانی، علمی اور جذب و سلوک کی فضا
 وہاں کے بانیان اکرم خصوصاً مولانا محمد قاسم و خیر علی دینی ہے، جنھوں نے
 دارالعلوم میں منتخب روزگار افراد اکٹھا کر دیئے تھے جو علمی بھی تھے، روحانی
 بھی تھے، اہل تقویٰ بھی۔ اس لئے حضرت شیخ الہندی اور حضرت عثمانی ایسے
 رجال امت تیار ہوئے، پھر ان حضرات نے فضا بنائی تو مولانا عثمانی، علامہ
 کشمیری جیسے نابھہ روزگار گھڑے۔ ان کے بعد بہت دیر تک کوٹش مولانا جیسے
 صاحب ہمت دارالعلوم نے فرمائی کہ مولانا اور شاہ کوٹشوری دہلی سے حضرت
 مدنی کو آسام سے اسی طرح مولانا ابوبکر صاحب اور مولانا اعجاز علی جیسے
 حضرات کو کہاں کہاں سے تلاش کر کے لائے اور دارالعلوم میں لایا۔

۱۸
 حمد آفتاب است بن گیا۔ تو کسی دارالعلوم کی مردم ساز فضا بڑی لگن،
 ذہانت اور دوسوڑی سے بنتی ہے۔ اور جب بن جاتی ہے تو ایک طرف
 قال اللہ وقال الرسول کی آواز آتی ہے اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ اور اللہ
 ہو کی عزت میں سنائی دیتی ہیں، ان دونوں پہیوں سے گاڑی چلتی ہے تو مدار
 مستقیم پر قائم رہتی ہے ورنہ کسی طرف لٹک جاتی ہے
 آپ اہل کتاب کو پڑھئے تو — اس کی عبادتوں کے ساتھ اسکے
 بین اسطور کو بھی پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک وہ بھی انسان تھے جنہوں نے
 انکے فن پیدا کئے اور ایک ہم بھی عالم، فاضل، خطیب اور مدرس ہیں کہ کام
 کے آدمی نہیں پیدا کر پاتے، آخر کیوں؟

مولانا گیلانی کے یہ تاثرات صرف ایک سال کے قیام دارالعلوم
 کے تھے، مگر ہم کو آپ کو تعلیم و تربیت کے رہبر سارے ہاتھ آئے ہیں، حور
 کیجئے ہم نے آپ نے کیا کیا باطلہ آگے تو انہیں کتاب پڑھائی یا فن،
 انہیں علم دیا یا عمل اور آپ انہوں نے اسلام پایا یا ایمان۔ ہم نے آپ نے
 ان سے خدمت لی یا ان کی خدمت بھی کی، ہمارے آپ کے اخلاق و عادت
 مشہور و قلم و زبان سے کہتے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر
 چلنے لگے، یہ کتاب کہتی ہے کہ اس سلسلے پر غور کیجئے، اپنے اور اپنے ہوں
 کا جائزہ لیجئے اور فیصلے کیجئے پھر مستقبل سنو ان کے لئے قلم کیجئے۔

مولانا اجماع احمد صاحب تعلیم و تربیت کے آدمی ہیں، میں نے انکے
 نمونے غازی پور، گوردہ بنی جو پور میں — اور آپ جو پور میں دیکھے ہیں
 مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تعلیم و تربیت کی فضا مزید بہتر، خوش گو اور اور
 معنی مہنتاج البقو بنانے کی طرف ان میں موجود ہے، اور ان کی تربیت نے
 انکو دوا و سفر کو کئی شکل میں لا کر اہل مدارس کو اپنی بند و بہ کی زاد دیکھنا
 ضروری سمجھا ہے۔

خدا اس مسافر کی ہمت بڑھائے جو منزل کو ٹھکرا دے منزل مسجد کر
 سمجھ میں نہیں آتا کہ دارالعلوم کا ایک طالب علم، ایک گائوں میں
 بیٹھ کر تعلیم و تربیت کو خالص دیوبندی اسلاف کے شیخ پر لانے کی وطن
 میں سرگرداں ہے، اور خود اہل دارالعلوم اول و ثانی کو اس کی مطلق پروا
 نہیں کہ وہ بھی اپنی متاع گمشدہ کو تلاش کریں، اس کی برتی ہوئی دیوار کی عزت
 کریں شاید۔

کاروان کے دل سے احساں نیاں جاتا رہا
 اگر یہ سچ ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ متاع کاروان جاتا رہا۔
 کاش دارالعلوم کو کوئی پھر حبیب الرحمن عثمانی میسر آتا، کوئی وحید الزماں
 کیرا فوی لی جاتا، کوئی صاحب ل، صاحب مہنتا نصیب ہوتا، جو انکی نشاۃ ثانیہ
 کے لئے سعی جیل کرتا، اور یہ ادارہ اپنی فیادوں پر قائم ہو سکتا — لیکن اس
 سے ان حضرات کی ذمہ داریاں کم نہیں ہوں جو تحریک دارالعلوم کے علم بردار
 ہیں، کہ وہ تعلیم و تربیت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ روحانیت کی فضا بنا کر ایسے
 انسان بنانے لگیں جو دنیا کے بھی آدمی ہوں اور آخرت کے بھی، اور پورا دار
 علمی مہنتاج البقو چل رہا ہو یا چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

محمد افضال الحق تاحی

نزہیل دارالعلوم رحمانی حیدرآباد

۱۴ رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

ٹونک میں

الاستاذ الامام الہمام المقدم مولانا ابوالرشاد اکبر علی نور اللہ
 شریف کے مرقۃ الفوائد، غلط شد مولانا سید ازہر شاد قیصر علیہ السلام نے
 کے مسلسل تقاضوں سے آخر اس پر آمادہ ہو نا ہی بڑا اگر دارالعلوم دیوبند کے
 حلیۃ القدس میں چند سال خاص حالات کے تحت اس فخر کے جو گزریں
 ہیں ان کے سنے مشائخ و ارشادات نجی کجی اور دل و دماغ کے گوشوں
 میں ڈکی جی جو رہ گئی ہے۔ انھیں قلم بند کرتے ان کی خدمت میں پیش
 کروں، تاکہ دارالعلوم، بعد میں نکو مشایخ کریں کہ دین چالیس سال
 کی مدت اس واقعہ پر گزری ہے، صرف حافظ کی مدد سے، جو آجیں باوقی
 بلی جائیں گی، انھیں حوالہ اقلہ کروں گا، نہیں کہہ سکتا کہ حافظ کی کردہ سول
 کے اثر سے میرا یہ تحریری بیان قطعاً محفوظ ہے۔ انسان ہوں، نسیان کا
 ترکہ نشی، ذلیم غیث لہ غنہ نامہ اس آدم بچوں گیا، اور ہم نے اس میں
 عزم و ارادہ کی پختگی نہیں پائی، کے قرآنی ذہن کی بنیاد پر بیٹا مجھے بھی مل
 ہے، واللہ تعالیٰ اعلم و صلوات اللہ علیہ
 سچ پوچھیے تو دارالعلوم دیوبند سے میرا تعلیمی رشتہ قدرتی فیصلے
 کی ایک عمدہ شہادت ہے، یوں تو محمد اللہ صابو تھا ایک اسلامی گھرانے
 میں، ایسے گھرانے میں جہاں عربی علوم و فنون کا پرچا پیلا سے دوڑ رہا۔

لیکن میرے جد امجد مولانا محمد حسن گیلانی مرحوم کے علمی ذوق پر مشغولیت
 کا رنگ غالب تھا، ہمارے ایک گاؤں میں قیام کرنے کے بعد بھی اسی ذوق
 کا نتیجہ تھا کہ الافاق النہین، شریعت مجربہ، اور اس کے حواشی قدید و جدیدہ
 و غیرہ کے نسخے بھی ان کے اس دہستانی کتب خانے میں موجود تھے، اور
 میں نے دیکھا تو نہیں لیکن سنا ہے کہ مسلمانوں کی قدیم متون اور فلسفے کے
 تشریح کاموں کا ایک مجموعہ اسی گاؤں میں ان کے ارد گرد جمع بھی ہو گیا تھا
 جن میں مغربی بیباک، بلکہ سرحد تک کے طلبہ بھی شریک تھے، سرحدی علاقہ
 بنواریہ کے ایک بزرگ مولانا عبداللہ مرحوم جو ٹونک پہنچنے کے لئے گیلانی آئے
 اور اسی کو وطن بنا کر یہیں آسودۂ خاک ہوئے، خاکسار نے ان کو دیکھا بھی تھا
 بچپن میں ان کے ہفتہ واری موعظے سے مستفید بھی ہوتا رہا۔

خیر عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ علوم عربہ کا ذوق گو ہمارے
 خاندان کا موروثی ترکہ تھا لیکن اس ذوق پر مشغولیت کا رنگ جو نکو ستولی
 تھا، اس لئے ہمارے مرحوم محمد مولانا کالج الحکم سید ابوالنصر نور اللہ
 مرقدہ، جن سے عربی کی ابتدائی تفصیل نظر حاصل کر رہا تھا، انھوں نے آئندہ
 تعلیم کے مراحل کی تکمیل کے لئے مجھے رامت ٹونک، پیناویا، جہاں خیر آباد
 کے متولی اسکول کے امام مولانا سید برکات احمد جتوئی نظر آئے درس کی سند
 بھجوائے ہوئے زیادہ تر تعلیمی علوم و منطق و فلسفہ کی تدوین و تعلیم میں لہجہ
 ذوق و شوق پہنک گئے، مولانا برکات احمد نور اللہ مرقدہ براہ راست مولانا
 جتوئی خیر آبادی کے تلمیذ رشید تھے، گو باخیر آبادی درس کا آخری چراغ
 ان ہی کی بدولت راجپوتانہ کے اس سنگتانی علاقہ کے ایک گوشہ میں
 روشن تھا، تیرہ چودہ سال کی عمر تھی، جب اسی متولی ماحول میں فقیر داخل ہوا
 تھا، دوسرے علوم خود غرض وغیرہ کی کتابیں تو ٹونک کے مدرسہ علیہ کے مدرس

اساتذہ سے شروع ہوئیں، اور منطق کی کچھ کتابیں گویا چھکا تھا، پس کین مولانا برکات احمد صاحب نے غیر معمولی شخصیت اور لوجہ کو جسے اس فن کے ابتدائی راہ راغری ہی سے پڑھانا شروع کیا، تمام اسباق میں قدرۃ الٰہی بہن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی، فن کا ذوق اتنا مستقل کر دیا تھا کہ اس جلد و رفتی رسالہ کے مطلوبہ نسخے بکثرت ملتے تھے، لیکن فقیر نے ایسا غریب کاظمی نسخہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا، روز کا سین قلم سے لکھ لیا کرتا تھا، اور اساتذہ عزم سے جو تقریریں بہن کے متعلق سنا حاشیہ پر بربان اردو چڑھا کر تھا کہ عقلات کی ایک ایک کتاب کو اسی التزام کے ساتھ پڑھوں گا۔ بزرگوں کے قصے سننا اذ کے لئے تازیاد کا کام کرتے تھے، مولانا اپنی تقریری مجتہدوں میں سلف کی علمی اور العزیزوں کا تذکرہ کرتے اور کچھ اس والہانہ انداز میں یہ داستان سننے کو ولولوں کا ایک طوفان دلوں میں اٹھنے لگتا تھا، اور غریب التزام کے عقلات کے سلسلے کی ہر کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھوں گا، اور اساتذہ سے جو کچھ سنوں گا حروف بحرف، اس کتاب کے حاشیہ پر اس کو درج کرتا چلا جاؤں گا، یہ التزام جو قطعاً لازم تھا، صرت ایسا غریب ہی کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا، ایسا غریب کاظمی نسخہ، اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا، اساتذہ مرحوم کے خوشی سے مزین، میرے کتب خانے میں مجھ اندر اس وقت موجود ہے، اس عہد کی، ایک لذیذ یادگار ہے، اپنے عہد طالب علمی کے حروف اور عبارات کو دیکھتا ہوں اور حیرت و بصیرت حاصل کرتا ہوں۔

بہر حال پھر دوسری کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور تقریباً چھ سات سال ٹنک ٹنک میں اپنی زندگی خیر آبادی اسکول کے خصوصی مذاق کے زیر اثر گزرتی رہی، ہاتھ سے لکھ لکھ کر نصابی کتابوں کے پڑھنے کا قدر

تو شروع ہی میں ختم ہو گیا تھا لیکن اساتذہ مرحوم کی درسی تقریروں کے نوٹ کرنے کا سلسلہ زمانے تک جاری رہا، اس سلسلے میں بعض دلچسپ لطائف بھی پیش آئے جن میں اب بھی جو سچا ہوں تو حقو قی دیر کے لئے عہد بہشتی کی لذتوں میں کھوتا ہوں را،

اسی کے ساتھ عقلات ہی کے سلسلے کے بعض نادریغوظات کے نقل کرنے میں جس خاص طریقے سے یہ غیر کا کتاب ہوا تھا، اور زندگی کے بڑے کاموں میں ان کو شاد کرنا تھا، جب اسی ان باتوں کا خیال آئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہی آدمی کو خیالات کی رنگارنگی کے ہاتھوں گردش ایام کے کین کن چکر زدوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

زیادہ آئے کہ عربی مینا کی مشہور کتاب شفا پر ایک ایرانی فاضل مجھے موجود دینا تو بھلا علی ہے، لیکن "متن عقل حادی عشر" دیکھا ہو عقل

۱۔ عقلیت کے ساتھ ساتھ اردو ادب کا ذوق بھی فقیر پر اسی قدیم احوال میں پس بیرونی نوثرات کے تحت غالب تو تھا لیکن گوداں سے بھی عقل کچھ مزید قائم ہو گیا تھا، اسی کا شاید نتیجہ تھا کہ منطق میں قضایا پر مباحث کی جو بحث ہے، اور انکی مختلف پیچیدہ قسمیں بنائی گئی ہیں، میں نے برقیہ کو ایک زندہ شخصی وجود قرار دیا، اور برقیہ کا رشتہ دوسرے قبضے سے قائم کر کے ایک خیالی لکھ ڈالا، خدا جانے کس طرح اس مقالے کے خدا داران اساتذہ مرحوم کی نظر سے بھی گزر گئے، ہمیشہ اس کا ذکر فرماتے، اور کہتے کہ اس شخص کی حماقت ملاحظہ فرمائیے، اپنے برقیہ کو گویا محسوس ایک انسانی وجود فرض کر لیا، اور بائیں قضایا میں شے قائم کر دیں، ہر ایک کی زبان سے تقریر کرانی گئی ہے، حضرت مگر صاحب پر جان عقل و فلسفہ کا ذوق غیر معمولی طور پر مسلط تھا وہیں جدید اخباری ادبیات سے تحت کارہ تھے وہ ان چیزوں کو (باقی صفحہ ۲۴)

کے نام سے مشہور تھا، گویا درسطاً عامیسی نظام میں "عقوال عشرہ" کے ساتھ
گیا رہی عقل کا اضافہ اس کے وجود سے سمجھا جاتا تھا کہ یہ کیلئے وراثت میں
خود ساختہ رہی، ان کا نام تھا، خفا پر ان کا ایک حاشیہ ہے۔ سارے ہندوستان
میں اس حاشیہ کا مروت ایک ہی نسخہ حکم صاحب مرحوم کے پاس تھا، اقباقا
اس کی جلد بٹائی، حکیم صاحب اپنے اہل ترن نامہ سے بھی اس حاشیہ کو کھنی
رکھتے تھے، بغیر طبعی معولی اعتماد و فکر سیرت راز میں یہ کتاب جلد ہندوستان
کے لئے میسر ہو نہ پائی، ہدایت بھی کسی طالب علم کی نظر اس پر نہ پڑے،
وقت گزیر دون کا دیا گیا، لیکن بغیر نے دوسروں کی حد تک فوائد استادمی سے
کام لیا، مگر خود یہ عجیب اور شب و روز کی سیریل غنت سے کسی سو فیصد کی
اس کتاب کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے جلد بڑا کر تیسرے روز کتاب حکیم صاحب
کی خدمت میں پیش کر دی، زندگی ان کو خیال رہا کہ کسی دوسرے کے ہاتھ
پر نسخہ نہیں ہے، ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ جس براعت و کیا گیا تھا، اسی نے
خیانت سے کام لیا، اور اب یہ حال ہے کہ خود مجھے معلوم نہیں کہ اس محفوظ
نسخے کو کس کے حوالہ کر دیا، (۱)

اسی عرصے میں طرابلس کی جنگ کا شعلہ بلند ہوا، جب طرابلس کا وہی شعلہ
جوالہ، جس کے بعد دنیا کو جنگوں اور لڑائیوں سے بھی فرصت نہ ملی، گویا ایک
چیسی شعلہ، جو دب و بکھر چکا تھا، اور اس وقت تک بھڑک اٹھے کی
دھکیاں دے رہا ہے، جنگ عظیم اور جنگ عظیم کے بعد جنگ عظیم کی آگ
بلند ہوئی رہی، اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ جنگ عظیم تیسرے ختم ہو چکا ہے۔ الخلیفۃ
الکبریٰ کے نام سے جس جنگ کی پیش گوئی کی گئی ہے، کیا دانے والوں کی

اور اس مسئلہ کا اہمیت قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کی رائے اور خیال کے مطابق وہ دنیا کی تاریخ میں
اور اس کے نتیجے میں کسی کیوں کا مطالعہ کر کے اور اس میں ہر ممکن کی جان کے تحت اڑا لیا جاتا۔

اور توین کے درمیان کی یہ جدت و تباہی خون میں عمارت پر مبنی

موششیں اس کے دبانے میں کامیاب ہوں گی، طرابلس کے بعد لبنان
کی ریاستوں کی چیل شروع ہوئی، خلافت اسلامیہ اور استا ہوں کی
شاہنشاہت خطے میں آگئی، اسلامی دنیا، جس میں ہندوستان کا اسلامی
علاقہ بھی شریک تھا سب پر بدحوالی طاری تھی، سرشہر اور قصبے میں طے
ہو رہے تھے، چندوں کی بھرا دھتی، اردو پرس جس کی تیرہ از دستہ دار
انباروں سے زیادہ نہ تھی، اسی حادثہ کی خبر نے اس کی سطح کو بھی لڑ کر لیا
خبروں کی طلب بڑھ گئی، چھوٹے سائز کے کم درجے، دو درجوں سے
روزناموں کی ابتدا ہوئی، پھر نورطمان ہی آگیا، خیر کتبہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ
اسلامی ممالک ان جانگزا حوادث سے راجحانہ کا دور افتادہ ٹوٹنے کا
اسلامی گوشہ قدرہ متاثر ہونے لگا، بعض لوگ چندو گری کے مشیخ کے ساتھ
اٹھ کھڑے ہوئے، جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد ایک دعویٰ مولوی صاحب
ٹوٹی کی اعدا کے لئے مسلمانوں سے اعدا طلب کرتے تھے، جارایج روپے
ہر ہفتہ میں مل بھی جاتے تھے، بغیر بھی ان کی تقریروں کے سننے والوں میں
سے تھا۔ ایک دفعہ اپنی تقریر میں حضرت ولایت ہوئے بولے کہ اس گھر میں
عربی مدرسہ بھی ہے، تعلیم بھی ہیں، طلبہ بھی ہیں، لیکن جو ادوبے جس کی انتہا
ہے کہ ہفتوں سے چار رہا ہوں، کوئی پشت پناہی کے لئے تو کیا افتادہ بات
بھی نہیں پوچھا، یہی بلائے قبا پر حکمت زدہ دل میں یہ قرار پڑا پھر میرا رہا۔
پہلی تقریر احمد نکٹ ملے کر لیا کہ آج نماز جمعہ کے بعد مسلمانوں کو خود
کو بر ولاؤں کا، حامی ملک میں تقریر کرنے کا یہ سلاو تھا، اور سب سے
بڑی بات یہ تھی کہ استاد مرحوم خواب ٹوٹنے کے ساتھ ایک ہینڈ کے لئے پھر
ملے گئے تھے، میدان خالی بھی تھا، ورنہ جیسے ان کے یہاں اخباری و فخر
سلیطت کے الزام سے مطمئن تھی، اسی طرح وعظ کوئی بھی، حکیم صاحب بل

کے نزدیک سطحی مولوں کا پیشہ سمجھی جاتی تھی، خیر جو کادن آگیا، غلامی ہو گئی، موت درس کے چند خاص رخصت ہوئی کو اپنے ارادے سے مطلع کیا گیا تھا۔ اچانک پنج مسجد میں کئی ہزار نازیوں کو بلند آواز میں کہنے ہوئے

وَأَنشَأُوا لِيَوْمٍ أَنصَحَ الْمُجِبُّونَ ۚ ادرجدا ہو جاؤ آج کے دن اسے جرم کرنے والے لوگ کی قرآنی آیت سے کچھ اس طرح خطاب کیا گیا کہ جو حال تھا، وہ اب اسے بھی سمجھ کر رہا تھا کہ ناکم ہے، مٹا اسی کے ساتھ کسی حمد و ثناء کے بعد قرآن کی ایک آیت کو تلاوت کرتے ہوئے کہنے والا کچھ کہنے لگا، دس پندرہ منٹ سے زیادہ وقت شاید نہ گزرا تھا کہ ساری مسجد میں بکرا مچا ہوا تھا، جو کچھ رہا تھا وہ بھی بے ہوش تھا، رو رہا تھا اور جوش رہے تھے، وہ بھی دھاڑیں مار رہے تھے، جس کے پاس جو کچھ بھی تھا بھٹکا چلا جاتا تھا، روئے بھی تھے، بے بھی تھے، گھڑیاں بھی تھیں، انگوٹھیں بھی تھیں، شر و آئیناں بھی تھیں، چھڑیاں بھی تھیں، ہب سیٹھیں تھیں، انما زہ کیا گیا، تو جس مسجد میں چند ہتھوڑی تک کی تقریروں سے ٹو روپے بھی نہ قبول ہوئے تھے، اسی مسجد میں دیکھا گیا کہ تقریباً ان سو سے اوپر کا سرایہ صبح ہو گیا ہے، ایک حال تھا جس کا تجربہ زندگی کے جن میں بھی نہ ہوا تھا، اور مستقل میں تھی اس کی کوئی نظر سامنے نہ آئی، ٹھٹھ و والوں سے کچھ مردان راہ کھڑے ہو گئے، جو گونستا تھا، اسی کو بولتے ہوئے دیکھ کر ان لوگوں نے اپنا مستقل واقعہ ہی اس کو سنایا، محلہ محلہ میں جلسے ہونے لگے، اور جسے داعی شہر نالیا گیا تھا، وہی چیخا چلاتا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس بے فربہ شہرے میں شہر کے قریب کاسرا ہریٹر کے املا دیٹھ میں ارسال کیا گیا، حکیم صاحب قبلہ کی قبوت سے نوٹ دلی، جب اس ہوئے تو

ذو چھڑے کر اپنے اس شاندار کے متعلق جسے تمام اند اور فاضلی مبارک کا کامیاب مدرس بنانا چاہتے تھے، اسی کے متعلق میں کہہ کر وہ داعی شہر نالیا ہے، ان پر کیا گزری، خود اس پر جس حد تک برس سکتے تھے بے ہی اور جن لوگوں نے داعی شہر نالیا کے جرم میں حصہ لیا تھا، ان کی جو درگت تھی، وہی بیمار سے جاتے ہوئے تھے۔ غفرلہ اللہ لکھنؤ دنا آج بھی

پان تو پورہ کس عرصہ میں چند دنوں تک تو داعی شہر نالیا سے اپنی تقریروں میں کام لیتا رہا لیکن تو عمری کا زمانہ، سرایہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ ضرورت اضافہ کی ہوئی، اتنی کچھ پیدا ہو چکی تھی کہ ایسا و السلام غلامی کا مطالعہ عربی زبان میں کر کے مطالب جو افندہ کر سکا تھا۔ ایسا و السلام کا مطالعہ شروع ہوا۔ مطالعہ کلیتہً دوسروں کے لئے کیا جاتا تھا، لیکن محلے دوسروں کے دستے میں غلامی کی گرفت میں خود مطالعہ کرنا لگے تھیں، اور ایسا بھٹا کو شاید آخری سانس تک یہ گرفت واصلی ہوئی ہوئی نظر نہیں آتی، بلکہ آواز دگر کچھ رہ گئی ہے تو یہی رہ گئی ہے کہ

گر لے زائد دھاک خیری کوئی مرا ایں گو
کہ اس آوارہ کوئے تباں آوارہ تر بادا

دماغ الٹ گیا، طبیعت بلیٹ گئی، دل بدل گیا، جو کچھ اب تک تھا، وہ باقی ذرا بتجربہ ہو کر اب متعلق کی کتابوں میں جی لگتا ہے نہ فلسفہ میں لذت ملتی ہے، سب سے دل اچاٹ ہو گیا، اسی اضطراب میں کچھ دن کیسے ٹوٹک سے غائب بھی ہو گیا، قریب سکا کی فی وجہ سے خواہ مہذب کے استاد ہے

۱۱، اے زائد اگر تم میرے حق میں دھاک نہ کرنا چاہتے ہو تو یہ دھاک کہ یہ آوارہ کوئے تباں، کچھ آوارہ آوارہ ہو جائے (درب)

جاگرا، اسی زمانہ میں وہ نظم، حضرت خواجہ اجیری کے "تبرہینا" کے سامنے
 کھڑے ہو کر سنا لی تھی، جو سند و دانش کا بھی ہوئی، ساتھ ہے کہ اجیر شریعت
 کی مقامی حکومت کی طرف سے ضبطی کا حکم بھی صادر ہوا تھا۔ یہ نظم اب نہیں
 ملتی ہے، مناسب ہے کہ اس موقع پر اسے درج کر دوں، لوگوں کو اس کی
 یاد بھی تازہ ہو جائے گی، اور جن جذبات سے اس زمانہ میں سید موصوفہ
 کہ ان کا بھی اندازہ اس نظم سے ہو سکتا ہے، نظم کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے
شکو کا خواجہ

"یعنی وہ نظم" جو تبرہینا، اجیر قدس سرف کے روز بروز ۲۲ صفر المظفر ۱۲۲۲
 میں سنائی گئی "اس کے بعد یا شمار تھے۔

بے طربا دروے دل آتے ہوا آتے
 خون بن کر گلہ آکھوں میں چلا آتا ہے
 سرت دیاں گینے پر آتا ہے
 ریت شکوے چلتے ہیں تھر آتا ہے
 بسم میں آج مری جان کھٹی جاتی ہے
 میرے ارادوں کی اقسام لٹی جاتی ہے

خون بھی آتا ہے، کچھ شرم کی بھی آتی ہو
 کبھی عقل ادب آموز بھی سمجھتی ہے
 شاہن اہلال کسی کی بھی دھمکا جاتی ہے
 بات آگے کے سب پر پلٹ جاتی ہے

سلطوت وصولت خواجہ میں تھرا آتا ہوں
 دل میں جو بات ہو کہنے ہوئے کھڑا ہوں
 پر یہ مشکل ہے کہ ہم اب تو ٹھنکے جاتے ہیں
 آتش جو رہنا دہلی میں بجھنے جاتے ہیں
 نگر کے بار میں ہو کر کھرے جاتے ہیں
 اشک کی طرح سرخ زخم کبے جاتے ہیں
 اب میرے کہاں جلد و عیش و راحت
 چار جانب نظر آتی ہے تو آفت آفت

حالت قوم وہ گڑھی کہ بدلنے کی نہیں
 آرزو میری غوغی سے بھٹنے کی نہیں
 بات جو کہ ہے مرے دل میں وہ کبہ ڈالوں گا
 ایسی حالت میں بھی کیا دل میں گرہ ڈالوں گا

دل میں جب ضبط نہیں، بندش بے بھی
 ہر تاباں جو نہیں، انحراف بھی نہ بھی
 جسطرح اور نہیں، ایک ریب بھی نہ بھی
 آج گستاخی مری حد سے گزرا جائے گی
 جانے کا شعلہ ریانی مری کوا جائے گی

آج آفت غلاموں کی شکایت ہوئی
 روبرو ان کے باں غم کی حکایت ہوئی
 شمس کے سامنے دڑے کو جرات ہوئی
 آج روبرو صداؤں کی مسافت ہوئی
 ایک مدت کے درخشاں دل انکھیں گے
 سر دے ہو بھی دل ان بھٹکے انکھیں گے

کنز و بند کے سلطان سے گراؤں جو مری
 انکی سرکار میں کھ کھنے کی خواہش جو مری
 دل سے فریاد مئے وہ بھی، ریشہ جو مری
 ایک ہی جھٹکتے ہیں عینا یہ روزش جو مری
 آج میں اپنی شکایت کا صلہ ڈالوں گا
 اپنی نگرہ بھی ہوئی تقدیر بناؤں گا

کیا غریبوں پر مے خواہ نوازش ہے یہی
 سم ستم دیدوں کا پاس گراؤں ہے یہی
 چشت کے ابر کی دنیا میں تواؤں ہے یہی
 کیا سلاؤں پر فیضان کی بارش ہے یہی
 حیف باشد کہ دریں وقت ذخیرہ آقا
 لختے بر حالت مالت و رحم فرما

اے اسلام! یہ کتنا وظفتم توڑیں!
 ہم شیعوں پر طے دل کے پھیلے ہیں
 محمد توں نیک کو نہ رو دیا میں پھڑپھڑیں
 بتیں سنکڑوں انہی وہ ہم پر جو طیں

آہدنا سے مسلمان اٹھے جاتے ہیں
تبع خلیفہ سے مظلوم کھلتے ہیں

خوب تہذیب کا یورپ کی تائید کا
ختم پنجم بادۂ توحید کا توڑا پھوڑا
خون سلسلے وہاں کتنے بہائے رہا
اس پر بھی جو سن صلیبی نہ تھا ہوا کھٹ
شعلہ جنگ مرا کو تہ دیا ہے اب کھٹ

لے کے افواج چڑھا روس ادھر ناز
تو میں ملے تھیں ہرے کس بے ہوش پر
جیساں اڑ گئیں گولے وہ تیرے جہ جہ
اور قیامت کی قیامت ہے دریا اس پر
مجھ تک کو سردار چڑھایا اس نے
آتش دھن کو اس طرح بجھایا اس نے

یہی بلکہ وہاں گنبد اقدس ڈھایا
ٹوٹا غارت کیا جس چیز کو اس نے پایا
اس شہر نے تلک پیر کو بھی چکر ایا
گویا ایران پر پھر چڑھ کے پلا کو آ یا
روزِ نامک میں مار دھون مسلمانوں کا
پھر بھی غلط از کلیمہ ہوا شیطانوں کا

★

۱۱) دہرہ اعلام رسالہ میں اسی قدر اشارہ ملے کہچہ اور ہوں گے، مگر وہ دستیاب ہو سکے
(درج)

باب ۲

ذکر دیوبند

اجیر شریعت کی حاضری کے ان ایام میں اب بھی دماغ پر زور دیتا
ہوں، یاد کرنا ہوں کہ دیوبند کے متعلق اس وقت میرے احاسانات کی کثافت
تھی، تو اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ دیوبند کو میں بھی جانتا تھا، اور
بھی جانتا تھا کہ دیوبند میں ایک بڑی مرکزی درس گاہ ہے، جس کے مدرس
اول مولانا محمد حسن نامی کوئی بزرگ ہیں، مولانا حافظ محمد احمد، مولانا محمد قاسم
صاحب کے مہارزادے، اس مدرسے بہتر میں یہ بھی خیال آتا ہے، کہ ادھر
ادھر سے کان میں حضرت الاستاذ الامام مولانا انسدادہ انور شاہ انگریزی کے غیر معمولی
ماہر تھے، قوت، باورداشت وغیرہ کی خبریں بھی آتی رہتی تھیں، لہذا سادہ مولانا
شیخ احمد صاحب عثمانی کا بھی گوش زد ہو چکا تھا، لیکن جہاں تک سوجنا ہوں،
میری زندگی کا عظیم واقعہ تھا کہ دارالعلوم کی سربراہ اور دہرہ شریف سیدوں
میں سے کسی بزرگ کے شفافی تقاب سے اس وقت تک مجھ کو تھا بلکہ میرا غلط اگر
غلط نہیں کر رہا ہے، تو کہہ سکتا ہوں کہ مجموعہ معنیوں میں دارالعلوم کے فاضلین
عالم کے دیکھنے کا بھی شاید شرف حاصل نہیں ہوا تھا، اور اس عجیب غریب صورت
حال کو میرے خیال پر بھی کوئی ٹکٹ آنے سے پہلے، تیرہ چودہ سال کی عمر تک
میری زندگی کلیتہً ٹکلائی جیسے ایک دور آٹا دکھائوں میں گزری تھی، جہاں

رہل کے کسی شیخ تک پہنچنے کے لئے ابھی پانچ سو کوس کا فاصلہ طے کرنا پڑا ہے۔ اب تو خبر طرک شریف پور ڈکی ایک شکر لائن گاؤں سے گزرتی ہے جس پر لاریاں بچھلے چند سالوں سے چلتی ہیں، ورنہ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں صرف ایک چوڑی پزل کریمیاں کے رہنے والے کسی شکر لائن پہنچنے میں کامیاب ہوتے تھے۔

اگرچہ میرا یہ گاؤں قسیم یافتوں کا گاؤں سمجھا جاتا تھا، لیکن زیادہ تر انگریزی قسیمی کی دولت لوگوں کا رجحان تھا، ایک ٹرے عالم پناب کے، جن کا نام مولانا عبداللہ درجوم تھا، انھوں نے اس گاؤں کو اپنا وطن بنالیا تھا، وہ بڑے اچھے واقف بھی تھے، بچپن میں میرے جرم میں اس کے ہتھوڑی داری نیچے سننے کا اتفاق ہوا تھا، لیکن اتفاق سے وہ غیر متعلق تھے، ان کی صحبت میں علماء دیوبند کا ذکر، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے نہیں آتا تھا۔ خود میرا لکھنوی، گزمو لوہوں کا گھر تھا، لیکن عرض کر چکا ہوں کہ میری خاندانی مولویت پر حقوقیت کا رنگ غالب تھا۔ الزمن گاؤں میں جب تک رہا، دیوبند اور علمائے دیوبند سے ملنا چھوٹے کاموں سے مل سکا، اور اس گاؤں سے پڑھنے کے لئے جب باہر نکلا، تو بہار، بولی جیسے علی صوبوں کے شہروں اور بڑے بڑے علمی مراکز سے ریل پر گزرتے ہوئے، راجپوتانے کی ایک ایسی دکان آدھی میں پہونچا دیا گیا جو بڑے آئین سے، اس وقت تک تیس چالیس میل دو سو ہے، اب تو وہاں پہونچنے کے لئے لاری بھی مل جاتی ہے، لیکن فیضی نے راجپوتانے کے اس سنگستانی ٹھیلے میں، جس زمانے میں قدم رکھا تھا تو خانی امی اسٹیشن سے اوٹوں کی دو منزل عجیب غریب شکل کی گاڑی پر آتے خرام بلکہ خرام کی شہزادوں کا تجربہ کرتے ہوئے مس سے بل کر شام کو غالباً نو تک پہونچنے کی مسرت چھل کر کاٹھا حدود آبادی کے اس شہر میں، جو لوگ پڑے ہوئے تھے۔ بس ان ہی پر

آبادی منتقل تھی، نہ باہری سے اس دورانیہ تک پہونچنے کی آرزو کسی میں پیدا ہوتی تھی، اور نہ یہاں کے قناعت پسند باشندے باہر نکلنے کی زحمت برداشت کرنا چاہتے تھے (۱)

اگرچہ ریاست ٹونک ابتدائی قیام سے حضرت مولانا سید احمد بریلوی، اور مولانا شاہ اسماعیل الشہید الدہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے مسکن کے زیراثر تھی، اور یوں ابتدا ہی سے علاؤ اللہ ولی اچھی سے اس ریاست کے مسلمان باشندے وابستہ تھے لیکن عیسائی سلطنت ہے، آخر میں مولانا سید احمد بریلوی کی جماعت، دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک طبقہ، جو اپنے آپ کو حضرت ہی کے نام لیاؤں میں شمار کرتا تھا، اس پر عدم تعلید کا اثر غالب

(۱) ٹونک کی یہ ریاست، اس زمانے میں ظالم ہوئی، جب انگریزوں کا تسلط ملک پر تقریباً مکمل ہو چکا تھا، سنبھل کے ایک مخدع چھان اسیر خاں کو یہ ریاست بہار احمد اور سے بطور جاگیر ملی تھی، بڑے تھے قیدیوں کے بعد، انگریزوں نے اس جاگیر کو ایک اہل علم اسلامی اسٹیشن قسیم کیا تھا، بلکہ اسیر خاں مرحوم کے ولی عہد وزیر اللہ مرحوم کو پانسو روپے کے حساب سے انگریز انعام کیے، یا خیر لاجی ادا کرتے رہے، پانچویں پشت میں مسلمانوں کی یہ ریاست ورجسٹران یونین میں راجپوتانے کی دوسری ریاستوں کی طرح راجم ختم ہو گئی، حضرت بریلوی (سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ) سے ریاست ٹونک کے تعلقات کی تفصیل سید سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔

تھا، اور اتفاق کی بات بھی کوٹک راقہ اور اسی طبقہ کے علماء کا تھا،
اگرچہ عام مسلمان علماء مفتی مذہب ہی تھے یا ہند تھے، لیکن برٹری ٹانڈران
کے جو لوگ یہاں آباد تھے، غوثانان پرغیر مذہبیت کا رنگ غالب تھا،
خود جس قسیم گاہ میں فقیر پڑھنے کے لئے داخل ہوا تھا عرض کر چکا ہوں کہ اس
خیر آبادی میں سنییت اور فلسفیت کا رنگ چٹھا ہوا تھا، مولانا اسماعیل شہد
اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں علمی نوک چھونک کا سلسلہ زائر نکلتے جو
جاری رہا تھا، خیر آبادیوں اور فناوادہ ولی الہی میں علمی رقابت کا پیدا
ہو جانا، اس کا ایک تذکرہ دینی بیوہ تھا

الغرض نوک چھونک کے بعد بھی ایسے ماحول میں رہا، جس میں فناوادہ
ولی الہی کے متبعی نہایت دلی یعنی علمائے دیوبند سے مانوس اور دوستیاس
ہونے کا موقع نہ مل سکا، حالانکہ وسطی لوگ اذوق، میرا فطری تھا، ہر طرح
کی رطوبت یا بس، بری بھلی کتابوں کے پڑھنے کا نہیں سے عادی تھا، لیکن
اب اس کو کیا کہوں کہ دیوبندی سلسلہ کی کسی کتاب، بلکہ اس طبقہ کے
علماء کے کسی مضمون یا مقالہ کے پڑھنے کی بھی ذہنیت شاید اس وقت تک
نہ آئی تھی، حدیث ہے تو حکم الامت قدس اللہ سرہ، جن کی کافی کتب میں
اس وقت تک ملک میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی تھیں، ان کے مطالعہ
سے بھی جو دم تھا ذریعہ کو توشیح کرنا دشوار ہے، لیکن خیال ہی دل میں
ڈال دیا گیا تھا۔ کہ یہ بے چارے مولوی ملا لوگ، کیا نکھیں گے، آریوں
کے رو دیں میرے استاد مولانا برکات احمد صاحب مرحوم نے بھی ایک
رسالہ اور زبان میں لکھا تھا، مولوی رود بیل کے ساتھ دہی رسالہ مولانا کے

۱۱) مراد رائے بریلی کا خاندان ہے (راجا)

مرحوم جو انارکٹ صاحبزادے حکیم محمد احمد صاحب فقیرانہ کے نام سے،
جب شائع ہو رہا تھا، تو ان کے اصرار سے ایک مقدمہ فقیر نے بھی اس
رسالہ کا لکھا تھا، جو اسی رسالہ کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس مقدمہ میں،
بعض تعریفی فقرے علمائے دیوبند کے علمی خدمات کے متعلق، ایک خاکسار
کے قلم سے نکلے ہوئے موجود ہیں، جب بھی ان پر نظر پڑتی ہے، تو شرم سے
گردن جھک جاتی ہے، اور دیر تک سوچتا رہتا ہوں کہ انسان کتنا جھول
اور کیا سخت غلوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور بے جا تعریف و ثناء
سنائے قصوں کی بنیاد پر کتنی غلط رائے قائم کر لیتا ہے، اور طرہ یہ کہ ان
بالائے تاثرات کا انظار، کتنے خالوں اور خالیوں میں گرنے پر جری ہو جاتا ہے
انکی شرمناک اور عبرت آموز مثال خاکسار کے یہ فقرے ہیں۔

علمائے دیوبند اور ان کے حاریرانہ تحقیقاتی فیصلوں سے قطعاً واقف
تھا، لیکن ان پر رائے زنی کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند کی
ادبیات کا سارا ذخیرہ میری نظروں سے گزرا ہوا ہے، اور اپنی ان ہی
دیکھی بھائی کتابوں کے عدم افادیت سے دوسروں کو مطلع کر رہا ہوں، اگرچہ
نہ ان کا شک ہے کہ اسے اس مضمون میں حرج و مرج دیوبند یا علمائے دیوبند کا نام
میرے سیاہ قلم نہیں آتا ہے، اشارے اور کنائے میں تنگدلی بھی ہے،
اس لئے بغیر اس کا پتہ نہیں مل سکتا کہ ان تعریفی کلمات کا نشانہ کون ہے
لیکن آج جب ذکر کی اس قصبہ کا چھپرہ کیا تحقیق کا انظار عورتہ لکنا ضروری
کر رہا ہوں، خدا ہی جانتا ہے کہ خاکسار کی طرح عدم علم کو علم قرار دینے کے
اس مفالیط میں مبتلا ہو کر حق و صداقت کے ان اپنی ترجمانوں کے کلام سے
مخدوم رہ جانے کی کیفیتوں کے کتنے شکار ہوئے، اور اس وقت تک ان ہی
بے جا بدگمانیوں کے بنجوں میں کتنے پھر پھڑکا رہے ہیں۔

مختصر المعانی کا تشریح

ہاں ایک بات یاد آتی کہ جب مختصر المعانی ہمارے شروع ہوئی تو میں نے بتائی کہ فہرست میں مختصر المعانی کے ایک ایسے نسخہ کے نام پر نظر پڑی جس کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدین مولانا محمود حسن کا اس پر جائزہ دیا ہے، مولانا کا نام دیکھ کر ایسے پڑھنے کے لئے خاکسار نے مختصر المعانی کے اسی نسخہ کو منگوا لیا، خیال تھا کہ اس پر مولانا نے اپنے ذاتی حواشی درج کئے ہوں گے، لیکن مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مختصر المعانی کی مشہور شرح، علامہ دہلوی کی حصہ سے جو شائع ہوئی ہے، زیادہ تر اسی سے عبارتوں کا اقتباس کر کے کتاب پر مولانا نے فرما دیا ہے، اور خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے۔ یا لکھا ہے تو بہت کم لکھا ہے، جس کا ہونا، گویا زہونے کے برابر تھا، میری بے بصیرت ملاحظہ فرمائیے کہ ان کا یہ کام میری نظروں میں کچھ زیادہ نہ تھا، خیال آتا کہ اس کے لئے اتنے بڑے عالم کو رحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کا بھی جی چاہے، دہلوی کی شرح سے ان حواشی کو نقل کر کے کتاب پر چڑھا سکتا تھا، مگر یہ اپنے ایام جاہلیت کا احساس تھا بعد کو جب دہلوی کے ساتھ ملا کر ان حواشی کے مطالعہ کا موقع ملا، تب مولانا کی فیہرست میں اختتامی قوت کا اندازہ ہوا، گویا اس مختصر و سہو شرح کی مروج نکال کر مولانا نے رکھ دی تھی، ہزار ہا سزا رفتاریات لکھے پڑھتے سے بھی جو نتائج حاصل نہیں ہو سکتے، وہ ان چند سطروں میں مل جاتے تھے، اور اس وقت معلوم ہوا کہ کمال صرف یہی نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیش کی جائے بلکہ دوسروں کے کلام سے پھیلوں کو اتار کر صرف مغرب زدہ کر لیا، اور جہاں ضرورت ہو، ٹھیک اسی جگہ پر موقع موقع کے ساتھ اس کو درج کر کے مشکلات کو حل کرتے چلے جانا، بجائے خود ایک ایسا کمال ہے کہ اپنی

طرف سے کچھ لکھ لکھا دینا، بجز یہ بتانا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے اور اس نقطہ نظر سے کوئی غیر ممکن کہ مختصر المعانی پر مولانا مرحوم کا یہ جائزہ ایک ایسا حاشیہ ہے جس نے طلباء ہی کو نہیں، بلکہ مدین کو بھی اس کتاب کی تمام شروحوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے، خواہ اندھن اہل علم و اہل علم و خراجوازا

دارالعلوم کا ابتدائی تعارف

بہر حال میں قصہ اپنا سنا رہا تھا کہ اجیر شریعت کی شاہجہانی مسجد میں اپنی تقریر کے ساتھ مندرجہ بالا نظر کرنے جس زمانہ میں حضرت خواجہ کے قہر بیٹا کے سامنے تقریباً بیس بیس ہزار کے مجمع میں سنا ہی تھی، اس وقت تک دارالعلوم دیوبند ۱۰ دہائے دیوبند کے اہل علم و فضل کے متعلق خاکسار کے احساس و تاثرات کا یہی رنگ تھا، لیکن استاد سلطان الہند لکھنؤ نور الدین صاحب تک تو خزانہ کی ایجاد و معلوم مجھے ٹھیک کر لائی تھی، یہاں کیوں کیا تھا، کس ارادہ سے حاضر ہوا تھا، اب ان بھولے بسے قصوں کے ذکر سے کیا فائدہ؟ یہ جو آٹھ ہی سے دس کا تو پھر کیوں کیا ہے

اب تو ان عزائم اور ارادوں کے تصور سے بھی معذور ہوں، جن سے آہ اگر کبھی اجڑا دل بھی آباد تھا، اہل جن امتیں جذبات سے اس زمانہ میں سینے میں مل چلی ہوئی تھی، کچھ ان کا اندازہ میری نظر کے بعضی اشخاص سے ہو سکتا ہے، مشہور شاعر سے پیش درایتیں تو کسی زمانہ میں محمد اللہ قائم نہ ہوا لیکن ظاہر ہے کہ جس سلیقہ و شعور کی پیشگی کے زمانہ میں پانا ہوں، یقیناً اس سے نوعمری کے ان ایام میں محروم تھا، لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی چاہوں تو اس نظر کے بعض حصے جن سے جو دش و دش گویا کھٹ پڑتا ہے، خود مجھ ہی سے نہیں بن پڑ سکتے، میری سچ میں نہیں آتا کہ اسی بھی مجھائی روکھی ہوگی، افسردہ و پشورہ طبیعت میں یہ آگ کہاں سے بھڑکی تھی جہاں

آج راکھ کے سوا کچھ نہیں ہے، اسی میں یہ دیکھتے ہوئے انگارے کہاں سے چمک اٹھے تھے، خیر اس دگر مروجہ کا توجہ زہ کل چکا ہے بس بقول حالتی کہ جب دل زندہ تو نہ مجھے چھوٹا میں نے بھی تری رام کہاں تھوڑی عرصہ کرنے کی بات صرف یہ ہے کہ اجیر شریف میں خاکسار کا قیام مولانا امین الدین اجیری مرحوم کے دولت خانہ پر تھا، مولانا مرحوم ہمارے استاد مولانا سید برکات احمد کے ارشد لافزہ میں تھے، اس وقت سے خاکسار کہ مولانا نے اپنا مکان بنایا تھا، اور وہ بھی وہ اسلامی اخلاق کے یک غیر مبنوی موز تھے، میں نے ان سے پوچھا تو نہیں تھا، لیکن ان کی عنایت و فوازش سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہا۔ ان سے زیادہ بے کلف نہ تھا، مگر ان کے چھوٹے بھائی، جواب غازی بھی الدین کے نام سے "خلافت" کی دنیا میں مشہور ہیں اور اس زمانے میں "پارے میراں" کے نام سے پکارے جاتے تھے، ان کو میرے دل کی پیمائشوں کے بھانپ لینے کا موقع ملا، انھوں نے میرے حال زاد کا ذکر ہر بے بھائی سے کیا، مولانا خدا انھیں جنت نصیب کئے مجھ پرست زیادہ ہر ان ہو گئے، اور اسی سلسلہ میں درگت و گفتگو فرماتے رہے۔ انشاء گفتگو میں پہلی دفعہ انھیں سے مجھے یہ علوم ہوا کہ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ بڑے مولوی اور مدرس ہی نہیں ہیں، بلکہ ایک خطار سیدہ عارف ہونے کے ساتھ ساتھ۔ ان میں وہ غریب بھی پائی جاتی ہے جس نے آج کل مجھے پتہ نہیں کر رکھا ہے، شعوری سمجھے، یا غیر شعوری، لیکن یہ سیلا موقوف تھا، جب یہ تو نہیں کہ میرا کہ جس عقیدت کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مشہور میرے دل میں ڈالا گیا، مگر سو عقیدت کا ازالہ مولانا امین الدین صاحب

(۱) ہندوستان کی مشہور تحریک خلافت کی قیادت کا اشارہ ہے (۲) عجمی زادہ

کی تحریروں ہی سے ہوا۔ رحلہ و غفرلہ، حالانکہ مولانا امین الدین، تسلیمی حیثیت سے از سر تا سر آگاہی ہی خیر آگاہی تھے، لیکن زمانے کے مولویوں نے مولوی مولوی ناقابل کیا تا اختلافی نقطہ نظر کے کاہ کو کہ بنابر کائنات لگت لگت علی دنیا ہوا رکھی تھی، اور مولویوں کا ہر طبقہ اپنی دیکھہ اہست کی اپنی محفل کی حد تک اپنی آمد و رفت کو محدود رکھتے، ہر مصرقہ ان خود ساختہ سنگت خالیوں سے وہ غنا دار بہت زیادہ بلند ہو چکے تھے، خصوصاً حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کے ساتھ ان کی گروہ کی کا جو رنگ تھا، مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ براہ راست کسی تلمذ و مرید کے رنگ سے وہ بھکا تھا، مولانا امین الدین نے سبھی بھکا کر مجھے پھر ٹوٹک ٹوٹا دیا، ٹوٹنے کی حد تک تو لوٹ گیا، مگر اجیر شریف ہی کے قیام کے ایام میں میں ہمیشہ سا ایک فیصلہ دل میں، جلوہ گر ہونے لگا۔ اب خیال کرنا تو یہ قوتیاد وہ یہ تھا کہ اپنی تسلیم کو مکمل کرنے کے لئے بجائے ٹوٹک کے مجھے نہیں اور چلنا چاہیے، اور کہاں چلنا چاہیے؟ ازل میں تو وہ مقدر ہو ہی چکا تھا، لیکن ناسوتی عالم میں یہ تقدیر ہی فیصلہ واضح شکل میں اس وقت تک سامنے نہیں آتا تھا، اتفاق بر اتفاق دیکھئے، اجیر سے ٹوٹک واپس ہوا، شاید چند ہفتے بھی نہ گزرے ہوں گے کہ کرا ل اور جھنڈی و شاہر میں پھوٹ پڑی، وہاں کی خدمت کا اندازہ ہی سے کیجئے، کہ اس مختصر سی آگاہی میں مرنے والوں کی تعداد اتنی اتنی بجا تھی یا کسی کسی دن بیوہ جاتی تھی، دوسروں کے ساتھ خاکسار بھی اس وہاں کی مرض میں مبتلا ہوا، مگر اتنا سخت تھا کہ شفا یاب ہونے کے بعد بھی دس ہندو دن تک مجھے کبھی نہ دیا تھا، یہاں تو کیا متفق ہو چکی تھی، تین دن تک تو ہوش بھی نہ تھا کہ کہاں ہوں، اور کس حال میں ہوں، غریب الوطنی میں ہمارے رفقا و درس نے غیر معمولی ہمدردیوں سے خاکسار کی تیار داری میں کام لیا، دس بارہ طالب العلم فوبت نبوت میرے ارد گرد شب روز جاگتے بیٹے تھے اور

تیمارداری کے فرائض انجام دیتے تھے چند مہینے پہلے بجائے ایک معمولی مالک علی
 کے جو کچھ داخلہ شہر بھی بن چکا تھا، اس نے سارا انہر میرے پیار پڑ جانے کی خبر سے
 متاثر تھا، پھر کے ایک مختصر بزرگ شخص حضرت سید صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی
 رفاقت کا شرف تو عمر کے زمانہ میں حاصل ہوا تھا، عبادت کے لئے قسریعت
 لائے اور نیم ہوش کی حالت میں ان کی زبان سے میں نے کچھ سنا، کیا سنا، صے
 بھی سناؤں گا سننے کے لئے انہیں نہیں ہو سکتا، پس میں نے سن لیا، اور جو سنا گیا
 تھا اسے دیکھ بھی لیا، گویا

ہاں ہم نیکو ستم بر ستم و مکر ستم
دیوبند جانے کا فیصلہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہینے کامریض جس کی بعض پر بات
 رکھنے کے ساتھ ہی طبعاً آب دیدہ ہو کر پڑے
 ہے اللہ کا تھا، وہی زندہ کیا گیا، جو انھیں نابینا ہو چکے تھیں، ان میں رفتہ رفتہ
 روشنی و آہ آئی، اور وہی خیال یا فیصلہ، جو آستان سلطان الہند برصہ میں
 ڈال لیا تھا، پھر یہی قالب اختیار کرنے لگا، جھوت باب ہونے کے چند ہی روز
 بعد ہنگامہ رہا، اپنے وطن آیا، اور اپنے بزرگوں کو دل کے اس فیصلہ سے
 مطلع کیا، فیصلہ یہی تھا کہ دارالمسلموں دیوبند ہو، یہی کہ حضرت مولانا محمد حسن سے
 حدیث پڑھنا چاہتا ہوں۔ ردود خارج کا سلسلہ جاری تھا کہ بعض مشرقات اور روئے

(۱) یہ خود ہمارے استاد مولانا حکیم برکات احمد تھے، اہانت کا وقت تھا، میں سادھے گونجے
 ہوں گے، بعض کی حالت غیر ہو گئی کہ کوگوں نے حکیم صاحب مجرم کا اطلاع دی، شریعت
 کو کہیں بڑھاتہ رکھا میں نے تو نہیں دیکھا تھا، گوگوں نے سنا کہ آپ دیدہ ہو کر پڑنے لگے، دیکھنے
 محکمات کی صورت پیش آتی ہے، ان تیمارداروں میں سب زیادہ مولانا عبدالحق صاحب کابلی
 کی خدمت سے متاثر تھا، ابھی ان کا خیال آجاتا ہے، تو آب دیدہ ہو جاتے ہیں، ماضیوں کا کلی
 کے ان دنوں کے بعد پھر ان سے ملاقات ہو سکی، جہاں کہیں ہوں ان کو سلام کرتا ہوں۔

ملائے میرے تعلیمی سرپرست جم غفیر اور مجرم مولوی حکیم سید ابوالفرح کے قلب کو
 بھی اس فیصلہ کے ساتھ راضی کر دیا، اوہ اپنے ہولیکہ کے بعد بھائے
 ٹوٹ کے خاکسار دارالعلوم دیوبند ہی کا احرام باندھے گا، لیکن سوال تفاوت
 کا سامنے آیا، کہ چکا ہوں کہ اس وقت تک، دیوبند اور طحاوی دیوبند کے
 چھوٹوں اور بڑوں سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہیں ہوا تھا، پھر خود ہی خیال آیا کہ
 دوسروں کا توسل کیوں ٹھونڈھوں، گیلانی سے ایک خط حضرت مولانا حافظ محمد احمد
 صاحب کی خدمت میں ارسال کرتے ہوئے، مدد میں داخلگی کا رزدار براہ راست
 پیش کر دی، جو کچھ لکھا پڑھا تھا، اس کی تفصیل درج کرتے ہوئے دورہ کی عیادت
 میں شریک ہونے کی آرزو اس طریقہ میں ظاہر کی گئی تھی، دوسرے میں شریک
 ہونے کے احتجاج کو نظر کرتے ہوئے میں نے بھی کیا کہ الجہ احرار الخالصة
 فی الحکمة المتالیہ کے چند ابتدائی فصول کو، اور دوسرے ترجمہ کر کے عربیہ کے
 ساتھ شریک کر دیا، مباحث اور مدار اور الباقی مسائل کے تعلق مولانا عبدالحق
 خیر آبادی کی یہ کتاب شاہکار و نہایت جلیست و رقیق ہے، مضامین کافی دقیق اور
 پیچیدہ ہیں، مقصد یہ تھا کہ درخواست گزار کی علمی استعداد کا پختہ اندازہ اس سے
 ہو سکتا ہے، اور یہ کہ دوسرے میں شریک ہونے کا وہ تجربہ ہے، یا نہیں اس فیصلہ
 میں بھی ترجمہ کے اس نمونہ سے ایک نمونہ ملے گی

میرا یہ عزیز دیوبند بھیجا، اور میری حیرت کی انتہا نہ تھی کہ غلامیہ قوت لگا
 واپسی ڈاک سے یہ جواب ملا کہ فوراً دیوبند پہنچ جاؤ، ہر چہ کہ قلم کر دیا جائے
 گا، یہ ایک پوست کا روٹھا میں پرست غلاما ملا محمد احمد صاحب ہی کے تھے،
 یہی کچھ بھی چاہیے تھا، اور کی کچھ بھی کہ حافظ محمد احمد صاحب قبل ہی کی توجہ
 فرمائی کہ کاتب میرے اس وقت پر تھا، اس واسطے کہ میری طبیعت پرانا جیسا کہ
 شریعت کی قسم کی وجہ سے نہیں تھا، مگر کہ انہاں پر کینہ لڑھکیا، کچھ لکھا گیا کہ اس
 اس سے قطعاً اکادمی تھا۔

ہے، تاکہ والے نے کہا، ساز و سامان ایک غریب طلبہ کا تھا ہی کیا،
بہتر اور سزا، شاید کوئی لڑکا پھوٹا ہار نکٹ، انھیں کے ساتھ دروازے کو جو رکنے
پہلے دروازے کے پہلے صحن میں، میں اگر کھڑا ہو گیا، اس نے دوسرے دروازے کا
پیشانی پر جس کی انتہائی سادگی کے ساتھ

باب

مدرسہ اسلامی دیوبند

لکھا ہوا تھا، اس کو طرہ قرار دیا، یہی دیوبند کا مدرسہ ہے، ہوتا رہا، کچھ لڑکائی
لا پرواہیوں کے ساتھ آج اب ہے تھے کسی غریب لڑکے مسافر کو وہ کہا پوچھتے تھے
صبح و شام وہاں آئے جانے والوں کا تازہ ہی بندھا ہوا تھا۔ اب یاد نہیں رہا کہ وہ
کون صاحب تھے جن سے بڑھ کر دریافت کیا کہ "منظر حسن بہاری" طالب علم سے
کیا آپ واقف ہیں، وہ واقف تھے، یہی واقفیت نور الدین بنی، اور میں ان کے
کمرے تک پہنچ گیا، مدرسہ کی مسجد کے جنوبی پہلو میں، جو چند حجرے مہمان خانہ
کی چھت کے نیچے ہیں۔ انھیں میں سے ایک حجرے میں چند دوسرے بہاری طلبہ
کے ساتھ مولوی منظر حسن کا قیام تھا، منظر حسن کی آخری عمر کو یہ جس کے اندر
ایک حجرہ چھوٹا سا اور بھی ہے، مدت تک اسی چھوٹے حجرے میں خاکسار مقیم رہا،
اس زمانے میں نام اس کا "حجرہ قبریہ" رکھ دیا تھا حجرے میں چٹائیوں کا فرش
تھا، ایک ریشم دار لگایا، یکم جا کے تقریر سے قلعہ شریعہ کی کھڑکی کا صاحب
کی خدمت میں بھیجے گئے بیٹے، آگے آئے وہ جا رہے تھے، اور کتب خانے کی طرف
شریحین کا جو راستہ دار الشورہ کی طرف جاتا ہے، ان ہی شریحین کے گزرتے
ہوئے، دار الشورہ کے کمرے میں پہنچ گیا، ایک خیمہ والا غریب خیمہ دہشت بزرگ
پر نظر پڑی جن کی ٹاٹھی کے کچھ بال سفید ہو چکے تھے، اور زیادہ ابھی سیاہ ہی تھے
دیکھا کہ بڈاٹ کے پاس فرش پر بیٹھے ہوئے عینک لگا کر کاذبات کے مطالعہ میں

دیوبند تک رسائی

رمضان کے بعد حسب طلبی، خاکسار گھر سے تین تہار روزہ ہوا۔ کچھ نہیں جانتا
تھا کہ جس اہل میں شریعت ہونے جا رہا ہوں، وہاں کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس
احول سے مناسبت پیدا ہوئی یا نہیں؟ تنہا ہی گھر سے نکلا، اور دیوبند کے پیش
پیشک اس وقت جب اپنی عمر کے عیسوی سال میں خاکسار نے قدم رکھا تھا، تھا
یہی آخر، مدرسہ میں واقفیت، اور وہی صورت تھی واقفیت ایک طالب علم
سے بھی ان کا نام منظر حسن تھا جو اب بونٹھے ہو کر، بہاری کے ایک گاہکوں میں
مولانا عظیم نظر حسن کے نام سے مشہور ہیں، اور اس علاقے کے پرانے ٹھکانے سال خور
ماذی اہل و امین شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ بہاری کے کہنے والے تھے، اور ہرزواری
کار شریعی ان سے تھا، ایک خط ان کے بڑے بھائی کا آگے نام لے لیا تھا، اس وقت
سے تانے پونے کر قصبہ کی سڑکوں، اور جی کو جس سے گزرتے ہوئے اچانک
ایک شاہی دروازے کے سامنے تانے کو دیکھا کہ کھڑا گیا، یہی

دارالمعلوم دیوبند

مصر و حکم نظر حسن صاحب ان ہی بزرگ کی خدمت میں پہنچاتے ہوئے
کہا کہ یہ مولانا حبیب الرحمن صاحب ہیں، اور ان سے کہا کہ ہمارے آئے ہیں
منظر حسن ان کا نام ہے

اس خدمت کے بعد خاکراستہ ان کو سلام تو کیا لیکن فوراً حکم نظر حسن
صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ آپ مجھے حافظ محمد احمد صاحب کے پاس لے
جائے، بے ساختہ میری زبان سے حافظ کا نقل نکل رہا تھا، اور میرے دیکھا کہ وہی
نظم خام، اور ضمیر بخت، جو بزرگ کے لبوں پر کسی سکرا ہوا نکل رہی ہے اور
عینک کے شیشوں سے نظر کی اوچی کر کے خاص ادا سے مجھے دیکھ رہے ہیں،
اور خطاب کر کے خاکراستہ فرمایا ہے میں، آپ ہمارے ہیں؟ آپ کا خط آیا
تھا، جواب آپ کے خط کا میں نے ہی دیا تھا، جو اس غالیہ کے ترجمہ کا جو نمونہ آپ نے
بھیجا تھا، میں نے اسے بھی دیکھ لیا ہے، میں حیران تھا کہ یا الہی یہ باہر کیا ہے
میں تو اس بات سمجھتے ہوئے تھا کہ مجھے حافظ محمد احمد صاحب نے طلب کیا ہے،
یہ مولوی حبیب الرحمن کون آدمی ہیں؟ لیکن جو میں نے غور کیا ہے، ان کا لڑائی
تجربہ ہی تھا کہ حافظ صاحب مرحوم کا خیال دل سے نکالوں انہیں نظر حسن،
جو اس وقت بھی باوجود دھماکے بلب بلب ہونے کے کچھ علاج و معالجہ کا کام مدرسہ میں
کرتے تھے، اور حکم کا لفظ ان کے نام کا بڑا آہنی زمانہ میں بن چکا تھا، مولانا
حبیب الرحمن کے خاص نیاز مندوں اور محضو شخصوں میں شمار ہوتے تھے،
ان کی طرف خطا کر کے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب
نے آدمی دی ہیں، ان کو کچل جائیے، اپنے بھروسے میں رکھیے، داخلہ وغیرہ کا حکم
کر دیا جائے گا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میری دینی و دنیوی راہوں کی ہوا ری جس کی کریمانہ
نوازشوں اور پدارتھ بخشوں کے ساتھ ازل ہی سے مقدر ہو چکی تھی، اسکی تہ تبرکی

کی خدمت کی ابتدا اس صورت میں پیش آئے گی، اس وقت کی مجلس اسی
قصبہ پر ختم ہو گئی تھی حکم صاحب کے ساتھ مسجد کے محاذی اسی قبرے در
مجرے یا ”مجرہ قبر“ میں گئیں وہاں آکر داخل ہو گیا، راستہ میں حکم نظر حسن
نے مجھ پر یہ راز افشاں کیا کہ مدرسہ کے سامنے اندرونی انتظامات اسکی نیت
وزار، سرایا، اخلاص، مطلق راست بازی کی جسم داری کے اشاروں کے
ساتھ وابستہ ہیں۔ حافظ محمد احمد صاحب مدرسہ کے نگران سرمد ہیں۔ باہر کی دنیا
ان ہی کے آگے گرا رہی ہے مدرسہ کو بچاتی ہے۔

اللہ اللہ کیا کھانا ہے، اس سبکی کا اور بے دیا زندگی کا کوسا رہے
کام جو انجام دے رہا تھا، مجھ جیسا آدمی جو ہر حال عربی تعلیم کے دار کے
ہی کا آدمی تھا، اس ملاقات سے پہلے، اس کے نام سے تھی شاید واقف
تھا، ستر و خفا کی یہ ایک اتنی غیر معمولی مشال تھی کہ دل دیر تک سکسوتا رہا
دارالعلوم کے احاطے میں ایک ایسی دنیا سے چل کر داخل ہوا تھا، جہاں کام
سے پہلے نام ہی کے اچھالنے کا ذوق غالب تھا، میرے لئے یہ قطعا غیر متعارف
تھا، نہ کام اور کام کے سوا، جو اور کچھ نہیں کرنا تھا۔ وہی اپنے نام کو بھلانے
میں اتنا کامیاب کیسے ہوا کہ چند منٹ پہلے میں اس نام سے قطعاً نا آشنا تھا،
اسی اور حیرت میں مجھے تک پہنچ گیا، پھر داخلہ کی رسمی کاروائیوں کا سلسلہ
شروع ہو گیا۔ اور شاید ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر سامنے مراحل طے ہو
گئے، دیوں بہار کے گاؤں کا ایک دہقان دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی
جماعت میں باضابطہ شریک ہو گیا۔ یہ پہلا ہفتہ دارالعلوم دیوبند کے
احاطے میں ہی اپنی زیست سالہ زندگی کا ایک غیر معمولی انقلابی ہفتہ تھا۔

تقدیری مواعید اور فیصلے تفصیل کے رنگ میں تو اپنے اپنے وقت میں
مندرجہ شور و جہلہ گرجتے ہی رہے، لیکن اسی ہفتے میں سکینت اعلیٰ تبت کی

جن جنگیوں کے اجمالی اثر کو اپنے اندر پائے لگا، شاید اس کی ابھی تفسیر
 علیٰ قرین کا وہ قطع ہر سلسلے جو آج بھی اس کی لوح تربت پر نگاہا ہوا ہے۔
 زبانِ دان محبت بودہ ام، دیگر غنی و نامح
 ہمیں دامنِ کوش از دوست پیمانے شنیدارینما

اور یہ کہ

حس از نائے رہ سیمایے سر عشق منی و دم

سر شوریدہ بر بالینِ آسایش رسید اینجا (۱)

الطیابی ہفتہ | فصیح طور پر یاد نہیں رہا کہ رمضان گزارنے کے بعد شمال
 کی کس تاریخ کو میں دیوبند پہنچا تھا۔ یہ حال ہیوچ گیا تھا۔
 آنا سونے کے ابھی نہنے طلبہ کے داخلہ کی کاروائی تکمل ہوئی تھی، اور یہ اہانت
 ہی شروع ہوئے تھے، کہ شبانہ محل چکا تھا، پرانے طلبہ کتابیں لے رہے تھے، دواؤں
 کا طبع گرم ہو چکا تھا، الحرمین دارالعلوم کے گوشہ گوشہ میں زندگی کی کل اور
 سرگرمی کا یہ نظارہ میرے لئے ایک نیا نظارہ تھا۔ عرض کرو چکا ہوں کہ میری
 زندگی کا ابتدائی زمانہ ایک گاؤں میں گزرا تھا، اور وہاں سے نکلا ہی تو جوتنا
 جیسے دور دست علاقہ کی ایک قصبائی آبادی تو تک میں نہ ہو گیا تھا جو گاؤں
 تو نہ تھا لیکن شہری رنگا موں سے تقریباً خالی تھا۔ اب اپنا تک دارالعلوم
 کے احاطہ میں پہنچ کر منہ زار بارہ سو طلبہ کے مجمع میں شریک ہو جانا، اور طلبہ کی

(۱) پہلے شکر کا ترجمہ میں شکریت کی زبان سمجھا ہوں، اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا جس اتنا جانتا
 ہوں کہ دوست کا پیغام کاؤں نے میں سنا تھا۔

دوسرا شعر اے قرین! میں نے اپنے پاؤں کے چلتے بہت مسرتھی پائی۔ راحت و آرام
 کی کج نگاہ میرے سر شدیدہ نے یہاں انکپائی۔

کبھی ایک صوبہ، بلکہ ایک ملک کے بھی نہیں، ان میں جہاں یونی، ہمارے
 طلبہ تھے جن سے فقراؤں کا یا مانوس ہو سکتا تھا، وہیں بڑی تعداد جنگل
 اور پنجاب و سرحد کے طلبہ کی بھی تھی، ان ہی میں ابھی خاصی تعداد کابل و غار
 سرحد، کاشغر، قرقند، وسط ایشیا کے باشندوں کی بھی تھی، اور کچھ بھی اس
 جیسے میں عرب اور حبش عراق سے آئے ہوئے طالب علموں پر بھی نظر ڈیاتی
 تھی، یہی نہیں بلکہ پہلی دفعہ دارالعلوم کی مسجد کی اذان کان میں آئی تو رن
 کی آواز کی غیر معمولی بلندی اور زنگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ اذان
 کس نے دی؟ معلوم ہوا کہ یہ شرفی یورپ تازان (روس) کے ہوتے والے
 مولوی محمد جان ہیں، اور نازان بھی جن امام صاحب پڑھائی، پتہ چلا کہ صاحب
 مولوی حرمات اللہ اسی قازان کے باشندے ہیں، وہ تک سوچا رہا کہ
 یورپ ہم پر چھا گیا، اور چھاتا ہی چلا جا رہا ہے کہ دیوبند کی مسجد کی اذان
 اور امامت پر بھی یورپ والوں ہی کا قبضہ ہے، ان میں مولوی محمد جان
 بڑے دیوبند، ذیل دیوبند کے آدمی تھے، سید فیض مولوی طور پر جوڑا تھا
 شاید ایک ہندوستان کے سب سے ترقی پسند سماجی ہو، مبالغہ نہ ہو کہ مولوی
 محمد جان کے سینے میں جیسا کئی زیادہ ہوا بھری ہوئی، ان کی اذان کی بڑی
 کی توجہ بھی مجھ میں آئی کہ اس شخص کے پیچھے میں ہر اکابر غیر معمولی ذخیرہ
 رہتا تھا، اسی کو اذان دیتے وقت خرچ کرتا ہے۔ غریب ہندوستانی کہاں
 سے یہ آواز پاسکتا ہے۔

الغرض میرے دل و دماغ کے لئے کالے سبز، سرخ و سفید رنگت رنگت
 کے طلبہ کی یہ پھیڑی حیرت انگیز تھی، وہ رنگ کی مرکزی مقام پر کھڑے ہو کر
 میں ان طوائف علموں کو آتے جاتے، دوڑتے بھاگتے دیکھتا رہتا اور دل کی
 کھنکھار رہتا! ایس کہاں آگیا ہوں، زیادہ سے زیادہ اب تک دس بیس

تیس سالہ لعلیوں کے حلقوں میں رہنے بسنے پڑنے کیے کا موقع تھا، ان میں
اپنی حیثیت کے مطابق امتیاز کی صورت بھی مل آتی تھی لیکن اس طوفان
میں محسوس ہوتا تھا کہ میں ڈوب جاؤں گا، پتہ بھی نہ ملے گا کہ کون ہوں ؟
کہاں ہوں ؟

دارالعلوم کا مطبخ

کھانا تقسیم ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ جو دارالعلوم کے مطبخ سے مفت کھانا لیتا
ہے وہ غالباً جیسے کہ یاد پڑتا ہے کہ کڑھائی روپہا ہوا میں دونوں وقت
کا کھانا خرید سکتے ہیں جس میں ان کو دو توری روٹیوں کے ساتھ ایک ت
گوشت اور ایک وقت دال ملتی ہے، چونکہ اس وقت تک اسباق شروع
ہیں ہوئے تھے، اس لئے طالب علموں کے اس طوفانی وجود میں تقسیم
کے دونوں قوتوں میں جنبش ہوتی تھی

دارالعلوم کی مسجد نماز

نظارے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اچانک کسی تاریکے سے روشنی میں آ گیا
ہوں، اور آنکھیں کھلی رہا ہوں، کچھ چیزیں پر غماز تھیں، اور بہت سی چیزیں
سے نظر مالاوس نہیں ہوتی تھی، میں نے انجک کسی مسجد کی آبی طویل حلقوں
کی پرتو نماز نہیں دیکھی تھی، زیادہ سے زیادہ تو تک کی جامع مسجد میں جمعہ
کے دن غیر معمولی مجمع اکٹھا ہو جاتا تھا، لیکن بے بے کرون اورید سے اسے
لباس میں پانچوں وقت خالق کے سامنے ایک دفعہ سجدہ و برسر سواں کا یہ منظر میرے
لئے بالکل نیا تھا۔ خود اپنا حال پر تھا کہ شرم و شرم کسی کسی طرح اس وقت تک نماز
پڑھ کر دھڑکتا تھا، لیکن جماعت کا پابندی کی قید سے میری یہ کوئی چھوٹی نازیبا

عنوان آزاد ہی ہوتی تھیں۔ اتفاق کی بات تھی کہ حکیم منظر حسن صاحب حضور
اپنے کمرے میں۔ اس نووارد دمساز کو ٹھہرایا تھا، یہ مسجد ہی کے احاطہ کا ایک
جحرہ تھا، شاید کہیں غرض کہ چکا ہوں کہ مسجد کے جنوبی سمت میں جو کمرے وہاں
خانے کے بالائے خانے کے نیچے بنے ہوئے ہیں، ان ہی حوروں میں سیٹھیل
کے پاس کا یہ ایک وسیع کمرہ تھا، مسجد اور حجرے میں مناسبت صرف ایک قدم کا
تھا۔ ایک پاؤں کا حجرے کی چوکھٹ پر، اور دوسرا مسجد میں، مسجد سے مکانی فاصلہ
کا یہ اتفاقی واقعہ، میری اضطرابی سعادت کا ذریعہ بن گیا تھا۔ پانچوں وقت
اسی عجیب و غریب جماعت میں شریک ہو کر نمازوں کے پڑھنے کا موقع اسکو میر
آگیا تھا، جس کی پانچ وقت کی نمازوں میں بالکل شاید ہی کوئی ایک دو غرضت
نماز جماعت کی تفصیلات سے شغف مند ہو جاتی تھی، لیکن سرزمین منڈ میں پانچوں
وقتوں کی سب سے بڑی جماعت، اوائلی مسجد ہی میں گویا لاکر اسے بیٹھا دیا جاتا تھا۔
گرفتاری بستی میں رسد، شاید کچھ آٹا سم کے اتفاقات کی تعمیر ہے، یہ اور کی
قسم کے تماشے تو آنکھوں کے سامنے گزریا رہے تھے، عجب تماشے جبکہ میرے
روایت نے بھی کبھی شاید تصور نہ کیا تھا

نئے نئے اسماء

دارالعلوم کا نام، لیکن کسی آدمی کے فیصلے کا اعتبار ہی کا نام، بعد کو حضرت ابوالاسنا
مولانا امین حسین صاحب کی زبانی یہ روایت سن کر اعلیٰ انبر کو کھینچنے پر مجبور ہو کر جن کا سلاطین
نام تھا، دارالعلوم میں تشریف لائے، تو یہاں کی جماعت میں شریک ہو کر اپنا کھنٹی اس میں بٹھا کر گئے
تھے کہ سر کینٹ کی یفٹ یہاں کی جماعت میں ہوتی ہے، اب تو ہم کی جماعت میں بھی اس کینٹ
کو نہیں پاتا۔ الفاظ عجیب ہے روایت کے تحت ہوں لیکن سلاطین اب نہیں تھا، شاید دوسروں
نے بھی یہ روایت یہاں سے سنی ہوگی۔

ہوں گا ایک مسئلہ تھا جو کے بعد دیگرے مسلسل نکھوٹا جاتا تھا۔ میرے کان
اب تک اہل علم کے جس نہ کر دل سے بھرے ہوئے تھے، اور دل کو جن کی
غفلتوں سے لرزہ کر رہا تھا وہ دارالعلوم کے احاطہ کی ان نئی آکڑوں سے
کلیتہً مٹ گئے۔ عرض کر چکا ہوں کہ اگر دو ہند کے اسما اگر کسی سے فقیر
ناواقف تو نہ تھا لیکن ناواقف نہ ہونا یہ اور بات تھی، اور اب جہاں پہلے
جہد رہا ہے، ہر مجلس، ہر مجلس، اور جس کے در و دیوار سے حضرت نوافیؒ
اور انما محمد قائم حضرت غوثیؒ کو مولانا رشید احمد حضرت حاجی المودت مبارک
مولانا اشرف علیؒ تھا غوثیؒ مولانا عبد الرحیم رائے پوری کے چروں کے سرا اور
کچھ نہ تھا ان چروں کو قہر فتنہ تھا، ان ہی کے ساتھ کچھ کراچی اسما
ایسے بھی تھے کہ اسما کے ساتھ خود ان کے سنی پر بھی دور سے نظر پڑ جاتی تھی
یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا
حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مفتی عزیز الرحمن صاحب،
مولانا شبیر احمد صاحب، رحیم اللہ انصاری کی مبارک اور قدسی ہستیاں تھیں۔ بھڑی
تھڑی دیر بعد ان میں سے جو کوئی صاحب مدرسے یا تبرک شریف لے جاتے
یا اندر تشریف لاتے تو ادھر ادھر کچھ ہوئے طے کی نگاہ میں سیٹ سیٹ کر
ان ہی پر تکتے ہو جاتی تھیں۔ بڑے حضرت جا بے میں "مراد مرشدی مرہانا
محمد حسن صاحب" ہوتی تھی "شاہ صاحب تشریف لائے ہیں" حضرت کشمیری
کیطرت اشارہ بولتا تھا "بڑے بہتر صاحب" آ رہے ہیں "حضرت حافظ محمد احمد
صاحب مقصود ہوئے تھے، "چھوٹے بہتر صاحب میں" مطلب مولانا حبیب الرحمن
صاحب ہوتے تھے جن ناموں کو ساری زندگی میں شکل کبھی نہیں آیا تھا۔ اب ان
ہی ناموں کی مسلسل چوٹ کان ہی پر پڑتی تھی۔ اور حاشائے خیال میں بھی جیسے
دیکھتے کا خطرہ کبھی نہ گزرا تھا۔ وہی سچ و شام سب روز کی مختلف گھڑیوں

میں میری آنکھوں کے سامنے گزرتے تھے دور، ان بزرگوں سے بہت دور
دارالعلوم کی کچھ پیش قدمی کر کے جاتے، چلتے پھرتے ہوئے ان کو دیکھ
یتا، اور جب وہ گزرتے تو باطل بولنے والے دل کے اس تازہ طار کے ملنے
پر انے طلبا اپنے سلمات، اور سلمات سے زیادہ ان بزرگوں کے متعلق
شعوری اور غیر شعوری، نفسانی تاثرات کا تذکرہ اس نہاک اور بحیرت کے
ساتھ میرے سامنے کرتے، ان کے بے بسنے، بولنے چلنے، ان کی حادثوں،
ان کی نیکیوں، ان کی ظرافتوں، ان کی قربانیوں، ان کی طبیعت، اخلاقی
صدقت، ان کی کرامتوں، اور سب زیادہ ان کی ہر ایک کی نفی خصوصیتوں کے
سوا سچ پوچھے تو اس پہلے ہفتہ میں میرے کانوں نے شاید ہی کوئی اور بات
سنی ہو میں اپنے ساتھ علم کے جن فائدہ دل کے وقار و عظمت کو لیکر دارالعلوم
میں داخل ہوا تھا۔ چنانکہ معلوم ہوا کہ علم ہی کی، اسی ہندوستان میں، ایک
ایسی بھی دنیا ہے، جہاں ان کے وقار و دور ہی سے میں ملکر ان کے ناموں
سے بھی لوگ ناکشاستا اور قلعہ ناکشاستہ ہیں۔ گو اس مہمات کی کوئی آبادی تھی
جس میں اب تک زندگی کے دن پورے کر کے آتا تھا، سالہا سال کے راسخ
خیالات و اقسامات مٹ رہے تھے، اور ان کی جگہ نئے نقش و نگار دماغی
سلسلے پر مسلسل اپنی جگہ جیکے جیکے اڑ رہی اندہ بناتے چلے جا رہے تھے

دارالعلوم کے انتظامات

دارالعلوم کا انتظام
نظم تھا، ہزار بارہ سطر کے لئے دو دفن وقت کے پکے پکے کھانے کا انتظام
اور زیادہ تر لیزر کسی سادہ روز کے اس کھانے کی تقسیم، اسے تو دیکھ رہا تھا، پھر
ان ہی پرانے طرز سے جن میں اگر کسی شریک ہوا تھا، ان کی تین معلوم ہو رہی
تھیں، دیکھ رہا تھا، اس میں سب کاتیل کافی مقدار میں اپنے ساتھ لانا

ہے۔ یہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ اصولاً مٹی نے تیل کی روشنی میں مطالعہ کو دارالعلوم کے درباب بست دکھا دینا نہیں کرتے، روشنی کے لئے ہر مہینہ میں ایک طالب علم کو سرسوں کا تیل ملتا ہے۔ یہ ہمارے طالب علموں کے ساتھ پھرا ہوا تھا جن کے یہاں سرسوں کا تیل بھی تھا۔ زیادہ مرغوب غذائی چیز تھی اسی دن اس کو بیکار ہوں، اور گوشت وغیرہ میں لاکر پکالتے، اور پٹ کر مانتے اور وہی مٹی کے تیل کی لائینوں میں مطالعہ کرنے، مدد رسی کی طرف سے کسی قسم کا نقص اس سلسلہ میں باقی نہ رہتا تھا۔ گری ایک پرانی رسم تھی جو باری تھی۔ ہاں پنجاب اور سرحد کے طلبہ باری کے جواہر بن سرسوں کے تیل کو لے کر لکھتے تھاکہ رنگ حاصل کرے جس کی بھی کتاب اور دوسرے لای طالب علم کو لکھتا کہ ان کے چنگ کر لاکر تیل بڑا ہو جائے، اور اس کے لئے خوشامی قرض لے کر لایا گیا اور اس کو بیکار کر دیا۔

الغرض ہر روز ایک نئی بات کا علم اور نیا نظارہ دکھانے کے سامنے پیش ہوتا کہ اپنی پچھلی زندگی خواب معلوم ہوتی تھی، یا اگر وہ بیداری تھی تو اب تو خواب دیکھ رہا تھا، کھانا بھی مفت، مینا بھی مفت، مکان بھی مفت مکان کا قرض بھی مفت، اور نئی بات یہ کہ روشنی بھی مفت، یہ سب کچھ ان ہی ٹوٹے پھوٹے مسلمانوں کے لیے سے انجام دیا جا رہا ہے جن کی بلند ہمتوں کی شہادت دارالعلوم کے احاطہ کی غلط غما، سپر ہائما میں ادا کر دی ہیں۔ میں ان باتوں کو دیکھتا اور ابھی بھی تنہا میں سوچتا کہ جس قوم کی موت کا نتیجہ یقین دلا گیا تھا۔ وہ دارالعلوم کے احاطہ میں اس کا کسی طرح زندہ ہوئی، دل واقعات کی عظمتی تجربہ میں سرگرداں رہتا، لیکن پچھلے سوالات ابھی نامل شدہ نکل ہی رہے تھے کہ خود اپنی ذاتی ایک مزدورت کا خیال سامنے آگیا۔

دوسری کتابوں کا مسئلہ | حدیث کے دورے میں حرکت کی نیت کو کے آیا تھا۔ اب سوچنے لگا کہ اس کے لئے مجھے

کتنی کتابیں خریدنی پڑیں گی تو داغ کو لکھا تھا۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی نسائی، ابن ماجہ، صحاح ستہ کی ان کتابوں کے علاوہ مجھے بتا گیا۔ اور نصائے کے تحت میں بھی دیکھا کہ مولانا ام، مالک محمد اور طحاوی کی شرح مسانی اللہ تباری طبعی پڑ گئی، ان ساری کتابوں کی کوئی قیمت میں سرور سے زیادہ تھی۔ طالب علم بھی کے ان ایام میں مسئلہ میرے لئے کافی دشوار تھا۔ سینے پر بوجہ ساتھ، بلکہ منظر میں صاحب سے شاید پوچھا کہ ان کتابوں کے بندوبست کرنے کی کیا شکل ہوگی ٹھیک میں تو ایک رسم بھی تھی کہ بعض قوم علی غلادوں کے اراکین سے ملاقات تھی، ان سے پوچھنے کے لئے عادیہ بھی بھیجی کہ میں لی جاتی تھیں لیکن یہ بندوبست تو میرے لئے ایک نئی گل تھی، جہاں اس عادت کا بھی امکان نہیں، ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ کتابوں کے متعلق ایک جدید علم کی اور پچھلی کی طرح مجھ میں تڑپ ابھی، معلوم یہ ہوا کہ ان سارے طالب علموں کو نیچے سے اوپر تک ہر کلاس کے لئے مدرسہ نجفی ان کتابوں کا بھی نظم کرتا ہے، جیسے کہ کیا ہے میرے اس سوال کا جواب دیا گیا کہ ہر درہ کتاب جو مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے اس کا ایک مستقل الگ کتب خانہ ہے جہاں ہوا بڑی و العزیز کاغذ سے لے کر بخاری و ترمذ تک ہر کتاب کے پیشہ سے تیار کئے گئے ہیں، مدرسہ جب کھلتا ہے تو نجفی کتابوں کے ان کتب خانہ سے پڑھنے کے لئے طالب علموں میں عادیہ لگتی ہیں تقسیم کر دی جاتی ہیں، اور اختتام سال پر بھی طلبہ ان کتابوں کو واپس کر دیتے ہیں۔ تین سو روپے کا سوال باقی رہا، بلکہ صاحب نے خود لپی کر دکھایا، نجفی کتابوں کے اس سیدہ سوال کے حل کی اس آسان شکل کو دیکھ کر میں سناٹے میں آگیا، معلوم ہوا کہ عموماً مسلمان یہ کہتے ہیں کہ مرنے والوں کے روح کو خواب ہو جانا کے لئے حسب استطاعت ہر سال ان ہی نجفی کتابوں کے کچھ نسخے خرید کر دارالعلوم بھیجا کرے ہیں، یا کتابوں سے جو

ہوا وقت میں وہ اس کے لئے روئے کھینچ دیتے ہیں۔ الخیر اسی دستور کا نتیجہ
 یہ ہے کہ کسی حالت میں سو سے زیادہ طلبہ کی تعداد بھی ہوتی ہے جب بھی ان کو
 کتاب خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور دارالعلوم ہایک کے لئے منتقل ہونے
 صاحب کی اس کتاب کا پیادہ دیتا ہے، اس پر معلوم ہوا کہ ہر سال ہزار پانچ
 صورت ہوتے ہیں، کیونکہ جس حال میں طلبہ کتابوں کو لیتے ہیں، باوجود شدید
 کے، اسی حال میں وہ اس میں کرتے، مجلس ٹوٹ جاتی ہیں، اور اسی بحث
 جاتے ہیں، ان کی درگاہی و اصلاح کے لئے ہر سال کافی رقم بھرتی اور طے
 دونوں کو مدرسہ ادا کرتا ہے۔

موسم سرما کا انتظام

جس زمانہ میں فقیر حاضر ہوا تھا، شاید بہت
 کا موسم ختم ہو رہا تھا، چند ہی دنوں کے بعد
 موسم سرما بھی آگیا، طالب علموں کے بدن پر خاص قسم کی روئی بھری ہوتی تھیں
 نظر آنے لگیں، جن کی نوعیت ایک ہی تھی، یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ اس
 سے پہلے ہی طلبہ جو لباس پہنے ہوئے تھے، ان میں عموماً دارالعلوم کے ہی خطی
 کئے ہوئے جوڑے تھے، اور اب موسم سرما میں جو جاتے ہیں انکو روئی بھری
 چکن اور ایک لمبات اور شاید خوشک بھی مدرسہ خطا کرتا ہے، (اس سے لئے

۱) اس سلسلہ میں ایک بات اب بھی کھجوا رہی ہے، موسم سرما کے لباس کی قسم میں کچھ
 عیسویوں کے لئے دعا لے دینی تاخیر ہوئی تھی، ان میں طلبہ کا اس میں تھا،
 طلبہ کی اس میں اسی تاخیر کا ذکر ہو رہا تھا، نتیجہ میں کہ کبھی اس کا علاج آسان ہو
 ایک ہفتہ کا مسنون اسی وقت تیار کر کے طلبہ کے حوالہ کیا گیا، جس کی پیشانی پر سہ تہ
 شیرازی کا جھنڈا ہو کر مسنون کے ساتھ درج کیا گیا تھا یعنی
 شبہ پر ایم مرت، والہ تھے جن طاری کیا مانند عالی، احمد اعدان خوشکھا

مدرسہ کا یہ نظم و نسق انقلاب کا بیج بنایا جا رہا تھا۔ کھانجی مفت،
 لباس بھی مفت، روشنی بھی مفت، کتب بھی مفت، ایک نہیں، دو نہیں
 آٹھ آٹھ، نو سو سے زائد طلباء کے لئے استوار، ہنگامہ انتظام میرے لئے
 باعث حیرت بنا ہوا تھا، یہی نہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہاں تک
 مجھے مہیوت بنانے رکھا تھا

مفت علاج

کسی بیمار طالب علم پر نظر پڑی معلوم ہوا کہ وہ ابھی سے
 اس کی طرف سے اس کو ملے گی جس کی کوئی قیمت اسکو
 ادا نہ کرنی پڑے گی۔ نیز کسی کے مدرسہ کے طبیب اس کا معائنہ بھی کرتے
 ہیں، نسخہ بھی لکھ دیتے ہیں، اس زمانہ میں حضرت شیخ الہند کے بھائی علی محمد

دعوت گزشتہ کا حلیہ پہاڑی کے رات، موت کا خوف، اور ایسا افلاس تسلط ہے، ارباب
 خوشک ہوا سے حال زار کی کیا تیرا خطاطان تو کھاتا ہے ایک ٹوٹا تھا، تفسیر پرچہ کے دائرہ
 کا مگر کھیا گیا تھا کہ... فاضلہ پیش فی القطن و یصل فی القطن و یوقد فی القطن
 و یصل فی القطن فی القطن من كثرة القطن و انما من العود الشدید رطلا صحت کیا
 کتنا تھوڑی پرچیتے ہیں، میں غریب، ان کے پاس روئی کی کثرت ہے اور کسا خوب
 واسطے صحت سردی ہے، آگے لکھا تھا کہ کجا و البرود و الجفاف، بہ طور عملی شل تھی، میں
 ہلے سے تو تھا، البرود و الجفاف کی مثل صاف آ رہی ہے، اشتہار کا وہ کنگرہ اشتہار
 مات کی تاریکی میں چپ کر رہا تھا، صبح کو چہا ہوا کہ کس نے لکھا کہ کس نے کئی و عجیب
 لطیف یہ تھا کہ اب طلبہ میں متعدد حضرات چاہتے تھے کہ ان ہی کی طرف اس کو فرست
 کر دیا جائے کہ قابلیت کا انکی خبر ملے، خود میں نے لکھوں پر چھ لکھ اپنے تو نہیں
 انھوں نے کچھ طوطیوں کی طرح ان ہی کا لکھا تھا مسلم کرلوں۔

(۲) حکم صاحب قبلہ لازم تو مدرسہ میں طبیب ہونے کی حیثیت سے تھے، باقی ہوا

تھے وہی مدرسے متعلقین کا علاج کیا کرتے تھے، صرف علاج اور دوا نہیں بلکہ بعض کو طب کی بات کے مطابق جس قسم کی پریشانی کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی مدرسہ ہی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، میں ان باتوں کو سننا تھا اور بات سنائی جاتی شاید اسے مسلسل اس کی تصدیق بھی ہوتی چلی جاتی تھی۔

کام میں برکت

ملازمین کا کام طبقہ انتظامی سلیقوں سے محروم ہوتا ہے، ابن خلدون کا مشہور فقرہ ہے، العلماء بعد الناس عن السياسة یعنی سیاسی کاروبار سے علماء مولویوں کو کوئی بہت نہیں ہوتی، سیاست کے معنی اگرچہ توڑ مار دھاڑ اکھاڑ پھڑا نہیں تو خیر، یہ بات ہی دوسری ہوتی، لیکن اگر جہاں بانی و مکرانی کا سلیقہ ملا ہے، تو کوئی شبہ نہیں کہ اہل علم کے احاطہ میں نظم و ضبط اور اس کی ہر گیموں کا ایک دلچسپ نمونہ میری نگاہوں کے سامنے آگیا تھا، اگر ان کا کاموں کے سامنے شے چلے گی یہ ہے تھے، اور اتنی ہمداری کے ساتھ کسی خرخشے کے بغیر مل رہے تھے کہ کسی قسم کا ہنگامہ نہ دار گیار اور تخریب کی کیفیت معلوم ہوتی تھی تو ان دنوں کے ساتھ بکثرت زمانہ کی چال کی طرح یہ نظم جاری تھا، طرفہ شاہین تھا

دعا یہ ضرور کرنا تھا، محمود طبعی خدات ہی نہیں، بلکہ راز انھیں یا قریب بزرگ علم میں سے جو طب کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کو طب کی کتاب بھی پڑھا دیتے تھے، اور دوسرے اسباق میں سے بھی کوئی چھپن ان کے ذمہ دیکھتا تھا، ان کے ہاں اخبارین کے درمیان خاک راہی کچھ دنوں شریک کیا تھا، بڑے زبان اور صاف لہجہ دیتے تھے، انکی زبان سے پہلی دفعہ سیاہینہ کا لفظ آنا کہ سامنے سنا تھا، یہاں دل کی جگہ انکی ایک ترکیب انکی زبان سے پہلی معلوم ہوئی، دوسری زبان بھی یہ لفظ پڑھا گیا، ان کو شک کا بھی بخیر سوزی ذوق تھا، شاید کوئی شہ گزرا ہوگا جس میں ایک دوسرے ان کے کفر ایک ہی بندہ کو کھل سے آنا آجوبہ سے قندار نما تھے، انکے ہی سے ان کا نشانہ بڑا تھا

مگر نظر کو چلانے والوں کی تعداد مشکل اچھلوں پر جی جاسکتی تھی، شاید میں بہانہ نہیں کر رہا ہوں کہ مطبخ، کتب خانہ، طبابت خانہ میں کام کرنے والوں کو اس زمانہ میں جب میں نے کہا تھا، تو مجموعی طور پر ان کی میزان دس کے اندر ہی اندر غالباً تھی، انھیں میں تقریباً ایک ہزار کھانے والوں کے روزانہ دو دنوں وقت کھانے پکانے ملے بھی تھے، اور پھر کھانے والے بھی، انھیں میں کتابوں کی قیمتیں کر نیوالے اور ہر کتاب کو اپنی اپنی جگہ سے نکال کر لایا لے اور سنا کر لے بھی تھے، انھیں میں کوئی بیرونی جلدوں کو دوبارہ درست کرنے والے علی الغرض سرکام ہر راتھا، لیکن قضا کا کام تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کام کرنے والوں کی مختصر یہ ٹولی اسکا اتہائی حسن و خوبی کے ساتھ سہولت تمام کیسا انجام دے رہی ہے

مدد رسم کی عمارت

میری نظر پھر مدرسہ کی عمارتوں پر پڑتی، ایک احاطہ کے بعد دوسرا احاطہ، دوسرے کے بعد تیسرا احاطہ شمال و جنوب میں پھیلا ہوا، ہر احاطہ کے بیچ میں وسیع اور چاروں طرف برآمدے کے ساتھ کمرے اور بھرے جن میں طلباء بھرتے ہوئے تھے، تحریر کا سلسلہ جاری تھا، اور دسرا اور تیسری صفیں اس زمانہ میں پھینک دے کے ایک صاحب مولوی رحمت علی صاحب کی نگرانی میں تھا، تعلیم مدرسہ میں ہی جاتی تھی، طبی کتابت کی دوسرے بجائے مولویوں کے، ہندو سوں اور انھیں سوں کا کام انجام دیر ہے تھے شاید چالیس یا پچاس سے زیادہ تنخواہ دیتی تھی، تین تہا دی سب راجوں اور سرداروں کے کاموں کی نگرانی کرتے تھے، بڑے بار بار اس اوپر سے شکایتیں کرتے تھے، بعد کو انکا اسے خصوصی تعلق ان کا پیدا ہو گیا تھا۔ دلچسپ باتیں کیسا کرتے تھے (۱)

(۱) یاد آئے کہ کب ہمارا اسکا رکے وطن کی عام غذا پاول پر مولوی رحمت علی نے دیا تو بڑا

احاطہ موسری کا ٹھنڈا پانی | اور میں کن باتوں کا ذکر کروں ، میرے لئے دیوبند کا یہ پہلا ہندو عجیب اور نئے اجنبی کی باتوں کا ہنسنے کا یہ منظر جس صاحب کے کمرے میں میں ٹھہرا ہوا تھا ، وہاں مجھے پانی پینے کا کوئی سا ان نظر نہ آیا ، نہ کوئی کھسکی ، نہ کوئی ٹھنڈا پانی ، نہ کوئی ٹوکھٹو ، نہ کوئی صاحب تازہ پانی کی ایک ٹھنڈا اپنے ساتھ لائے ، اور دسترخوان کے قریب اس کو رکھ دیا ، تازہ پانی ابھی کنویں سے آیا تھا ، اس خیال سے دل گھبرائے لگا ٹھنڈا تو قطعاً نہ ہوگا ، لیکن گلاس میں بھر کر جب دیا گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ برف کا ٹکھا ہوا اجنبی زیادہ خوشگوار ایسا پانی حلق کے نیچے اتر رہا ہے کہ آنکھوں میں سرخی کی لہر دوڑ گئی ، دریافت کیا کہ برف ڈال کر آپ ٹوک پانی پیتے ہیں ؟ اس تعجب پر جنت کیاست ازراں ہے حکم صاحب نے فرمایا جی نہیں ، مدرس کے احاطہ موسری والے احاطہ کے مشرقی سمت میں چڑھو اس کا پانی جس وقت بھی پیجئے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے برف ڈال دی ہے ، بولے کہ مدرس میں اکی لئے بجائے اپنے

وضو گزشتہ کا پانی حاضر ، احراز کیا کہ اس سے جسم میں قوت نہیں پیدا ہوتی ، خاکسار نے عرض کیا کہ بھیگیوں کے لئے کاغذ یا ایک دفعہ دو گت کچے کر جنت سے کالے گئے لاکھ مٹی کے کدے پر ملا وطن ہوتا پڑا ، اچھے تو فطرہ مٹوں ہونگے کہ گھبروں کھانے کی عادت اب بھی نہ چھوڑی تو یہاں سے بھی دھکیل دیئے جائیں ، اور جنت کے رہنے والوں کو یہی پہلی جہنمیں پہنچا کر رہے ، و خوب پستے اور کچے کہ ہر بات میں تو کھنکھال لیا کرتا ہے ، شاید اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا تھا کہ روزمرہ ذرا آب پو۔ پی والے گھبروں کھلتے ہیں ، لیکن جب کوئی کمزور بہانہ آچکے ہاں آجاتا ہے ، یا قریب ہوتی ہے تو آپ کی عزت اور اکبر کو بچانے والا گھبروں نہیں چا دل ہی تو نظر آتا ہے ۔

اپنے کروں کے ہر شخص کے پینے کا پانی کنویں ہی میں محفوظ رہتا ہے ، وقت پر اپنا اپنا حصہ ایک نکال کر لے آتا ہے ، گھری کنویں پر لی ہوتی ہے ، چڑھنے کے ایک بڑے ڈول میں ، ایک ٹھنڈا جس سے بھر جائے ، پانی چلا آتا ہے ، یہی سہرت کا دستور ہے ، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ کنویں کی حد تک انسان لذت ماننا تو فطرت اور اتنا شیریں صاف و پاک بکثرت خشک پانی تشکیل ہی سے کسی کنویں کا آب تک میں نے پایا تھا ، اور لہجہ کجی برکتے لہجہ ایسا پانی جسے پی پلے جائے لیکن نہ گرائی ہی اس سے پیدا ہو ، اور نہ دل ہی بھرے ، زندگی میں اس کا تجسس مدینہ منورہ پہنچ کر بعد کو ہوا ۔

یاد آگئی مسجد نبوی کی وہ سیل ہمیدہ سید ٹیڑی ٹیڑی حلیوں کے ساتھ مراد آبادی پالوں میں کشیدہ قامت ، نور سے چلے ، حسین و خوبصورت ، ترکی انسل ، چلانے والے پانی پلاتے جاتے تھے ، دینی عقیدت کے تحت نہیں ، بلکہ عام انسانہ احساس کے زیر اثر ہو کر یہ عرض کر رہا ہوں کہ حوض کوثر کا خیال ، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سامنے آئی ماسویٰ عالم میں جسم ہو کر آگیا ہے ، وہ ساری غریباں جو کسی پانی میں آئی کہ فطرت لاش کرتی ہے ، اگر سکتی ہے ، ایک ایک کے کے مدیہ طلب کے اس پانی میں پانی پانی جاتی تھیں ! ! یہاں مدینہ منورہ کا پانی تو قدر

(۱) ہر دم محفوظ رہا ، مددیا جنگ اور لادہ مردہ کا بھی احسان ہی تھا ، فرمایا کہ تھے کہ نہ کیا کی کر کرنا اللہ نے بڑے سستے اعزازات کیا ہو کہ جو حلیات مدینہ منورہ کے پانی میں ان کو بلا کہیں ہیں ۔ خواب صاحب خود بڑے دوسروں کو دم ہندوستان کے اکثر ضلع کی سیر کے ہوئے تھے ۔ کہتے تھے کہ میں اس کی نظر نظر آئی ۔

منورہ کی کا تھا جو بات اس مقدس آب نہک گوارا میں پانی پانی جاتی تھی، اس کو
 تو کسی دوسری جگہ تلاش کرنا فاضول ہے۔ لیکن کہہ سکتا ہوں تو کبھی کسی جھلک اس پانی
 کی مدرسہ والے کنوئیں کے پانی میں مجھے اس زمانہ میں میرا پانی تھی، حالانکہ اسی
 دیوبند میں یہ کنوئیں کنوئیں ہیں، خود مدرسہ میں مسجد کے مشرقی دروازے کے پاس
 ایک نیا کنواں، میرے داخلے سے پہلے تعمیر ہو چکا تھا، اور جس کمرے میں مقیم
 تھا۔ اس سے مسجد والا یہ کنوال زیادہ قریب تھا، لیکن اندرون مدرسہ کے
 کنوئیں کی بات نہ مدرسہ کی کے اس نئے کنوئیں کے پانی میں پانی پانی جاتی تھی اور
 دیوبند کے کسی اور کنوئیں میں، اسی لئے جسے کئی مذہب زیادہ تر اسی تھیں کہ
 کے پانی کو جب تک اس میں رہا، ہتھمال کرتا رہا، ہتھمال اس پہلے ہتھ میں مدرسہ
 کی زندگی کی جو چیز بھی نظر سے گزر رہی تھی، اس سے اس ہی اس کا اضافہ ہوتا
 چلا جا رہا تھا۔

(میں پہلے معلوم کیا) اب وہ کام کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ سب دیکھا ہے، اس کے بعد میں یہ ملاحظہ کیا گیا کہ
 اس نے وہاں کی مصیبت کو بھی نہیں سمجھا تھا، اس کے لئے کسی کی ممانعت نہیں تھی، اس کے لئے کسی کی ممانعت سے
 نالودھا۔ اب یہ کہ وہاں کی مصیبت کو بھی نہیں سمجھا تھا، اس کے لئے کسی کی ممانعت نہیں تھی، اس کے لئے کسی کی ممانعت سے

باب

امتحان داخلہ

الایہ کہ اسی ہفتہ میں ایک "دہشت ناک" ہفتہ بھی کان میں گونجی، خیالی یہ
 کئے ہوئے تھا کہ مدرسہ میں داخلہ کی جانب سے نائب مہتمم مولانا نصیب الرحمن
 صاحب نے ملین فرمادیا ہے، شک کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی کہ احکامات مجھے
 یہ اطلاع دی گئی کہ قاتلانہ کی رُوسے داخلہ کا امتحان مجھے بھی دینا ہو گا "امتحان"
 کان کے پرے پر تو اس لفظ کی جھٹ پڑی لیکن اس جھٹ سے دماغ کو کھلا
 گیا، دل دھڑکنے لگا۔ اب تک میری تعلیم ٹونک میں اس طور پر ہوئی تھی کہ
 تحریری امتحان تو دور کی بات تھی، جہاں تک خیال آتا ہے کہ ایک یاد دہش
 تحریری امتحان کی صحبت وہ بھی نام نہاں طور پر سوسے گزری تھی، استاد عظیم
 نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں مقامات پر تجھ سے پوچھوں گا (۱)

(۱) عام طور پر یہ بات امتحان کے مہتمم کے مناسبت تھی، اس لئے خیال کروا کر اس امتحان
 امتحان ہی کیا ہو، لیکن جب تک یہ کبھی بتایا ہوا سوال پوچھا گیا، تو جواب میں کیا دشواری تھی،
 دے دیا گیا، فلسفہ کی ایک کتاب کمال تھا، لیکن استاد مرحوم نے جب فرمایا کہ یہ نہیں درست
 کر رہی کہ تمہاری کتاب میں کیا لکھا ہو، بلکہ پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ تم خود بھی اس
 سوال کا کوئی جواب اپنی طرف سے دے سکتے ہو، تب معلوم ہوا کہ اب اس امتحان پر پہلے
 جواب دیا گیا، استاد مرحوم نے تعجب کی، کچھ تو قیادت اس ناکارہ کے ساتھ قائم کر گئے
 جو افسوس کو میری شہرہ کی تھوڑے سے بڑے بڑے نہ ہو سکے۔

اس پر مشرتاب تھے، غالباً چھوٹی سی ہستی میز پر کتب استی، یہ سب نادر
 دست لکھا، شاہ صاحب نے کتاب کھولی، وہ مستاب کھول رہے تھے
 اور میرے جسم پر دھڑکن ماری تھی، پیشانی پسینہ سے سسلا رہی،
 کانپ رہا تھا، دیکھتے کہاں سے پوچھتے ہیں، کیا پوچھتے ہیں؟ شاید بڑائی
 اور ان ہی میں خیال آتا ہے، یہ تحقیق کو فراموش نہ، بعد تحقیق الموصوف کے
 الفاظ سے "العلم المتحد" کی تعریف میرا ذہن بے چوکی ہے، دریافت
 فرمایا گیا کہ اس عبارت کا مطلب بیان کرو، یہ وہی مقام تھا، جس کے مالو
 ماعلیہ کے بڑھنے میں تقریباً ایک ہفتہ ٹوٹک کی درگاہ میں صوف ہو چکا
 تھا، میرا مذہب کا سنیہ (اعلام عربی) کے حوالی، عبدالملک بن محمد العلوم، السلام کے لکھنے
 مولوی عبدالحی خیر آبادی نے اپنے حاشیہ میں جو کچھ ان سب پر لکھا تھا، اور
 خود اساذ محرم کا ذاتی حاشیہ، اس مقام پر چوتھا، سب ہی کو گھونٹے ہوئے
 اور پے ہوئے تھا، لیکن جواب تو وہ دے، جو اپنے آپ میں موجود بھی ہو،
 تین چار دن، یا کم بیش ایک ہفتہ کے اس عرصہ میں جو دارالعلوم کے احاطہ
 میں داخلہ کے اس امتحان سے پہلے گزرا تھا، حضرت شاہ صاحب کے فضائل
 و کمالات، علمی تہذیب اور غیر معمولی معلومات و مخزونات کے ذکر سے دل اس
 حد تک مرعوب ہو چکا تھا، کہ جہت پوچھا گیا، مطلب بیان کرو، ایسا عرض کرتا
 تھا کہ گو ترش ہیں کے سواں میں آگیا ہے، نہ ہوش ہی باقی تھا اور نہ اس کا کچھ
 یاد نہیں کہ جو کسی کے اس عالم میں لگا، اول قول، بے شک، یا میں بے ساختہ سناں
 ایک رد و مال ہی کے بعد کتاب بند ہو گئی اور اجازت اٹھ جانے کی عطا فرمائی

۱۱۔ اپنی تصنیف پر مبنی عوامی جوڑھا دیا ہے، اسے دیکھیں، اصطلاح میں نہیں کہتے
 کہ حاشیہ کے تحت پر حاشیہ لکھ دیا ہے، اسی نسبت میں میرزا پر لیا (دعای)

گئی، جہت اٹھا، اس یقین کے ساتھ اٹھا کہ دارالعلوم سے روانگی کا نظم کر لیں
 چاہیے، داخلہ کے لیے جس قابلیت کی ضرورت مدرسے کا قانون کی رو سے ہے
 اس مبارک برس حد تک کوئی گھٹانا ثابت ہو سکتا ہے میں نے محسوس کیا کہ شریعت
 آج مجھ کو جی ثابت کر دیا، اٹھا، اور صبح کے خیال کو داغ میں لے کر اٹھا، منہ
 خشک تھا، اب ریڑھ پر اٹھیں، واپس ہوتے ہوئے، دوسرے محترم طلباء کے
 خیال سے صغریٰ تھکان کی کیفیت کو دل سے چھپے بغیر نقل کرنے کی کوشش
 کرتے ہوئے سیدھی کے رینوں پر گر کر رہا، ایسے اترا، ساتھیوں میں ہونچا
 دل کے خیال کو دل ہی میں دبا لے رکھا، واقعہ کا علم ان لوگوں کو خود ہوا جیسے
 کہ داخلہ کی اجازت اس شخص کا طلب علم کو دور سے مل کر ایک ہو چکی نہیں تھی۔
 بات بہت پرانی ہو چکی ہے، بلکہ اس کا خیال اس کا بھی آتا ہے کہ میرزا پد
 رسالہ کے ساتھ غالباً ہمارے اوٹن میں بھی میرا امتحان لیا گیا، ہمارے اوٹن کا کچھ
 حصہ ٹوٹک میں اپنے پنجابی استاد سمیعہ (دوران) کے رہنے والے مولانا محمد
 اشرف مرحوم سے خصوصی طور پر تقریر پڑھا تھا، ورنہ عام طور پر ہمارے کلاں

الایرٹ سے دلچسپ بزرگ تھے، لاہور میں شاہی مسجد کے مدرس میں ان کی تعمیر پوری ہوئی
 تھی، مولانا غلام محمد صاحب پنجاب کے مشہور مدرس اپنے نانا میں تھے، انھیں سے کہ میں
 پوری کی تھیں، پنجاب کے خصوصی علم اس زمانے میں نوجوا، مولانا کی دنگھ اس علم میں کافی
 تھی، ادب عربی اور ریاضی سے بھی نہ ہی نسبت رکھتے تھے، مدرس ہونے اور کافی
 معر ہونے کے بعد فلسفہ اور منطق پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، ٹوٹک مولانا برکات احمد
 کی خدمت میں حاضر ہو کر پھر طالب علمی شروع کی، لیکن ان کے علم نے فوراً ٹوٹک میں ہی
 ان کو مدرس بنا دیا، مدرسہ فیلڈ میں باضابطہ درس ہو گئے، پڑھتے بھی رہتے اور پڑھاتے
 بھی تھے، ناکارہ نے مولانا مرحوم سے بہت فائدہ اٹھایا، ادب عربی کی باقی جزئیات

درس نظامیہ کے نصاب میں شریک نہیں ہیں، جو شرمناک و رسوا کے امتحان کا سیری نظر میں ہوا تھا۔ شاید وہی کچھ انجام دیا یا لوگوں کے امتحان کا ہوا ہو۔ میرزا بدوئی بات تفصیلاً اب تک یاد ہے مگر بدوئی کا خیال کچھ مٹ سا گیا ہے۔ بہر حال امتحان کے قصہ میں جو کچھ گزری تھی، اسے دل ہی میں رہا ہے۔ اور والد السلام سے بڑا بیتر تھا لینے کی اندوئی نگاہوں ہی میں اٹھا ہوا تھا، کچھ تک حکیم منظر حسن صاحب ہی نے غالباً یہ خبر سنا لی کہ اس کے امتحان کی بڑی تعریف ہو رہی ہے، اور داخلہ آپ کا دورہ میں منظور کیا گیا ہے۔ اب حافظ یہاں سے کچھ جواب دے رہا ہے۔ تفصیلات پر زبان و ذہن کے ادنیٰ چھائیے ہوئے ہیں، بعض باتوں کا خیال بھی آتا ہے، تو چاند کی اس روشنی کی طرح جو کھنگھوٹ گھٹا کے کسی پھٹے ہوئے حصے سے اچانک نمودار ہوتی ہے۔ اور پھر چھپ جاتی ہے اور کیا کیا صورتیں، اس سلسلہ میں پیش آئیں، یاد نہ ہیں بس اسبتا یاد

ذمہ صوفی گزشتہ کام نفعاتی کتابیں جاری تھیں، جہاں سب انیس سے پڑھیں اور دیباختی، بیہیت، سند سبکی کتابیں بھی انیس سے پوری کیں، جن کے دوبارہ دیکھنے کا پھر موقع نہ ملا، ان کی یہ نسخہ کا یہ حال تھا کہ درس کے کمرے میں تو وہ اساز بن جاتے، اور ان کے طلبہ، لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد طالب علموں سے بھی فروز پانے آپ کو خیال کرتے اور طلبہ کے ساتھ ملنے جلتے ہیں اسی خیال کا اثر انہاں ہوتا، بعد کو جب کوئی ان سے کسی کتاب کے پڑھنے کی خواہش کرنا، تو ان کی غایت تک نسخہ بھی کو فقیر کا نام لیتے اور کہتے بھائی! اگر وہ میل شاگرد ہے، لیکن اب مجھے زیادہ ان کتابوں کو سمجھتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے، اسی کو دہائی کر، خوب پڑھانے لگا، قلم اہل و عارف اسباب پاک طینت پیداواروں کو مسلمانوں کے گھروں میں ہم کہاں بٹھائیں

آں تہذیب و شکست و ملک آتی ماند

رہ گیا ہے کہ جس امتحان کے متعلق اپنی ناکامی کا قطعی یقین مجھ میں پیدا ہوا تھا، ثابت ہوا کہ وہ یقین نہیں صرف دم تھا، اور حضرت الاستاذ اعلیٰ الشیرازی نے خاکسار کے داخلہ کی سفارش اس امتحان کے بعد فرمائی۔



باب

دورہ حدیث میں باضابطہ شرکت

آئیں لی گئیں، اور کچھ دن کے بعد غائبی شمال کی ۲۲ مارچ سے باضابطہ درس، دورہ کا جاری ہو گیا، دیوبند میں تسلیم پانے والے تو دورہ کی اصطلاح سے واقف ہی ہیں، لیکن جن کے لئے مدرسہ کی یہ اصطلاح اجنبی ہو، انکے لئے اتنی بات کہہ دینی چاہیے کہ صحاح ستہ، حدیث نبوی کی مشہور مسلمانوں کو ایک ہی سال میں بطریقہ سرور پڑھانے کا سادہ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ سے لیکھ کر ہندوستان تشریف لائے، اور اسی طریقہ درس کو آج بے جاری کیا، طریقہ یہ تھا کہ حدیثوں کے معانی و مطالب، مشکلات وغیرہ کے متعلق

جو کچھ پڑھانا ہوتا، وہ مشکوٰۃ شریف میں پڑھا دیا جاتا، شاہ ولی اللہ کا تو قاعدہ تھا کہ اہل دین مشکوٰۃ کی حدیثیں پڑھاتے، اور دوسرے دن، ان ہی حدیثوں کے متعلق طائر طبری کی شرح کا درس طلبہ کو دیتے، اس طرح سے مشکوٰۃ جب تمام ہو جاتی تھی، تب دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحاح ستہ کی حدیثوں کی سند کو متصل کرنے کے لئے مشکوٰۃ ہی کی حدیثوں کو، جو اس میں بغیر سند کے نہ تھیں، لے لی جاتیں، اب سند کے ساتھ اس طرح پڑھاتے تھے کہ طالب علم حدیثوں کو پڑھتا جاتا، اور استاد سننا جاتا، پچھتے میں خاص خاص اہم بات کا ذکر ضروری معلوم ہوا تو ذکر کر دیا گیا، یوں روزانہ پانچ ورق چھ ورق سوجاتے حضرت شاہ صاحب نے حدیث کے درس کے اس طریقہ کا نام طریقہ سرور رکھا ہے، لکھا ہے کہ یہ منقولہ عام اساتذہ حدیث کا یہی دستور اس زمانہ میں تھا، جب وہ حدیث کا علم حاصل کرنے کیلئے ہندوستان سے سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے، اسی سرور کے لفظ کا ترجمہ کیجئے، یا زیادہ مانوس لفظ میں اسی کی تعبیر ”دورہ“ کے لفظ سے والفظ دیوبند میں مشہور ہوئی ہے

دارالعلوم میں تدریس حدیث کا انداز
شاہ ولی اللہ کے زمانے کے صاحب سے دارالعلوم دیوبند والے دورہ یا طریقہ

سرور میں اتنی ترسیم اور گردی گئی تھی کہ اہل حدیث کا یہ فرقہ ہندوستان میں جہاں پکڑا ہوا تھا، اور حنفی مذہب کے متعلق یہ شہرت دینے لگا تھا کہ کبیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے خلاف، امام ابو حنیفہ نے اپنے ذاتی قیاسات سے اسلامی شریعت کا ایک مستقل نظام قائم کر دیا تھا، اس معاملہ کے ازالے کے لئے اکابر دیوبند میں سب سے پہلے حضرت مولانا گنگوہی نے حدیث کے درمیان اس التزام کا اہتمام کیا کہ حنفی مذہب کے جن مسائل کے متعلق فرقہ

الحدیث نے مشہور کر رکھا تھا کہ مرتب حدیثوں کے وہ مخالفت میں ان کے اس الزام کا سبب گدی کے ساتھ جواب دیا جائے۔ دارالاسلام دیوبند میں طریقت سرود کے ساتھ اس الزام کو کافی رکھا گیا، اور مجدد الہدایہ تک اس کا سلسلہ جاری رہا، اگرچہ وہ جاذب الحدیث طبقہ نے قائم کیا تھا، تقریباً نوٹ پھوٹ کو ختم ہو چکا ہے، لیکن بنیاد پر حق سرشار ہے، دارالاسلام میں اب تک فرقہ وارانہ حالت میں درج حدیث کا یہ الزام زندہ و پائندہ ہے، اور جہاں تک میرزاں ہے، اس کو اسی طرح جاری رکھنا چاہئے کہ اس سے جلد تقلید کی ہمت کا ازالہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حق اپنے مسلک پر ہی اصرار کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

دین کے بنیادی سرچشموں کی طرف رجوع

بٹنے ہوئے لوگ فروغی مباحث میں کچھ اس طرح ہنٹکتا اور متفرق ہو گئے کہ بنیادی تعلیم کے مارے و ثنائی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گئے، اسلام کی بنیاد دوسری خصوصیتوں کے ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ابتدا ہی سے کچھ ایسے قدرتی اسباب پیش آتے رہے جن سے مذہب وادیان کے اس حاکم عارف کا رد عمل مسلسل ہوتا رہا، خدا ناک اور ٹھنڈی رکھے، امام شافعی کی قبر مبارک کو کہ دوسری صدی ہجری میں ہی سب سے پہلے وہی اس سلسلے میں چمکنے، خطیب نے بغداد کی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ امام مالک نے اپنے اسلام کے حلقہ درس سے فارغ ہو کر امام شافعیؒ کی مجلسوں کے جدید دارالسلطنت بغداد میں تشریف لائے، اور وہاں کی جامع مسجد میں اہل علم کی درگاہوں کا جب آب کو بخیر ہوا، دیکھا کہ چالیس مجالس کے قریب ملتے قائم تھے، لیکن جس حلقہ میں بھی پہنچتے وہاں نہ قال اللہ کا ذکر تھا اور نہ قال الرسول کا

بلکہ فرماتے تھے کہ

ہم یقولون قال اصحابنا واما ریح بغداد واما ان میں ہر ایک ہی کہتا تھا کہ ہمارے اصحاب یعنی اساتذہ نے یہ کہا ہے۔
ایسا مسلم ہوتا ہے کہ امام کی دشمنی حجت کی رگ پھٹ اٹھی، اس طرز میں کا جو انجام ہو سکتا تھا، وہ ان کے سامنے آگیا، اور حیکت سے اس زمانے میں سربراہی میں مجلس میں ایک اور پیش پارتی بھی قائم ہو جاتی ہے، اور نہیں ہوتی تو ایسی صورتیں نکلی جاتی ہیں کہ ارکان پارلیامن کی لگام کھینچنے کے لئے کسی کسی طرح مخالفانہ تنقید کرنا لوگوں کی ایک ٹولی پیدا ہو جائے، کچھ اسی حجت کی خدمت حضرت امام شافعیؒ سے بن آئی، انھوں نے بھی اپنا حلقہ بغداد ہی کی جامع مسجد میں قائم فرمایا، اور بجائے اصحابا کہنے کے قال اللہ و قال الرسول سننے کا عادی لوگوں کو اپنے اس طرح بنادیا کہ خطیب نے اسی سوٹ پر نقل کیا ہے حتیٰ ما یعنی فی المسجد حلقۃ غیرہ (یہاں بحث کو مسجد میں امام شافعی کے حلقہ کے سوا کوئی دوسرا حلقہ باقی نہ رہا)

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ میں فرض کا اس حدت پذیر ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس راہ میں اپنے اساتذہ امام مالک کے احترام کی بھی دیکھا گیا کہ ان کو رواہ نہ ہوئی، نہ ہوتی تھی کہ ابان ہے کہ۔

امام شافعیؒ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ امام مالک کے حلقہ بجائے یہ کہنے کے اندر نے یہ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، عننا اپنے حلقوں میں یہ کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول یہ ہے، تو میں نے ایک سال بحث استنارہ کیا، اسکے بعد میں نے اعلان کیا کہ امام مالک جو کچھ بھی ہوں، ہجرال آدمی تھے، اور آدمی سے خطیہاں سرزد ہوتی ہیں:-

یہ بھی نے اس قدر کو نقل کر کے آخر میں لکھا ہے کہ

فدعاہ ذالک الی تصنیف الکتاب

فی اختلافہ معہ

توالیائیں، وکے

ہلکے کتاب میں کتاب تصنیف کی

اس معاملہ میں امام شافعی کا جو حال تھا، اس کا اندازہ اس سر کی روایتوں سے بھی ہوتا ہے، تو ابی القاسم میں محافظان جو نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، جواب میں آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس مسئلہ میں یہ ہے، لیکن پوچھنے والا تو کوں کا بگڑا ہوا تھا۔ اُس نے کہا آپ فرمائیے کہ اس باب میں آپ کی کیا رائے ہے، اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے، اور امام شافعی کا خون کھول رہا تھا، اپنی بات پوچھنے والے نے جب تک کی تو وہ سن رہا تھا کہ امام کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔

”بھلے آدمی! تو نے کیا میری کمر پر زار دیکھا، یا کسی گرجے

سے نکلے ہوئے گجے کبھی دیکھا ہے، میں تم سے کہہ رہا ہوں

کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا، اور تو پھر پوچھتا ہے کہ میری رائے

کیا ہے (توالیائیں معہ)

پس تو یہ ہے کہ حضرت امام شافعی نے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی دلائل، ”الکتاب السنہ“ کی طوطیوں کے لئے جانے کا روایا قائم فرمادیا، نیز فرمایا کہ یہی ہے جو حق ہے، حق تو ہے وہی کی آواز بازگشت اسلامی ممالک میں کوئی بھی رہی، جب بھی وہیں کے کئی سرپرستوں کو کتاب و سنت سے مسلمان کسی ملک میں دور ہوئے، تو اپوزیشن پارٹی (مسنڈیٹ الاغلاں) کسی نہ کسی شکل اور نام سے غلام کی پڑی ہے، اور اپنے تعیناتی جگہوں سے مسلمانوں کو ہینہ مجبور کرتی رہی ہے کہ

”کتاب مفت پریشانی کے پھر اس وقت کو جانچ لیں، جس کی

پیر وہی وہ دین کے نام سے کہے ہیں“

اسلامی علماء کی اس اپوزیشن پارٹی کے مشہور سرگرم محافظان ابن حزم اور جو ظاہریوں کے متاثر شدہ اکابر ہیں شمار ہوتے ہیں، انھوں نے اس میں بھی یہی صورت پیش آئی تھی، اب ان کو ابن العربی صاحب کلام القرآن و شراح تہذیب نے اپنی کتاب العوالم و التواہم میں لکھا ہے کہ ایک ایسا وقت بھی اندلس کے مسلمانوں پر آگیا تھا کہ جو مالکی مذہب کے پیرو تھے، قرآن و حدیث یعنی الکتاب السنہ تو دور کی بات تھی، ابن العربی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ

”لوگوں نے امام مالک اور ان کے جلیل القدر تلامذہ کا ذکر

بھی ترک کر دیا تھا، بلکہ عام رواج یہ ہو گیا تھا کہ نئی چیزیں

ہوئے لوگ کہتے ”قرطبہ والے یہ کہتے ہیں“، طبلہ کے

مولویوں کا خیال ہے، ”طبلہ کے علماء کا یہ قول ہے“

ابن العربی کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

”فانفتحت امن المسندینہ“

و فقہاء ہا الی طلبیہ

و ملہ یقہا

پر مل پڑے تھے

(العوالم و التواہم ص ۱۱۱)

قرطبہ و طبلہ، طبلہ، یہ اندلس کے ان شہروں کے نام ہیں، جو ابن حزم کے زمانے میں دینی ظلم کی مرکز میں غیر معمولی شہرت حاصل کئے ہوئے تھے گویا اس زمانے میں ہندوستان کے اندر دیوبند، سہارنپور، فرتنگی محل، بریلی، بدایوں، دہلی وغیرہ شہروں کا جو حال ہے، یا یوں سمجھئے کہ ہندوؤں میں کاشی متھرا، ہمدان، دہلی، راسک، جیسے مذہبی مقامات کی جو نوعیت ہے یہی کچھ نوعیت

انہوں کے ان شہدوں کی مسلمانوں کے عہد حکومت میں تھی، حافظ ابن حزم اور ان کے مانتے والوں کو جہاں تک سیوا فیال ہے، مذہب کی آزادیت پر بغیر کسی رعایت کے اسی حال نے آمادہ کیا۔

اور دور کو مل جائے، خود ہمارے ملک ہندوستان کو بھی اس زمانہ میں جب مسلمانوں نے اس کو اپنا وطن بنایا تھا، اور ان وطن بنانے والوں میں زیادہ تعداد خراسان اور ارواۃ النہر وغیرہ علاقوں کے مسلمانوں کی تھی۔ انہی دینی ذہنیت کا اظہار ان مشہور تاریخی مناظر سے ہوتا ہے، جو فیث الدین تھکن کے دربار میں مسلمانوں پر ہوا تھا، ایک طرف خراسان اور ارواۃ النہر کے قواد کو لوی تھے، جو ہندوستان پہنچ کر شیخ الاسلامی اور قضا و افتاء کے عہدوں پر سر فراز تھے، اور دوسری طرف صوفیوں کے سرخیل اور امام حضرت سلطان جی نظام الدین اولیاء تھے، مسلح جہاز اور سلطان جی کی طرف سے بھی نئے نئے کسی کتاب کے صحیح مسلم وغیرہ جی حدیث کی کتابوں کی روایتیں پیش ہونے لگیں، جن سے جواز اسلام کا پہلو پیدا ہوتا تھا، تو خود سلطان جی کا مشہور بیان ہے، کتابوں میں یہ فقرے آپ کی زبانی نقل کئے گئے ہیں کہنا ظہور کی مجلس سے اٹھ کر جب اپنے لوگوں میں سلطان جی تشریف لائے، تو فرمایا کہ

”در معر جت احادیث صحیح یعنی مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں کو یہ مسلم بنی شونہ دہیں گویند، خراسانی مولوی انہیں سنتے کہ وہ ہتھیار ڈال دیتے تھے، اور یہی کہے چلے جاتے، مست بر حایت تھے کہ ہمارے شہر دہلی میں مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی حدیث کے مقابلہ میں فقہ کی

ایک نئی علمی باجپل

روایتوں کو ترجیح دینا تھی جو خیر میں کہاں کی ہاتھ نہ لگے، غرض یہ کہ رہا تھا کہ سنوں کے زوال کے بعد جب

سلطنت کا دباؤ اٹھا گیا اور براہ راست اس کے بعد دلوں میں اس سب کے خیالات پیدا ہوئے، یا پیدا کرنا والوں نے مختلف جھگڑوں سے کام لیکر مسلمانوں میں انتشار و افتراق کی وجہ سے ان خیالات کو پیدا کر دیا، جن میں ایک حادثہ بھی تھا کہ ہندی مسلمانوں کی دینی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے مخالف ثابت کرنے کی کوشش ملک کے مختلف گوشوں میں جاری ہوئی، اور ان مسلمانوں کے مشہور امام حضرت امام ابوحنیفہ کو سن و طعن کا نشانہ چاروں طرف سے بنایا گیا تھا، تو گو بذات خود اس تحریک کو آپ جو کچھ بھی قرار دیں، لیکن خیر کا بہترین پہلو اس شے سے نکلتا ہے کہ جس ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے زیادہ فقہاء کے اقوال اور فتووں کو اسیت دینے کا دستور چلا آ رہا تھا، اس میں ایک نئی شکل پیدا ہو گئی، اور حنفی علماء کے ایک طبقہ نے سنجیدگی کے ساتھ واقعی حنفی مذہب کے مسائل کا کتاب سنت سے بغیر کسی جانبداری کے مقابلہ کر کے جان کر لینا شروع کیا،

انہی میں سے ایک امام بن شکر ہوئی، اور امام ابوحنیفہ کے خلاف بہتان کا جو طوفان اٹھا گیا تھا، انہی کوششوں سے خدا خدا کر کے مٹ گیا، انہوں نے حنفی مذہب کے ایک ایک جز کی تین احادیث و آثار کا ذخیرہ جمع کر کے رکھ دیا، کتابوں میں بھی لکھی گئیں، لیکن کتابوں سے زیادہ موثر اور کارآمد طریقہ اس راہ میں حدیثوں کے درس کا دینی طریقہ ثابت ہوا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ خلافت تردید پر مبنی ہو سکتے ہیں کہ حنفی مذہب کا کوئی ایسا جز نہیں نکالا جاسکتا جس کے متعلق آپ کی روایتی درس کے بڑے ہوئے مولوی حدیث

اور انھوں نے تائید میں ہمارے پیش کر سکتے ہوں، باتیں عام چھوٹیں، اور ہر
 کچھ وہ تک ان باتوں کو درس کے اس عام طریقے سے پہنچا دیا، اب ایک حقیقی
 حقیقی مذہب پر جو عمل کرتا ہے، وہ صحتِ اہم اور حقیقت کا تقویٰ اور ان کی رائے
 ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ بھی جانتا ہے کہ یہی امتضا غلاں غلاں حدیثوں کا
 بھی ہے، اور یہی طریقہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا تھا یعنی یہ
 طریقہ ان بزرگوں کے ہے جن کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا تھا
 ﴿رُكُوعًا مُّحْتَدًا يَتَّبِعُونَ نَفْضًا لِّوَنَ اللَّهِ وَيَضْرِبُونَ أَصْبَاحَهُمْ فِي دُجُوٍّ جَوْعًا
 مِنْ أَغْوَانِ الشَّيْطَانِ﴾ (سورۃ الحج) تو دیکھتا ہے ان لوگوں کو کونسا کرتے ہوئے
 سجدے کرتے ہوئے، ڈھونڈھتے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی
 کو صلاح کے نشانات جھلکتے ہیں ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار ہے،
 بھلا قرآن میں جن کی غمازوں اور جن کے ذکر کے بعد کی تعریف
 کی گئی ہے، صرف تحیری کی انھیں کے متعلق گنجائش ہی کیا باقی رہتی ہے۔

الترمذی حدیث کے درس کے اس دیوبندی طریقے نے مسلمانانِ ہند کے
 دینی تعلقات کو دین کے اصل سرچشموں اور حقیقی بنیادوں (الکتاب والسنۃ) کے
 ساتھ وابستہ کر کے نئے سرے سے پھر ترقی زدہ اور شگفتہ کر دیا اور انکی تعلیم
 کے اکیلا حقیقی پہلو نے اعتقاداً اَجَابَ دَعْوَةَ دُجُوٍّ جَوْعًا دُجُوٍّ جَوْعًا دُجُوٍّ جَوْعًا
 اللہ ربنا یا: یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا رب کی
 قرائی لعنت ہے، ان کو ان کے دین کو محمد اللہ محفوظ کر دیا، اور یہی ہم کہنا چاہتا
 تھا۔ درس حدیث کی اس خصوصیت کو جب تک زندہ رکھا جائے گا، اور یہی اہمیت
 اس کو حاصل رہی، جو پچھلے دنوں تھی، اور اس وقت تک جہاں تک میں جانتا
 ہوں کسی قسم کی لاپرواہی اس سے انصاف نہیں کی گئی ہے۔ تو مسلمانانِ ہند کی
 دینی زندگی، شرکائی لعنت کے اس زہر سے آسا و اللہ پاک ہے گی دائرہ و لامین

دورہ حدیث کا آغاز

میں قلم رکھ رہا ہوں، مگر رکھ نہیں
 رہا ہے، مفید خیالات سامنے آتے طے
 گئے۔ میں بھی کچھ ہی چلا گیا دورہ ذکر تو اس کا پورا ہوا کہ سال ۱۳۳۵ھ کے ماہ شوال
 کی ۲۱ یا ۲۲ تاریخ۔ یا اس کے قریب قریب کسی تاریخ میں جہاں تک
 مراعات نظر مجھے یاد دلا رہا ہے، دورہ حدیث کے اسباق کے آغاز کی خبر کو نکالت
 پہنچی، اب یہ باتیں راکر یا نہ بد کسی نوٹس کے ذریعے یا اطلاع شائع ہوئی
 تھی یا افواہا خبر طلباء میں پھیل گئی۔ زیادہ احتمال دوسری صورت ہی کا ہے۔
 فقیر بھی دورہ کے دس طلباء جن کی تعداد صحیح طور پر تو محفوظ نہ رہی، مگر سترائی
 کے درمیان غالباً ہوئی دس سالہ کے داخلہ کی تعداد اس سال کی رودادیں مل گئی کہ
 بہر حال انہیں مشکل دس پندرہ سے زیادہ ساتھیوں کے ساتھ پڑھنے کا موقع
 ساری زندگی میں جسے نہیں ملا تھا۔ اسی کے لئے طلباء کے اس جم غفیر کے گویا میلے
 جھیلے میں پڑھنے کا بالکل ناقص اور ناقص رہا تھا، اس میں اس نوبی، بہار کے سوا
 بنگال، پنجاب، سرحد، کشمیر، کابل، قندھار، بنجارا اور غالباً پٹانہ ترکستان،
 کاشغر وغیرہ کے طلباء آتے۔

اہم العصر علامہ سید انور شاہ کشمیری کے درس میں

بہر حال یوں ہی اب صحیح طور پر پانچویں دہائی کے ہفتہ یا ہشتہ سے زیادہ دن گزریے کہ درس کا اعلان ہوا معلوم ہوا کہ کل سے دورہ کے اسباق شروع ہوں گے کہیں جن کے اسباق شروع ہو نہ لے سکے۔ کتب خانہ سے برآمد کر لی گئی تھیں صحیح کی فہرست کے بعد ہی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حضرت سیدنا امام الکشری کے بیان صحیح مسلم کا سب سے شروع ہو گا۔ طلباء کو کچھ ہجوم تھا۔ انہی کے چھیلے میں بنگالہ بھی موجود تھے کہ شمالی سمت پر جو ایک کمرہ تھا، اس میں حاضر ہو گیا، اتنی بڑی تعداد والی جماعت میں شریک ہو کر بیٹھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ خیال آتا ہے کہ صحیح مسلم کا اتفاقاً دوسری سہ ماہی کے سب سے پہلے اتفاقاً ہو چلا تھا۔ جو طویل و عرصہ میں مدرسہ کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں غریبوں کی طور پر رہتا تھا لیکن کتب کرا، اسی طویل و عرصہ میں کتب کو لیکر کوٹھے پر چڑھا گیا، درس کے کمرے میں لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں، طالب علموں نے انھیں تپائیوں پر قبضہ کر لیا، ایک تپائی میرے حصہ میں بھی آئی

خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے، طلباء کو کتاب کی عبارت پڑھیں گے، اور حضرت شاہ صاحب پڑھیں، عبارت کا مطلب بتائیں گے

لیکن پہلی مرتبہ درس کے ایک گھنٹے کے تقریباً موقع میرے لئے یہ تھا کہ اسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحر نکلاں بلا سالہ عرض کرنا بلکہ اس معلوم ہو رہا تھا کہ میرے دل درمیان کے ساحلوں سے نکلنے لگا۔ ایسے سالہ اللہ عزوجل کے نام سے پڑھنے کا موقع ملا تھا، جو کتاب کی شروع کرتے ہوئے جزوی طور پر اس قسم کی عام باتوں کا تذکرہ عموماً کیا کرتے ہیں کہ مصنف نے خدا کی حمد سے کتاب کیوں شروع کی، اور اسی عام سوال کو اٹھا کر، اس کا جو مقصد جواب کتاب میں لکھا ہے، بغفلت کے الٹ بصر سے دیکھنے کی عادی تھے۔ مسئلہ کی شرح، مختلف اسوہ طوط اس لفظ کا افسانہ سب کے معانی میں کن تبدیلیوں کو یاد کرتا ہے، انھیں مسلمان مصنفوں کو کتابوں کے دیباچے کے عمومی اجزاء کے متعلق سوال و جواب، رد و قدح کا موروثی سوا یہ جو اسکی و شروع میں جو متعلق ہوتا تھا آ رہا ہے، اسی کو غریب طلباء بلوں پر پیش کر کے اپنی علمی وسعت کو ظاہر کرتے تھے لیکن امام الکشری نے یہ قبل اس کے کہ کتاب کو کوئی لفظ بھی شروع ہوا ہو ایک خاص قسم کی کوشش ترجمہ امیر آوازیں تقریر شروع کی جس میں موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا۔ تقریباً چالیس سال کے بعد اس کا دہانا آسان نہیں ہے، لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان ملاحظہ کر جہاں تک خیال کرتا ہوں، اب بھی باقی ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ صحیح مسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ بطور مقدمہ کے شروع

شاہ صاحب کے درس کے انقلابی تاثرات

کتاب میں امام مسلم نے حدیث کے بعض بنیادی کلیات، اور اس کی اصول و نظریات کی طرف سیدھے سادے الفاظ میں ایسے لینے و سمجھنے اشارے کیے ہیں جن کے صحیح وزن کو کوئی نہ ناواقف آدمی محسوس نہیں کر سکتا، لیکن واقعہ یہ کہ امام کے بعد یوں تو اصول حدیث میں بڑی چھٹی بنے شہادتیں لکھی گئی ہیں،

لیکن باوجود اس کے امام مسلم کے معاصر میں اب بھی پانوالے، اس علم کے لئے
اہم نکات اور حقائق کو پاتے ہیں، یا پاسکتے ہیں، جو شاید دوسری کتابوں میں نہیں
مل سکتے، جتنی تعالیٰ کے افضال سے پایاں میں ایک بڑا فضل اس شہرہ بحث
سباہ کا، کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ حدیث میں نہیں بلکہ اصول حدیث کے ان چند اوراق
کے پڑھنے ہی کا نہیں، بلکہ ان اوراق پر ایک امام کے عالمانہ خطبات کے سننے
کا شرف اس بے بضاعت کے لئے آسان کر گیا، پہلے ہی سبق میں دیا مسلم
ہو تا تھا کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات تک ایک سیرے سامنے آگئے، اس
وقت تک میرا اثر یہ تھا کہ قرآن کے سوا ہر چیز کی جتنی روایتوں کے صاحب
شریعت کی طرف تکتی تھیں اور کامل اطمینان کے ساتھ کسی امر کا انساب نہیں کیا
جاسکتا، گو یادیں کا اکثر حصہ صرف ٹپٹا، اور یقین کی قوت سے محروم تھے لیکن
یہ پہلا دن تھا، جب میرے کانوں نے اسناد والے قاتر کے سوا، قاتر طبعہ،
قواتر عمل، قواتر قدر مشترک کی نئی قسموں کو سامنے بھیجا گیا کہ چند روایتوں
کے متعلق جس قواتر کا دعویٰ عام کیوں میں کیا جاتا ہے، یہ دعویٰ صرف اسناد
والے قاتر کی حد تک محدود ہے، ورنہ میں کا بڑا اہم حصہ قواتر طبعہ، قواتر عمل
اور قواتر قدر مشترک کی راہ سے متعلق ہر قسم مسلمانوں کی عقلی تسلسلوں میں اگلی تسلسلوں
سے پہنچا ہے، اور قاتر کی ان تمام قسموں میں یقین آفرینی کی وہی نفسانی اور
منطقی قوت ہے جو قوت اسناد والے قاتر میں پائی جاتی ہے (۱)

(۱) واقعہ ہے کہ سند کی کثرت اور اوراق کا کثرت و کمزورت اہم اپنا باقوں میں ہوتی ہے
جو وہ بات کی راہ سے متعلق ہوتی ہیں لیکن ایسی بات کہ شاید وہاں بادشاہ ہندوستان کا
عمران تھا، سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اس قسم کے واقعات کے متعلق یہ تلاش کرنا
کہ روایت کرتے والے ان کو کون ہیں جنہوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو (باقی صفحہ آگندہ)

پہلا دن تھا جس میں قرآن کے بعد میں کا سارا بنیادی نظام میرے لئے قطعی
یقینی ہو گیا، اور جیسے جیسے تیز و تندو میں میں کے لحاظ سے اضافہ ہوا، بجائے
گھٹنے کے میرا تیز تازہ نگاہی ہو تا چلا گیا، ناکارہ رہنے اپنی مختلف کتابوں اور
مقالات میں ۱۱۰ کمپیوٹر کی عطا کی ہوئی اس روشنی سے استفادہ کیا پہلا دن
کے دینی اصلاحات کی نوعیتوں میں تیز کا سلیقہ اسی انوری تیز سے پیدا ہوا
نئی تعبیرات، نئے الفاظ

اور اب تھے، اسی لئے اردو زبان
جو ان کی مادری زبان نہ تھی، چاہے تو اس زبان کے بہترین ادیب خطیب
کی شکل میں آئے، آپ کو نیاں خبرا گئے تھے لیکن تسلسل عربی کتابوں کے مطالعہ
اور ادب عربی کی دوامی مزاولت کا اثر تھا کہ ان کتاب مبارک پر عربی زبان کے الفاظ بھی
زیادہ تر جڑ گئے تھے، بلکہ طریق بیان بھی آپ کا عربی بطور زبان سے زیادہ متاثر

دعا خیر صوگر شہ کا تیر، اس طرح اس قسم کی باتیں کہ مسلمان پڑھنا پانچ وقتوں کی نماز میں
ہیں عرب میں انکبوتی عمارت کا کچھ فرض ہے، سال میں رمضان کا ہر جب آگے، تو روز
مسلمانوں کو رکھنا پڑے، یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں مسلمان جانتے ہیں، جو مسلمان نہیں ہیں، آگے
نزدیک بھی اسلام کے یقینی غنائ میں ہیں، یہی قواتر عمل کی مثالیں ہیں، اسی طے سے عام
کی سخاوت، و رحم کی شجاعت کے جو حصے مشہور ہیں، ان قصوں کا یقینی ہونا خود ہی
ہیں ہے لیکن ان قصوں کے قدر مشترک کے سامنے میں کون کون شہ کر سکتا ہے حضرت
الاستاذ العثماني مولانا شبیر احمد صاحب نے بھی صحیح مسلم میں قاتر کی ان قسموں کا ذکر کر کے
احقران کی بارے کہ پہلی دفعہ مولانا اور شاہ سے یہ بات سننے میں آئی۔

تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ قطعی و تدبیری زبان آپ کی اردو تھی، لیکن عربی زبان کے ایسے الفاظ جو اردو میں غیر متعارف نہیں ہیں، انھیں اردو آپ کی زبان مبارک سے مکمل نکلے رہتے تھے۔ قرات کے مذکورہ بالا اقسام چاروں کو زبان کہتے ہوئے شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے پہلی دفعہ میں لے طبقہ بعد طبقہ کے عام الفاظ کے ساتھ جیلا بعد جیل کے الفاظ لیتے تھے، اس کی غزابت کا احساس اب بھی میرے حافظ میں زندہ ہے۔ شاید اسی موقع پر "الکاف من الکاف" یا "الکوات من الکوات" ابن حزم کی مخصوص اصطلاح بھی سننے میں آئی۔

اسی قسم کے غیر مشہور، یا اردو زبان میں جو الفاظ عربی کے مروج نہ تھے، ان کے استعمال کرنے کی غرض ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کہ عام مملوؤں کو یہ بھی لیکن عربی بلاؤں کے طلبہ و کان الفاظ سے ناواقف ہونا، ان کی شان کے مناسب تھا، اور شاہ صاحب شاید اس طریقے سے طلبہ کو ان عالمانہ اصطلاحات و عبارات سے ناواقف بنانا بھی جانتے تھے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب نے ان غریب اصطلاحات کے استعمال کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ جن چیزوں میں ایسی چیزیں ہیں جن کا ذکر کرنے اور اشارہ رہے ہیں مگر عام انسانی تہذیب کا ارتقاء و ترقی نہ ہو، پھر یہ نکتہ بھی ان ہی سے سننے میں آیا، اور بالکل صحیح بات تھی کہ ترانے والے ان چیزوں کی تعبیر کے لئے اچھے اچھے الفاظ تلاش لیتے ہیں "بائین خاں" مکان کے پچھلے حصے کہتے ہیں، پھر اس سے بہت اعلیٰ، مراد بے شک، لیکن رفتہ رفتہ لفظ پانچوں کی شکل اختیار کر کے خود گندہ ہو گیا، فرطے تھے کہ معانی کی گندگی رفتہ رفتہ الفاظ تک متعلق ہو کر ہو چکی جاتی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ تھوٹے تھوٹے دن بعد اس قسم کے الفاظ پر نظر ثانی کی جائے۔ اپنے اسی خیال کے مطابق عربوں کے ایام کی تعبیر ہمیشہ "ایام ملت" استعمال کرنے کے عادی تھے، کیونکہ "میتھ"

کا لفظ لانا کثرت استعمال کی تعبیر ہے، لیکن کثرت استعمال نے اس کو بھی اس قابل نہیں رکھا کہ بے مطلبوں میں اس کے استعمال کو آئندہ جاری رکھا جائے۔ بہر حال پہلے دن کے درمیان علاوہ معانی کے لئے عربی الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ بھی میرے دماغ میں شاہ صاحب کے درس کے اندر جمع ہو گیا۔

زبان عربی میں ضبط تقریر

ان کے بیان کی خصوصیت ایک غیر شعوری اثر تھی۔ یہ رہا ہو یا سبق ٹیوٹر کر جب قیام نگاہ پر آیا، اور شاہ صاحب کے حلق کے ہوئے گونا گون معلومات کا جائزہ لینے لگا، تو یہ محسوس ہوا کہ اپنے گزشتہ واسطے سے امید نہیں کران جاتی ہوئی باتوں کو وہ یاد رکھے، اس لئے فیصلہ کیا کہ کل سے کاغذ پیل ساتھ لیتا جاؤں۔ اور ان کی تقریر کو قلم بند کروں گا، اور آج جو کچھ سن کر آیا ہوں کل اس کے کردہ میرے حلق سے نکل جائے، اسے لکھ لیتا چائے۔ شاہ صاحب کی تقریر میں کثرت میں کوئی ہون، اس کا اسلوب ہی ایسا تھا کہ مجھے اسے یاد کرنا کے علاوہ کچھ محسوس ہوا کہ عربی میں قلم بند کرنا شاید زیادہ آسان ہے، یہی سوچ کر جو کچھ آج سن کر آیا تھا پیل سے انکو عربی عبارت میں نوٹ کرنے لگا، اور پہلی دفعہ مجھے یہ اندازہ ہوا کہ غلط مسلط ہے، لیکن ٹوٹی پھوٹی عربی میں مطالب کی تعبیر کی تو یہ صلاحیت مجھ میں بھی ہے، دارالعلوم میں حدیث کی تقریروں کے قلم بند کرنے کا درجہ نیا روانہ تھا، حضرت مولانا گنگوہی کی تقریریں لوگوں کے پاس مستحکم شکل میں پائی جاتی تھیں، اسی طرح حضرت شیخ الہندی کی بھی ترقی والی تقریر متعدد دروگوں کی مرتب کی ہوئی، طلباء میں پھیلی ہوئی تھی، لیکن میں جہانگیر جانتا ہوں، حضرت الامام انیسوی کی تقریروں کے قلمبند کرنا کارآمد شاید تعبیر سے پہلے کسی صاحب نے کیا تھا، یوں ہی عربی زبان میں حدیث کی تقریروں کی تعبیر

کی روایت مجھ تک نہیں پہنچی تھی، خدا کا شکر ہے کہ اس فقیر کے بعد اس سے کہیں زیادہ لائق و فاضل، قابل و فاضل، مستعد اور جہاد شہسختی طلب حضرت شاہ صاحب کے ارد گرد جمع ہو گئے، جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین ہی یہ قرار دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، معارف الہیہ کے اس بحر بیکار کو تیرہ حیریں لانے کی کوشش کی جائے، مولانا بدر عالم یہی تھے، اور مولانا محمد وسعت البشوری دستار اللہ علیہ السلام بقائما اگلے سوا خیاب کے ایک بزرگ مولانا محمد چراغ جانتے فقیر ترمذی، خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ان کے سوا ابن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے متعلق بھی حضرت شاہ صاحب کے درسی افادات کے جمع کرنے کی توہین خاکسار کے بعد مختلف افراد کوشش کی، جہاں تک میں جانتا ہوں، ان صاحبوں نے بھی بجا ہے اردو کے عربی زبان ہی کو فقیر کے لئے اختیار فرمایا جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت شاہ صاحب کے طرز زبان اور طریقہ تدریس کی نوعیت کچھ ایسی تھی، گراؤ دو سے زیادہ عسری زبان ہی میں ان کی تقریروں کا تقریباً نصف کرنا آسان معلوم ہوتا تھا، سنیے سنیں جو یا از انجیل اور دو کے عام افعال کے سوا الفاظ کا بڑا ذخیرہ ان کی تقریروں میں عربی کا ہی ہوتا تھا، کم از کم فقیر کا احساس تو یہی ہے، اور اسی چیز نے خود مجھ میں یہ بارسات پیدا کی کہ پہلے عسری عبارت کے لکھنے کی مشق وفادات کا موقع حالانکہ اپنی علمی زندگی میں نہ ملا تھا، لیکن الامام گمشدہ کی صفت نعال میں شریک ہو جانے کا اثر تھا کہ روزانہ تین تین پارچہ رورق جگڑھی اس سے بھی زیادہ جربہ قلم عربی میں انکی تقریروں کو لکھ لیا کرتا تھا۔

نوشتہ درس کی گمشدگی | اس کا افسوس ہو کہ ظلم کرنے والوں نے

۱۰۰ دونوں بزرگ وفات پانچے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و عفو

مجھ پر ظلم کیا، اور زندگی کے اس سود کو جو جان سے زیادہ عزیز تھا کسی صاحب نے اس سے مجھے محروم کر دیا جب اس کا خیال آتا ہے تو بے ساختہ حضرت مجدد کے کتبہات شریفہ کا منہ زخم ہے

آپ نے ازمنہ گزشتہ گراؤ میں گم شدے

جس میں سب سے پہلی ہم اپنی جگہ لیتے
جو کچھ مجھ سے گم ہوا ہے، اگر وہ سب کچھ سے گم ہوا، تو سب کچھ ہی، پری بھی،
اور دیو بھی سب رو پڑے،
یاد آتا ہے۔

میرے پاس زمانے تک کسی مصحفات کی یہ تقریر موجود تھی، پلٹہ بندھوانی لکھی تھی، حضور خرمین ساتھ رہتی تھی، اچانک ایک دن تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی نے اڑانی دے کر فقیر کے دفقا درس میں سے دو صاحب ایک بھاڑ کے طائر قلم اور دو دستہ درجہ کے مولانا عبد الرحیم دونوں الزامی سیر کرتے فقیر کو روڑا لگا کر لیا کرتے تھے، اور ان دونوں کے پاس بھی جملہ شکل میں یہ تقریر موجود تھی، بخاری صاحب ہمارے کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں ہیں، اس دنیا میں ہیں بھی، یا عالم آخرت کی طرف منتقل ہو گئے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب بھاڑا لگاؤ گا تو یہی تقریر تیری یاد کو تازہ رکھے گی، بڑے نیک شریف بزرگ تھے، یہ گذر بلاؤ، کچھ بھی خوش ہو کر خاص فقیر کے لئے بچاتے تھے، بڑا لذیذ پلاؤ ہوتا تھا، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ مولانا عبد الرحیم صاحب کے پاس بھی وہ تقریر محفوظ ہے یا نہیں، شاید ستار العیوب کا طبع بھی انکی تقریر کے گم ہونے میں کا فرمایا ہو کیوں کہ لکھنے کی حد تک فقیر نے کم ضرور لیا تھا، لیکن منوی اور غفلی غفیلوں کے انبار کے سوا جہاں تک میرا اندازہ ہے شاید وہ نوشتہ اور کچھ دفتار، اور درس کے سوا کچھ اور ہو سکتا تھا، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اپنی رسوائی اس کے باقی رہ جانے کی

صورت میں کسی اور کہاں تک پہنچی

پس تو یہ ہے کہ فقیر کے بعد ترمذی اور بخاری شریف کی اٹالی شریف فیض
الباری مرتبہ مولانا بدر عالم بریلوی اور اس کے ساتھ مجلس علمی ڈیپل
شاہ صاحب کے دوسرے افادات کو شائع کر کے محفوظ نہ کر دیتی، تو خدا ہی بنا
ہے کہ اپنی اس ٹوٹی پھوٹی شکستہ اور پرگندہ تقریب کے گم ہوجانے کا اثر خیر پر
کیا مرتب ہوتا لیکن حق تعالیٰ کا راز ہزار شک ہے کہ مشہور قرآنی قانون
فَاتَمَّ اللَّهُ بِذُلِّهِ هَبْ جَهَاً
وَأَمَّا مَا يَبْعَثُ فَلِئَلَّا يَشْكُ
رَفِي الْأَرْضِ (الرعد)
نقص پہنچتا ہے وہ ٹھہر گیا
زمین میں۔

کی عملی تفسیر میں باب میں میرے سامنے آگئی، جو چیز تھے اور گھر پہننے کی حق
حق وہ گھر ہوئی تھیں وہاں ملاں کی جن چیزوں میں عنایت تھی، قدرت کی طرف سے
سے اس کے باقی رکھنے کا ایک استوار و محکم نظم کر دیا گیا جس وقت خاکسار نے
اپنی اٹالی کی تقریر کو نقل بند کرنا شروع کیا تھا اس زمانے میں اس کا خیال بھی نہیں
جاسکتا تھا، حق تعالیٰ نے اپنے بعض خاص مجلس بندوں کے دل میں صاف
انور یہ کی صیح قدر قیمت کا احساس پیدا کیا بخاری کی اٹالی شریف فیض الباری

(۱) یہ فقر کے کم فرمایاں گراں مولانا محمد موسیٰ البرہان شریفی الافرنجی شوال کئی میں شاید
اپنے نام کا اظہار ان پر اب بھی گراں کر لے، لیکن والدہ شریفہ کا حکم سن کر کلاہوٹی قانون
کا وہ کیسے مقابلہ کر سکے، حدیث بھی توبہ فَوَاتٌ رَحْمَةً عَلٰی عَسَلٍ فِيْ حَضْرَةِ
ابابخیہ خدا ولا کو خراج عسل الی ان من کائنات ما کان (رواہ ابو داؤد) و کما یوم
یہ نقل مجلس ابابخیہ کا عمل ہے۔ راز نہاں بن کر کیسے رہ سکتا ہے (بانی جنوٹا)

کے مسودے کو لیکر ایک صاحب بحر بھیجے گئے، اور مصر میں قیام کر کے اس حوالہ
الوجود گرامی فنرٹ کتاب کو بہترین کاغذ پر روشن اور بجلی ٹارٹ کے حروف میں
طبع کرانے کے واپس آگئے شاہ صاحب نے وہی افادات ترمذی کے سنگین اندیشہ تھا
کہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں خدا نخواستہ گم ہو کر ختم ہو جائے گے چاہئے
والے نے جب چاہا تو اسلامی دنیا کے مشرق الاصل و مغرب ہمارے آخری حدود
تک ان کو پہنچا دیا، اور ان کو ہر شک ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ فتنی شلیس سرسبز
ہند کے ان علمی اختلافات سے تنقید اور تصحیح پذیر ہوتی ہیں لی قابل رشک ہیں کہ
لوگ جنہیں اس علمی ہم کی محنت منزلوں میں حصہ لینے کی توفیق بخشی تھی تاہم میرا یہ
منظور اگر صحیح ہے کہ اپنی ساری کتابہ تعلیموں کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی علمی
تقریروں کی تعلیمی کے سلسلے میں تقدم اور سبقت کی نعمت سے استناد و ہی دیا
سرفراز ہوا تھا جس کا جنون اس علمی امانت کے بار کا نقل نہ ہو سکا تو اداوی نہ یہی
اضطراری مسادہ سے چاہئے تو یہی کہ اسے بھی محروم نہ ٹھہرا جائے جب تک تاہم

دستور کے ساتھ حقیقت تو یہ ہے کہ لام کثیری کا مسئلہ علامہ اگرچہ کافی وسیع حریف ہے،
لیکن سنا وہ یاد و فکر کا حصہ ضرور بنایا و فیصلے قریب ہونا محض ہوشی کو ملے پایا، غایت
کی کیفیت دوسروں میں کم از کم مجھے تو نہ فیہ اہل اصحابی کے شریعہ بھی مانگ
کے ان جہا میں ہی کے طالب میں سے ملے سہی، غرض ہوئی، ان کی ذرہ نواز ہو کر گیا
تھا نہیں سکتا، جہاں کا شرف چندوں کے لئے ان کی کج مصلیٰ حاصل ہوا تھا تاہم کو نہیں، ان کے
لکھ کے اداں بکر دروں اور اداوں میں ان کا محنت کے بہترین سلیقہ کا بھر بہا تھا، لیکن
ابری بخاری کی شرح کثیری اور اس کے فضل میں اہم علمی کی توفیق دیا، دونوں کتابیں
فیتریک حوالے سے صورت کے بدل و زوال کے توسط سے پہنچیں، لہذا ان دونوں پر

ایک دکان کی شدخ پر کوکر نرالی فاختہ کے فضل تقدم کا اعتراف کرتے ہوئے
 عرب کہ شاعر نے کہا تھا، اور چٹیا بکٹ کے تعلق اس نرالی نے اقرار کیا
 وکن بکت قبل فعیجہ لی البکاء کا ماحضت الفضل التقدم
 لیکن فاختہ مجھ سے پہلے رو پڑی، اس کے دوسرے مجھ پر گری طاری ہوا،
 اس نے میں نے ان لیا کر برتری اسی کو حاصل ہوئی جس نے بہت کی شاید کہنے والا
 کہہ سکتا ہے

میں جو رو پڑا تو رو پڑی دنیا شوسے اپنے شوسے برپا
 بہ حال بقراب نہ تھے
 عشق سے ہوں غم کے جن کے دل آباد

قیس مرحوم کو کریں گے یاد !
 اور میں مونی ہوں کہ بخاری کی اعلیٰ شریعت فیض الیاری کے مقدر میں صحیح مسلم
 کی گمشدہ میری اعلیٰ تقریر کا ذکر کر دیا گیا ہے جہاں احمدی فیہ الجراء

★

باب

معارف انوریہ

خیر تھ تو حضرت شاہ صاحب کے درسی خصوصیات کا تھا، واقعہ یہ ہے کہ
 باتوں باتوں میں صرف حدیث ہی نہیں بلکہ دوسرے علوم کے ایسے اہم اہم کلیات،
 ہاتھ ان کے درس میں آجاتے تھے کہ اپنے ذاتی مطالعہ سے شاید ساری عمر ان نکات
 رسائی ہم جیسے نارساؤں کی آسان نہ تھی۔

حدیث کے متعلق قواعد کے اقسام چار گانہ کے سوا اصول حدیث کے اعتبار کے
 اصطلاح کی شرح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی حالانکہ تقریباً نصف
 صدی کے قریب زمانہ گزر چکا ہے لیکن وسادس و شہادت، شکوک و ادہام کی جو
 تاریکیاں، ابھانک میرے سامنے سے گھٹتی ہوئی تھیں، اور سبکست و طمانینت کی جو
 لذت اس وقت میری تھی، دل میں اس کی کمی اور طراوت اس وقت تک موجود ہے
 ایک ہی حدیث کے متعلق اعتبار کے قاعدے سے اس وقت اور دوسری جو غلطی قوت
 فراہم ہوتی ہے۔ صحیح طور پر اس قوت کا مقصد پوچھ جانے کے بعد اپنی جبلت سے آدھی
 اس اعتماد کی کیفیت کے مخالف سے عاجز ہو جاتا ہے، جو عدد اس عمل کے بعد دلوں
 میں حدیث کے متعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک ہی حدیث کے مختلف اسناد کا مقابلہ کر کے
 اعتبار کی تشریح دیکھا جاتا ہے کہ قدر مشترک سب کی روایتوں کا
 کیا ہے، اور اختلافی عناصر اس میں کتنے پائے جاتے ہیں، جس کو کے بعد قدر مشترک

کے متعلق یقین کرنا پڑتا ہے کہ راویوں کے ارادی یا غلط ارادی تعریف سے وہ پاک ہے، آخر خود سوچئے، کسی کا پیغام دیکر آدمیوں کے ذریعے سے آپ تک پہنچے، پہنچنے والوں کے بیان میں جو حد سب میں مشترک ہوگا، ظاہر ہے کہ اس کے متعلق ماننا پڑے گا کہ اگر پیغام کا یہ مشترک حصہ ہندو یا کسی پیغام کا جز ہے، جسے پیغام سمجھنے والے نے ہم تک معاذ اللہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر اعتبار کے اس عمل سے تقدیر مشترک کافی ذخیرہ دستیاب ہو جاتا ہے، عوام کو اندازہ ہو نہ ہو لیکن فن کے مابین وہ اتفاق ملتے ہیں کہ اس میں پندرہ حدیثوں کا کثرتاً ذخیرہ شلوک و شبہات سے پاک نظر آتا ہے، اس کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ جیسے قرار کی تفسیر کی روشنی میں حدیثوں کا مستند یہ منقول حصہ خبر کساوی غلطیوں سے پاک کر لیتے ہیں اور احادیث کی قوت کا حامل بن جاتا ہے، اسی طرح حمزہ جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ روایات کو خبر الوں نے بچھائے الفاظ کے حدیثوں کے سلسلے میں زیادہ حامل مطلب یعنی روایت یعنی کو ادا کے فن کے لئے کافی قرار دیا ہے کافی ہونے میں جیسا کہ میں نے غور یہ ثابت کیا ہے، روایت بالسنی کے طریقہ پر اعتراض کوئی کوئی وجہ نہیں ہے، قطع نظر تفصیلات کے اور کچھ نہیں صرف ترجمہ کی حقیقت اگر آدمی کے سامنے ہو۔ جو روایات بالسنی کی انادیت کے اعتراض پر وہ مجبور ہو جائیگا، آخر روایات بالسنی کا مطلب کے سوا اور کیا ہے کہ ایک ہی مطلب کو اسی زبان کے دوسرے الفاظ اور قصیدوں میں راوی ادا کرے جس زبان میں اس سے بات کہی گئی تھی، پھر ترجمہ میں خود سری زبان کے الفاظ میں مطلب کو ادا کرنا پڑتا ہے، پس غلطیوں، صرف غلطیوں کے بدل جانے سے اگر یہ کچھ بھڑکیا جائے کہ مطلب بھی ہمیشہ بدل جاتا ہے، تو چاہیے کہ ترجمہ اور اس کے ذریعے سے علم و فنون کی جو اشاعت دنیا میں ہوتی ہے، سب کو انوار مکمل قرار دیا جائے جنوں کے سوا، خود سوچئے گا اور بھی کچھ ہے۔

لیکن قطع نظر اس حضرت شاہ صاحب نے الاعتبار کے جس طریقہ عمل سے روشناس فرمایا تھا، اس کی روشنی میں جیسا کہ شاہ صاحب نے بھی فرمایا تھا کہ حدیثوں کا ذخیرہ بچھائے روایت بالسنی کے روایت باللفظ کی مد میں داخل ہو جاتا ہے، غور کر لیں بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرہ سے منسوب کیا ہے کہ ہم نے اس میں کشتا در صحابی کسی روایت کو بیان کرتے ہیں، ان صحابیوں کی روایت میں مشترک الفاظ کے متعلق اگر یہ سمجھا جائے کہ براہ راست خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض ہوئے ہیں، تو مکمل کا تھا غلطی نہیں ہے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، عام حالات میں کسی مطلب کو اپنے الفاظ میں ادا کرنا لوگوں کے الفاظ میں وحدت مشکل ہے، اعتبار کے طریقہ سے تاہم یہ روایتوں کو اصطلاحاً متابعات و مشابہات کہتے ہیں، خاص شخص کو اس میں اس عمل میں ادا دینے کے لئے بھی گئی ہیں، صحیح مسلم میں امام مسلم کے کام کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے، الاطراف کی کتابوں سے بھی کافی مدد اس راہ میں ملتی ہے۔

بہر حال یہ تو ایک علی سلسلہ ہے، میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ جیسے حدیث کے متعلق شاہ صاحب کے درس میں مگر یہ بات معلوم ہوتی رہی تھی، اسی بات میں سے نزاکت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہو جاتا تھا، یہی حال دوسرے علوم و فنون کے متعلق تھا درس تو بہت تھا حدیث کا لیکن شاہ صاحب کی ہر گھنٹہ سیرت نے معلومات کا جو گلا نمایاں تھی سربراہ ان کے اندر جمع کر دیا تھا، وہ ان کے اندر سے یہ ماحول چھٹکا تھا جس میں آپ حج عین کرتا ہوں کہ قافلان اور سیرت کے متعلق جو وہ مختلف تقدیر فرما لیں ہیں،

منصب قضا اور اجتہاد

یعنی واقعات اور حوادث پر قافلان کو تسلیم کرنا، ایک قاضی اور جج کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اسی طرح قافلان کے محدود کلیات سے ہر نئے پیش آنے والے حادثے کے متعلق حکم لگانا یہ فرض بھی وضع قوانین اور ارباب اجتہاد کا ہے۔

حضرت شاہ صاحب قافون کے مناہج کی تفسیر کئے ہوئے تفسیر مناہج، تخریج مناہج، تحقیق مناہج کے اقسام کو بیان کر کے جو سب حاصل بحث ان اقسام پر کیا کرتے تھے، یہاں تو خیال یہ ہے کہ قصداً زنجی، اور اجتہاد یعنی قانون سازی، دونوں دہریوں کی ایسی روشنی ان کی تقریر سے پیدا ہوئی ہے کہ دونوں پر چلنے والے آتش و آندہ کی روشنی میں جنگ نہیں کیے، تفصیلات کے لئے ان کی مطبوعہ تقریروں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

انکہ اجتہاد کی تعظیم | اس کے ساتھ ہیجے اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ شاہ صاحب کو اہل انکساری تفسیر اسلام پر بھی بحث

اور انکہ اجتہاد میں روایتیہ الام کے مقابلے میں دوسروں کا اجتہاد ان کو بہت کم متاثر کرتا تھا، مگر بالآخر یہ ان ہی کے درسی افادات کا شعوری اور کچھ غیر شعوری اثر ہے کہ اپنے دل کو اہل سنت والجماعت کے تمام انکہ اجتہاد امام مالک، امام شافعی، امام احمد کی عظمت سے متور پانا چاہوں، اور ان ہی کے کچھ نہ سنے سے یہ سمجھ میں آیا کہ سارے اجتہاد ہی میں ان میں سے بظاہر اختلافات نظر آتے ہیں، سب ہی حق ہیں، اور سب حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں، خیال آتا ہے کہ انکہ اجتہاد میں حق دائر ہے، یعنی ان میں سے لاطعی تفسیر کوئی ایک نہیں ہے، بجائے اس کے شاہ صاحب نے طلبہ کو سمجھا کر سب ہی کو حق پر پہنچا دیا ہے، تو سرحد کے بعض خشک مزاج علماء پر یہ بات گراں گزری، اور مختلف قسم کے ارجحیت کی اشاعت ان کی طرف سے جاری ہوئی، لیکن انہیں بجاہر دل کو کون بکھاتا کہ

اشفق علی الناس ولا تشفق علی الجبل

ایک کو ہی بکرا بہادر پسینہ لگا، اور ہاتھ اٹھا کر غصے سے کہا کہ اپنے سر پر دم کر۔

بہادر نہیں۔

شاہ صاحب اور معارف صوفیہ | بظاہر تصوف اور صوفیانہ متعلق خیال پورا تھا کہ اس

طریقہ اور ان کے علوم و معارف سے شاہ صاحب کو شاید چھانل کر ہی نہیں، لیکن یہی وجہ ہے کہ خیالات جو دماغ میں رہ گئے ہیں، ان ہی میں سے دو باتیں میرے اندر اس طرح جاگزیں ہوئی ہیں کہ تصوف کے نظری و عملی دونوں حصوں کے تعلق بعد کو جو کچھ بھی اس فقیر نے سوچا یا سمجھا، زیادہ تر ان ہی دونوں کی روشنی میں سمجھا اور لکھا، حادثہ دینی کائنات و مخلوقات، کا قدیم دینی حقائق | جل جلالہ سے کیا تعلق ہے، شاہ صاحب کے افانامیں ربط

الہی و حادثہ باہدیم، یہی عنان قائم کر کے اس سلسلے میں کچھ فرماتے تھے، یہی تصوف کے نظری حصہ کا بنیادی و اساسی مسئلہ تھا پہلی دفعہ شاہ صاحب نے اس منہاط کا ازالہ فرمایا کہ عوام ان اس خالق و مخلوق کے تعلقات کو صنائع و معصوم یا سمار و مکان کی مثال سے سمجھنا چاہتے ہیں، معصوم اپنے باقی رہنے میں چونکہ صنائع کا تعلق نہیں رہتا، یعنی مکان کو مثال بن جانے کے بعد سمار کی ضرورت باقی نہیں رہتی، عوام کی سمجھ میں صحیح طور پر اس لئے نہیں آتا کہ پیداوار میں تو حاملہ خدا کا محتاج ہے، لیکن پیدا ہو جانے کے بعد عالم کو اپنی بقا میں خدا کی کیا ضرورت ہے؟ صوفیہ اسی دوسرے ازالہ اپنے اس نظریے سے کرتے ہیں، جو وحدت الوجود وغیرہ ناموں سے مشہور ہے، اور دھڑلنے والوں نے شہرہ کر رکھا ہے کہ صوفیہ وحدت الوجود کے جو قتال ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ ان کا ایمان وحدت الوجود پر نہ مبنی سارے موجودات ایک ہیں، حالانکہ الوجود کی وحدت کو الوجود کی وحدت سے کیا تعلق؟

خاکسار نے اپنی کتاب الہدایہ میں اس وحدت الوجود کے مسئلہ کی توضیح و تفصیل کی ہے، سچی بات یہ ہے کہ بنیادی امور اس کے شاہ صاحب کی تقریر پر ہی

ان تقویوں کو سننے ہوئے عرض کر چکا ہوں کہ چالیس سال کے قریب زراہ گور چکا ہے، مگر ابھی تاخیر کی لڑت ہو میرے پاس شہادت ہوئی کہ وہ بھی غارت ہو چکا ہے، لیکن قصورت کے عملی حصے کے متعلق زراہ کی اس طویل مدت میں جو کچھ قصیر نے بعد کو لکھا یا بھی لکھا زیادہ ترجمہ جری اثر سب میں شاہ صاحب کی اس تقریر کا قصداً اور اندیشہ کے ساتھ اس کا بھی افکار کا بڑا نمونہ ہے کہ بڑے سمجھنے سمجھانے والے اور بڑے لکھنے والے کی حد تک میرا کام محدود رہا، اور کرنے کی توفیق میری کوتاہی کے لئے دے کے اپنا سرکار کا زور اس امر میں دیکھ کر کہ

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله يرد قسبي حسلاً حلاً

لیکن آہ کہ میرا لعل اب کشت کی حدود میں داخل ہو چکا ہے، اور نہیں کہہ سکتا کہ جس چیز کو کفر بھی سمجھا رہا، اسی کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنے سے کیوں خاموش رہتا ہوں؟ جس کی جی دیتی کہ سوا اس کی اور کیا توجیہ کی جائے

شاہ صاحب اور مقولات
شاہ صاحب کی بعض باتیں عجیب غریب تھیں، نظائر ان کے مطالعہ کا موضوع دنیاات ہی کی کتابیں تھیں، لیکن جب عقلی مسائل پر اتفاقاً مجھ پر پڑے کہ سو قد آجائے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نادانانہ طور سے زیادہ ان کے سامنے بڑے سے بڑا مقولہ نہیں ہے۔

دعا میں حضور گزشتہ سال کے ساتھ ایسا رابطہ لکھا گیا ہے کہ جرات کرنا اور ایسا کو دیکھ رہا ہے ساری کائنات اس کے لئے کہات اللہ اور خدا کی نشانی میں جائے ہو گا، اللہ اس کے سب سے بڑے شال ان قصید اللہ کا کثرت توادہ نام لہم یعنی توادہ خاندان میرا کہ جسے جواب کو خیال کرنا چاہیے۔

مسئلہ احسان
اسی طرح مشہور حدیث جبریل میں ہے کہ احسان و اسلام اور احسان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسافر کے کہیں میں حضرت جبریل علیہ السلام نے سوالات کئے تھے، اس حدیث میں ۱۰ احسان کے لفظ کا ترجمہ ہی شاہ صاحب نے ایسا کیا کہ قصورت کے عملی حصے کی اصل خصوصیت سامنے آگئی، فرمایا تھا، کہ احسان کا مطلب لائق کے ساتھ آنا ہے تو کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اس کا مطلب ہوتا ہے لیکن مسئلہ کے فیہ صرف احسان کا ترجمہ حسن بدکردن کرنا چاہیے، یہی یا قریب قریب اسی کے فارسی زبان میں احسان کا ترجمہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ عقائد و اعمال اور زندگی کے تمام شعبہ میں، جو مذہب کے دائرے میں داخل ہیں، ان کو باہر نکالتے ہوئے سرے نکالتا، ایک حال تو یہ ہوتا ہے، لیکن ان میں سن آخری کی کوئی شے میں بھی احسان ہے اور قصورت کا مطلب یہی ہے کہ کچھ اسے تکلیف کے دین ہی گویا زندگی کا اعتناء لیکن جائے، اور یوں دین کے ہر شعبہ میں حسن کے اندر حسن کا اور جمال کے اندر جمال کا انداز کرتے چلا جانا چاہیے، یہی الاحسان کے تمام کا انتقال ہے۔ خیال آتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہیز انیسین کا لفظ آیا ہے، اس کا صحیح معنی شاہ صاحب کے نزدیک مسلمانوں کا دوسری طبقہ ہے، جو دینی مطالبات کی تسلیل میں اپنے پیش نظر انسانی نقطہ نگاہ رکھتا ہے (۱)

(۱) بخاری و بیہقی مشہور حدیث ان الله كتب الاحسان على كل شيء والحمد لله
ہر چیز پر احسان کو فرض کیا ہے اسے ہی شاہ صاحب کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے پس جبریل امین سے جواب میں جو یہ فرمایا کہ یعنی خدا ہیوں دیکھ رہا ہے، اس کا معنی اللہ یا فیض پرستہ عقیدے کی روشنی میں چاہیے کہ جرات کرتے ہوئے اپنے پیغمبر و خلیفہ کا ساتھ دینا ہے

باب

حضرت شاہ صاحب کی خدمت اور خصوصیت و امتیازات

بہر حال خاک رکود دوسرے علماء اور شاہ صاحب میں جو کھلا ہوا فرق محسوس ہوتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ عموماً لوگوں میں استعدادِ علمی پایا جاتا ہے، یعنی اس پر قناعت کر لیا جاتا ہے کہ جب اپنے متعلقہ علوم کی کتابوں کا مطالعہ کر لینگے، تو مسائل کے ماہر و ماہرین سے واقف ہو جائیں گے، لیکن شاہ صاحب کو تو ہر اس علم سے حضور کی تلقین تھا، جس سے وہ دلچسپی رکھتے تھے، اور ان علوم کے کلیات و جزئیات کا ذخیرہ عقلیت کے رنگ میں ان کے حافظہ کے حافظ خانہ میں اس طرح محفوظ رہتا تھا کہ ہر مسئلہ کو جانتے آسانی کے ساتھ اپنے جس شریک کے سامنے لے آتے، طلبہ آگاہی کے لئے ان کے دماغ لکڑیوں کی الماری سے شبیر دیتے تھے بغیر بجائے الماری کے لئے ایک منگنی گنجانہ، ہی خیال کرتا تھا۔

بہر حال وہ اپنے عہد کے طلبہ کی علمی بے لباستوں کا اندازہ کر کے تعجب و اٹھا کر علاوہ موضوع درسی کے چند خاص امور کا تذکرہ دائرہ اپنی درس میں ضرور فرمایا کرتے تھے، مثلاً جن مصنفین کی کتابوں کا حوالہ دیتے، ان کی ولادت، وفات کے سنیں کے ساتھ

ساتھ حقہ حالات اور ان کی علمی خصوصیت، علم میں ان کا خاص مقام کیا ہے؟ ان امور پر ضرور توجہ کرتے چلے جاتے، یہ ان کا ایسا اچھا طریقہ تھا، جس کی بدولت محققین اور محقق طلبہ ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر علم کے ذیلی ساز و سامان سے مسلح ہو جاتے تھے یا کہ از کم مسلح ہونے کا ڈھنگ ان کو آجاتا تھا، لیکن یہ ہے کہ غیر مستند درسی اور اساتذہ کے کتب کی یہ بات نہیں کہ متعلقہ مذکورہ بالا تفصیلات سے طلبہ کو آگاہ کرنے پر قادر ہو، یہ تو ان کے خصوصی حافظہ کا کمال تھا

افراد و رجال کے باب میں شاہ صاحب کا رویہ

صاحب کے متعلق میرا یہ بھی تھا کہ انھیں درجہ ان کے ہر کا تذکرہ وہ حلقہ درس میں فرمایا کرتے تھے، ان میں زیادہ تر ایسی ہستیاں تھیں جو آب دنیا میں موجود نہیں ہیں زندہ علماء کا ذکر مشکل ہی سے ان کے درسیں ہوتا، اور زندہ کیا پہنچے ہوئے تو ماضی الہی حیرتوں کی صدی ہجری کے عالم و محدث کے بعد والوں کے نہ سمجھی ان کی زبان بہرہ پر اتنا فانی بھی آتے ہوں گے، ان کے حلقہ درس میں پہنچ کر کچھ اس محسوس ہوتا تھا کہ درمیان کی چند صدیاں گواہت ہو گئی ہیں، اور ہم نویں، دہائیوں اور ان سے پہلے کی صدیوں میں گویا زندگی بسر کر رہے ہیں، پچھلوں کا زندہ نام ہی ہم ماضی لیتے تھے اور زمان کے کام ہی کا ماضی یاد دہا ذکر کرتے، ان کا معاملہ پس ان ہی گزرتے ہوئے آگے بڑھنے والوں کی حد تک محدود رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ لینے سامہ اور جہت علماء کے متعلق ان کے تاثرات کا دریافت کرنا مشکل تھا، اور میرزا قیام لکھا ہے کہ کئی حکم کا تاثر اس باب میں وہ کہتے ہی دیتے، اس قدر سے حق تعالیٰ نے علماء کے ایک بڑے بلکہ غلطی و ذلیل سے ان کو محفوظ فرمایا تھا۔

اس سلسلہ میں علوم ہر تہہ کے گزشتہ علماء کی علمی و فنی تنقید کی طرف ان کے جذبات سے پھیر دیا گیا تھا۔ انکی علمی حیثیت اگر کچھ علمی بھی تو ان ہی وفات یا تہذیب زدوں سے تھی

ماظاہن ہرگز کے ساتھ ایک طے غیر معمولی حیدت کا یہ حال تھا کہ کل اہل ماحظہ ان کے الفاظ سے انکی ملاحظہ مانتا ہی ہوتے لیکن شافعی ہونے کی وجہ سے اختلافی مسائل میں سختی نہ بیک متعلق جیسا شاہ صاحب کو محسوس ہوتا کہ جان بوجھ کر ملاحظہ سردہری اولاد پر دیا جی سے کام لے رہے ہیں، تو اس وقت مسکراتے ہوئے فرماتے ملاحظہ الیہا نے اس موقع پر حکمت لسانی سے کام لیا ہے، کبھی کبھی ان کے طرز عمل کو طے کی مثال سے تشبیہ دیتے، جو انھوں کو گروہ دیتے ہوئے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گل جاتا ہے

شافعی کے ایک خاص طرز عمل پر
ظرف قناد تبصرہ

ہے جب ان کے اس اصول کو ذکر کرتے، تو فرماتے ہیں طے شافعیہ پتے پتے گئے کاکام شروع کر دیا (۲)

عموماً وہ اس کا بھی موقع تلاش کیا کرتے کہ علاوہ حدیث کے اسلامی علوم کے طلبہ و علماء کے لئے دو مسئلہ متعلقہ علوم و فنون کے بنی اصول و کلیات کا جانا ضروری

۱) ایک اسلامی جہ کی روایت متنازع ہوتی ہیں، تو علماء ان میں ترجیح قطعی تسلیم کی جاوے اختیار کرتے ہیں، اس باب میں حضرات شرافہ کا ایک اصول یہ کہ ان روایتوں کا ان کے دایرہ کے قوت و ضعف کے لحاظ سے درجہ بندی کرتے ہیں جو روایت ان میں صحیح رہے ہیں اس کو تسلیم کر کے باقی کو نظر انداز کرتے ہیں اس کا نام ملاحظہ میں اس کا نام الیہا ہے یعنی اس میں اس میں صحیح روایت کی ترجیح، اجماع

۲) مطلب یہ تھا کہ اسرار الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر، راوی پر ترجیح کے مخالفت کی حدیثوں کو قابل ملاحظہ بنادیا اور صرف رجالی جہڑوں کی مدد سے کہ روایت کو باقی برقرار نہ ہو

ہے ان کی بدنی منہیت ذکر فرماتے، اور ہر ایک کی ایسی تاویل بیان کرتے، جس کے سننے کے بعد ملاحظہ جہڑا تھا کہ اس مسئلہ کی ابتدا اس میں ہوئی، اور کن کن تھا جہڑا نظر سے گزرتے ہوئے اپنے موجودہ حال تک پہنچا ہے۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا تاثر
یاد آتا ہے کہ ایک دفعہ

احمد خاں، جو کسی زمانہ میں علی گڑھ یونیورسٹی کالج کے روبرو دوال، جہڑوں کی یاد نگاہ میں یونیورسٹی تھے، پچھلے دنوں جب بیڑ لڑا اور یونیورسٹی کی رجحانی تھکی کی دست کم یونیورسٹی، دستور گزشتہ کابینہ میں شریعت و دینا لیکن آٹا صابر، قرآنی آیات کے اقتضا، اور اسلام کے اہل قرآن و اصول سے چشم پوشی کر لینا، حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو ردائیں کی ترجیح میں پسند نہیں فرماتے، اور جہڑا کرنے کے لئے رجالی جہڑوں میں راوی کی کردار کو کٹاں، اس کا نام انھوں نے شافعیوں کا ایقا، فرماتے تھے کہ یہ تو قنادوں کا کام ہے، جو باوجود ملاحظہ ہیں، اس کا کوئی کڑا کیا

۱) مسئلہ وہ میں دیکھ رہی کا شروع، تاہم جہڑا کے علاوہ ملاحظہ کے علاوہ جہڑا میں شان، ان کی بنیاد سے مستند ہوا تھا، تو قبل دیکھ لیا کہ ان کے اندر سے بیک صاحب زادہ مرحوم اس تقریب میں شریک ہونے کے لئے دو بند ہوئے تھے، اگرچہ یہی خواں طے کی طوٹ سے علماء اور ہندو کے ملاحظہ رجحان کا اظہار کرنا پہلی دیکھ لیا کہ میں یہ ہوا تھا، جہڑا کے ان کی گرم پارٹی صاحب زادہ مرحوم کا یہ اقدام کافی گراں ثواب ہوا تھا۔ انامہ کے اخبار المشرق کے ایڈیٹر مولوی بشیر نے تو علاوہ مذکورہ صاحب پر سخت دہشت کی تھی، لکھا تھا کہ اس کی قسم کی طرح تو اقل سے کچھ نافع نہیں، ان مولویوں سے مصالحت کی امید بقول ہے، لیکن آج کے اردن و صیحت کی آغوش میں ایک ایک اول جہڑا کے رجحان کا تصور میں ناگہان تھا، میں سب کچھ دیکھا گیا اور دیکھا جا رہا ہے۔

★

تو صاحب نے صاحب خرم کو بھی دیوبند تشریف لایا کرتے تھے، ایک دفعہ صبح مسلم کے دریں میں آکر وہ بھی شریک ہوئے، واپس ہو کر میں نے خدا ان سے سنا ہے، کہتے تھے کہ آج تو آگسٹو ڈاؤر کی پیش کے کچھ مال کا سفر میرے لئے آگیا تھا، یورپ کی ان ایجنسیوں میں وہ فیصلوں کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، آئی ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشے کو دیکھا۔

دفاع ہو گیا | بادشاہت اور مافطی غیر معمولی قوت کا نتیجہ تھا کہ مملکت کا طوفان شاہ صاحب کے اندر ظالم غیر بدستور تھا، خیال آتا ہے کہ کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے، اسی کی مناسبت سے، ان کا دھڑکیا ہو گیا، وہ کسی مسئلہ کی طرف متقل ہو گیا، تو عموماً فرماتے تھے: مجھے دفاع ہو گیا اس مسئلہ کی طرف، ان دنوں مسائل میں صرف، دعو، مسانی، میان، بدینہ وغیرہ فنون نمک کے مسائل شریک تھے۔

عزیمت سے قلعن رکھنے والے ان علوم سے شاہ صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی، ان علوم کی اعلیٰ بنیاد کی کہ ان کا غیر معمولی فکر و نظر کے ساتھ انھوں نے مطالعہ کیا تھا، میرا خیال ہے کہ انہوں نے اور شہنشاہی کے ساتھ مدارس کے عام مولویوں کا جو تعلق ہو سکتا ہے، یہی تعلق شاہ صاحب کو سیوریہ کی الکتاب سے تھا، ان جعفری رحم کے کچھ نوٹ اور کچھ جوائی سیوریہ کی کتاب پر ہیں، اس نام کو بھی پہلی دفعہ ان کا کہنے شاہ صاحب کے لئے سنا تھا اور کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد میری مولوی کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں نہ آئے۔ دوسروں کی کیا کہیں، سیوریہ کی الکتاب کے مطبوعہ لکھنے پر میری نظر توجہ پڑی ہے، شاہ ما وادھر ہے کچھ اس کو دیکھا اور پڑھا بھی ہوگا، لیکن ابن جعفر کے کے حاشیہ کے دیکھنے کا بھی شوق، قابل تہذیب، مسانی و دیان و بدینہ کے مسائل میں الجھنا کی دلائل، اعجاز، اسرار، بلاغت، یا دغشیری کی تفصیل کے سوا اقتضائی وغیرہ مصنفوں کی کتابوں کا حال دیتے ہوئے شاہ صاحب کو بغیر نہ بھی نہیں دیکھا، مولانا

میں وہ ان ہیام کی قبر پر گویا جانا تھے، نقد میں ابو بکر کاسانی صاحب بدائع، شمس الاکثر سرگزی، اور ابن خیم صاحب بحار اللہ سے ان کو بہت متاثر ہوا تھا، شاہی کے نقد پر ایسا صلوم ہوتا تھا کہ چنانچہ ہر مہینہ فرماتے تھے صاحب ہمارے کہ بڑے علمائے تھے، عموماً فرماتے کہ ابن ہیام کی فتح القدر بڑی کتاب ہے کارا وادھا ہوں تو کر سکتا ہوں لیکن بدایہی کی کتاب کے لئے اپنے آپ کو قطعاً عاجز مانا ہوں۔

اشعار کا خزائنہ | ان کی ایک عادت تھی کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے، یا کسی اور ضرورت سے عربی فقرے استعمال کرتا چاہتے تو گوشہ ہات کے لئے ایک شعر یا ایک شعر کی کافی ہوتا، لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا، ایک شعر کے لئے بیس بیس نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار کی فطرت کو مسلسل منادے ملے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ اس وقت بہت اہل علم کی حیثیت ٹھیک ان محضوں کی ہوتی تھی جن کے سامنے بچانے والے تین یا چوبیس یا پچیس ہوں، اور غیر پچیس ایک ملک اس کو دیکھ دیکھ پوچھ دوسروں کے متعلق تو نہ تھے کہنے کا حق نہیں، لیکن بغیر کی حیثیت تو اس وقت انھیں کے "بڑے ہی کی ہوتی تھی اپنی رافت اور کچھ کے مطابق، جب کہ عمر کم کر چکا ہوں شاہ صاحب کی تقریروں کو میں مسلسل نوٹ کرتا چلا جاتا تھا، لیکن آتش و خمر کا جذبہ شاہ صاحب پر طاری ہوتا تو میرے علم اور انجیوں کو آرام کرنے کا قدرتی موقع مل جاتا، اسی لئے میری مرتبہ تقریر شاہ صاحب کے ان سنائے ہوئے اشعار سے خالی تھی شاید چند ضروری صورتوں یا شعر شکل ہی سے اس سلسلہ میں علم بند ہوئے ہوں، میرا اندازہ تھا کہ عمری طور پر نصرت لاکھ یعنی پانچ سو یا س ہزار سے کہ تعداد ان عربی اشعار کی نہ ہوگی، جو شاہ صاحب کو زبان یا دتے، پچیس جس وقت ابھی چاہتا وہ سنا لیتے تھے۔

کیفیتِ باطنی کی جھلک | فارسی ادب کا ذائقہ بھی کافی رکھتے تھے، کبھی کبھی درسی فقہروں میں فارسی کے

مذہب انشاء کو ترک نہ کرے خاص لیے میں استعمال فرماتے۔

کار نعلت تست شکست افشانی اعاضا حال

مصلحت دہانتے برآہوئے چین بست اند (۱)

شک افشانی کو ن قوتیری زلفوں کا کام ہے مگر عاشقوں نے کسی مصلحت سے اس کی بہت چین کے بہن پر رکھ دی ہے۔

جب قوتیری کیفیت کا ظہر ہو تو مسکرا کر حافظ کا شعر دہراتے دیا انھیں کے ان تہو شعر سے

مصلحت نیست کہ از پردہ دروں اندر آد

درد در مجلس ز دل خبر سے نیست کہ نیست

مصلحت نہیں ہے کہ را ز پردہ سے پردہ اٹھے، درد زندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں ہے جو نہ ہو

کہ فی اندازہ متنا سے سسلتے تھے۔

فرماتے کہی ہاں یہ سب بڑے بیان کی کاروائی ہے، اس وقت ایکٹ خالی تھی کہ سرستی، ان کے چین باریک کے اسیار میں پچکے تھے یہی وقت ہوتا چہا بڑا کھولے چھایا اور زورہ نکال کر ان کے ساتھ استعمال فرماتے۔

اپنے باطنی حال کے افشاء میں ان کی کوشش حد سے گزری ہوئی تھی، کھلے کا

(۱) تقدیر تدبیر کے فرق کو بتاتے ہوئے عموماً اس شعر کو ضرور دہراتے، فرماتے تھے کہ تیرے بانی کا فیصلہ تو بڑے صاحب نے پہلے ہی کر لیا تھا لیکن فیصلہ کا ظہر اس شکل میں ہوا کہ آدم سے فیصلہ ہوا ہوئی اور زمین پر جانے کا حکم دیا گیا کہتے ہیں کہ خلاف کا فیصلہ پہی تقدیر کی مثال ہے اور جس شکل میں اس فیصلہ کا ظہر ہوا، اسی کو تدبیر کہتے ہیں۔

*

مقد افشاء نہیں پیش آجاتا، تو اس وقت خلافت اور طبیعت کا بھر اختیار فرماتے نظر پر عام مجلسوں اور صحبتوں میں، ان پر سکینت و وقار کی خاموشی طاری رہتی لیکن حلقہ درگاہ طیبہ میں کچھ جلی دھان ان کا نمایاں ہوجانا، اس وقت انکی زبان باریک پر خصوصاً زمانہ انداز میں بڑے پرکیت فقرے جاری ہوتے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کرتے کہی ہاں افلاک کی بے مدد ہاں بھی کافی وسیع ہے بڑے صاحب کے یہاں بھی اس کا تاثر نہیں چھوگا پھر شانہ ان حدیثوں کو ذکر فرماتے، جن میں ایک بے گرفتار کے دن بعض بنگاروں کے ساتھ یہاں طرک کیا جائے گا کہ انھیں سے ان کے گناہوں کا اعتراف کر کے حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے علم ہوگا کہ وہ ہر گناہ میں اس کا اعتراف کیا ہے، اس کے مقابلے میں اسے نیکی کا اجر دیا جائے، اقرار کر لیا اگر اس حکم کو سن کر خوشیوں سے بچے گا کہ غمزدہ ہو سکے گا جن کی فہرست قہرمت طویل ہے، جب ہر گناہ کے بدلے میں نیکی کا اجر ملے گا، تو ان گناہوں کو بھی گن لو۔ (اداکا قائل)

صحیح مسلم کی ایک مشہور حدیث میں جنت کے داخل ہونے والے سے کہتے ہیں کہ آدمی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم سے نکلنے کے بعد اپنے سامنے ایک درخت کو پائے گا جہنم کی آگ لے لے اللہ اس وقت کی چھاؤں کے نیچے پناہ لینے کی اجازت دے گا، جہنم تو فی سہانہ اس سے اقرار کرے گا کہ اس سے زیادہ وہ اپنے ظالم کو گئے نہیں بھلائے گا، قسم کھا کر وہ اقرار کرے گا کہ اس زیادہ میں بھی اور کچھ نہ چاہوں گا، اجازت دے دی جائیگی، یوں ہی ایک درخت کے بعد اس سے زیادہ گناہ اور بہتر درخت اس کے سامنے آئے گا، اور اپنے سارے کو توڑ کر اس کے نیچے جانے کی اجازت چاہے گا، تا کہ ایک باک خرد ہو سکے کہ جنت گئے دروازے پر پہنچ کر جنت میں داخل ہو جانے کی اجازت چاہے گا۔ اس وقت حق تعالیٰ سبحانہ اس سے فرمایا گئے کہ مایہ و مینا منک، تجھ سے میرا بھی ان کو گن چیسے

چھڑا گئی، ایک فرشتہ کے بعد اس سے بہتر فرشتہ کو تاج پہلا دیا گیا اور
اسی کے ساتھ ارشاد ہوا۔

"کیا تو اس پر راضی ہو جائے گا کہ تجھے ساری دنیا اور اس دنیا کے مانند
دوسری دنیا دیدی جائے؟"

جب وہ غریب گنگا درجن کے گھر کا بازو آفتاب کی روشنی و آفت
رو بہ الفالین آپ گھر سے مذاق کرتے ہیں، حالانکہ آپ سارے جہانوں کے ملک
ہیں۔

حدیث کے مادی صحابی، ابن مسعود جب اس روایت کو بیان کرتے تو کہتے
تھے، اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی اسی حدیث شریف کو
بیان کرتے ہوئے کہتے تھے جب آپ نے کسی کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
اپنے اس بندے سے یہ سن کر کہ سارے جہانوں کے مالک ہو کر کچھ غریب سے
مذاق کرتے ہیں، گنگا درجن کے اس خقبے پر اللہ تعالیٰ کو ملے گی، اور اس کے
بعد اس غریب بندے سے ارم الراحمین فرمائی گئے کہ میرے بندے میں تجھ سے مذاق
نہیں کرنا لیکن جو میرے جہاں میں آتا ہے وہ کرتا ہوں۔

اس حدیث پر یہ سوچنے کے بعد شاہ صاحب کے جذبات چھاننے کے باوجود
چھلک کر ناسر آجاتے تھے اور اس قسم کی عام حدیثوں کو "مظاہرات" میں شریک
فرما کر آگے بڑھ جاتے تھے۔

اسی سلسلہ میں بھی ابن رضی عنہ مندرجہ مذکور طریق کی طوطی غلط ہو کر
فرماتے کہ تم کہتے ہو کہ میں کوئی بڑا کام کر رہا ہوں حالانکہ جانتے ہو میری حقیقت
وہی ہے، جو دوسرے مین خاں کی ہے

۱۱) درر کے ایک باب میں ان چارہ ظالم، مین خاں تھے۔ (باقی ماثربہ ص ۱۰۷)

مین خاں کی جگہ بیٹے ہیں، اور میں بھی مین خاں ہوں، تو میں دانا ہیست ہوں، اس سے
زیادہ اور کچھ نہیں

دل کی حیرت، اس موقع پر خاں آتا ہے کہ بسا اوقات ان کی زبان
مبارک سے فقیران الفاظ نکلتا کرتا تھا، فرماتے کہ

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، ہوں دو دنیا یاں کشمیری چاہئے کی، دو
بلکٹ، ایک تیرہ، ایک گھڑا" (۱)

نظارہ پر طلب مولانا کا یہ بھانسا کہ اسی اور مین خاں کی ایک مومن مسلم کی یہ ہے کہ بیان
جہاں میں اپنا وقت صرف کرے، ان کے دل کی بھی حیرت تھی جسے حیرت تھی، اس کے
مقابلے میں درکن و تدریس تعلیم کے جذبات کی ان کی نظروں میں کوئی قدر و
قیمت نہ تھی لیکن جیسے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ اپنے مین

دوست گزشتہ کا تعلق اور سید کے اعلیٰ طوطی دعا دے کے پاس ایک جھوٹے برقعہ میں
مولانا کے قریبی کھانوں کے لئے بھی جو تاج پساتے تھے، معلوم نہیں کہ ان کا استعمال
کب ہوا شاہ صاحب درج میں ان کا اکثر تذکرہ اس سلسلہ میں آتا رہا تھا

۱۱) مشروبات میں ایک ایک طرحی مشروب ان کا تھا۔ قور کے کی حیرت کی جگہ میں
لیکھ ثنائی صحت کے اس کرنے کے مقابلے میں جس میں شاہ صاحب اور شیخ الہند درجی حدیث
دیتے تھے، ایک کمرہ، کافی دین، دھوئیں و طویل، میرے نقطہ میں شاہ صاحب کی کیا نگاہ
ہو کر تھا۔ اس کے ایک گھر میں روپے کے چوٹے پریشی چلنے کی دھجی پڑھی رہی تھی،
دو دو مل چاہتے کہ جو اس کا رنگ لگائی ہو جاتا تھا جب بھی حاضر ہوتا، اس کی کو گرم
ہی پاتا، اس سلسلہ کے مستفادہ کا موقع بھی اس نے کو بھی میرا جانا تھا میرا چلنے
کے مولانا درج میں صاحب تھے، شاہ صاحب کی مخلصانہ خدمت کی سعادت تو مولانا کا سیر
کئی فینٹازم حیرت انگیز۔

تعلقات کو کشمکش کر کے چھانے کے مادی تھے، اسی طرح وہ اپنے دل کی اس آرزو کے حصول کے لیے چوڑی تقریروں کے مرتبہ مزاجی کنایوں اور اشاروں میں کبھی کبھی کچھ نہ کر

بہم نگرستیم و گرستیم و گدہ سختیم
کے نفسیاتی اثر کے ساتھ گزر جاتے۔

دورہ حدیث کے اختتامی کلمات | دورہ اختتام کی حدیث پڑھنا، قرآن اس وقت اپنے خاص انداز میں پڑھنے کے لیے یاد رکھیں ہرگز اس مرحلے کے نور کو قبول نہ کریں جسے ہر ارد گرد میں۔ دورہ سے نہیں ملے دیکھنا ہوں کہ بلند ہوں پر چڑھ کر بارشوں کو چڑھ کر اترنے کے کون بگ دیتا ہے، کس کی آواز کتنی اونچی ہوتی ہے، اس قسم کے لطیفوں میں، وہ سب کچھ یاد کرتے تھے اور کہنا جاتے تھے۔

زندگی کا نصب العین | خاکسار کو شاہ صاحب کے طرز و سلیقہ کی سادگی میں دونوں مائل ہوئی تھی، اس وقت

تک ازدواجی تعلقات سے آزاد تھے، عجمی ان کی اس زندگی میں مشکل پائیں اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس زمانے میں ستر سال کی غیر معمولی کوششوں کا ان کے یہی رنگ تھا لیکن پچھلے دنوں جب خاکسار حیدر آباد سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں شریک ہونے کے لئے آیا کرتا تھا، تو ایک دن دیکھا کہ شاہ صاحب

کے سیاہ بال سفید ہو چکے ہیں، ایک دفعہ خیال آتا ہے کہ دورہ ختم ہو چکا تھا۔ صبر کی ممانعت کے بعد طلباء کو وہ ادبی خطا سے سرفراز کرنے کے لئے بکھرے ہوئے تھے، تو اب ان کا رنگ بھی دوسرا تھا۔ رسالتِ مصلیٰ اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر وہ اپنے آسمانوں کو سنبھالنے کی قدرت کو محسوس کرتے تھے، ذکرِ مبارک آتا تو آواز بھر جاتی اور خاص حال میں طلبہ سے کہتے !

”جاؤ ان ہی کے دین کی خدمت کو زندگی کا نصب العین بنالینا“

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَ أَيْدِيهِمْ وَلَا يُحِيطُ بِشَيْءٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

درس انوری کی ایک اور خصوصیت | حضرت شاہ صاحب کے طرز و سلیقہ کی

ایک خصوصیت کا خیال ہی نہ آیا۔ حالانکہ درس انوری کا وہ لازمی جز تھا۔ شدتِ ظہور کہتے ہیں کہ جمعہ نماز کا سبب بن جاتی ہے، جسے سب زیادہ یاد رہنا چاہیے وہی یاد نہ آیا، آخر قصہ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے، اور دیکھ لے لو ان کا شاہد اس باب میں کیا ہے؟ لیکن میں نے تو یہی دیکھا کہ صحیح مسلم کا درس ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ روزانہ ہوا کرتا تھا۔ اور پورا وقت علمی مباحث و مسائل ہی کی شرح و تفسیر و تطبیق و ترجیح میں صرف ہوتا تھا، نہیں کہہ سکتا کہ اپنی اور طلباء کی طبیعت کے طلال و نیکان کا خیال کر کے یہ طرز عمل شاہ صاحب نے اختیار کر رکھا تھا، بافطرت میں ان کی خلافت و مزاج کا جو فطری جذبہ تھا، یہ شیعہ تھا یا اسکا انتہا تھا، یہی بود کہ پہلے دن سے دیکھنا شروع کیا کہ کہا جاتا ہے ایک ریتھ درس، جگہ نام مولوی محمد عینی تھا

شاہ بھونامی قصبہ کے رہنے والے تھے، بیچارے بڑے تئیں اور سنجیدہ اور نیک آدمی مسلم ہوتے تھے، شدتِ نیک کی وجہ سے تئیں ان کا علم کے ساتھ بھی کچھ نیک ہی نیک سا تھا، شاہ صاحب کے قتل، دستِ چپ کی طرف شروع ہی سے انھوں نے اپنی جگہ بنالیا تھی، وقت پر ٹھیک اپنی مقررہ جگہ پر اکڑ بیٹھ جاتے، شاید کسی دوستِ خطاب علم کی بہت تھی نہ ہوتی تھی کہ ان کی نگاہ پر توجہ کرے، ہوتا یہ تھا کہ کسی بلند و بالا سلسلہ پر شاہ صاحب کے مصلوات کا بجز زخار موصیوں

از ہوا چلا جاتا ہے، حافظہ الدنیا، شیخ ابن ہمام، مجلس الائمہ سحری، ابن قیم کا ذکر ہو رہا ہے کہ ایسا شاہ صاحب مولوی محمد عینی کی جانب سے نہ ہوا میں خطاب

ہو جاتے ، اور ان کی طوالت خطاب کر کے کچھ نہ رہتا ہے ، صحیح الفاظ تو اس وقت یاد نہ رہے ، اور الفاظ کی وسعت ایک سچا کب کئی ، تاہم حاصل یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان کیا گیا گو یا مولوی محمد علی صاحب سے اس کی تصدیق لیا جاتی تھی ، یہاں ہے مولوی محمد علی صاحب نے فراموش کر لیا ہے ، مگر اصل اس وقت سکاہٹ ہی مکرر تھا ۔ اور تبسم ہی تبسم کہنا جاتا تھا ۔ یاں مولوی محمد علی صاحب قواب آپ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے ؟ یہاں قریب قریب اسی کے عنوان سے سوال کیا جاتا ۔ بظاہر مولوی محمد علی صاحب کے دعوے استرواح اور زائر کمال و کمال کا کام لیا جاتا تھا ۔ شاید ہی کوئی دن لام درس کے طویل حد میں ، ایسا گزرا ہو ، جس میں دونوں کے اپنے لفظ و اشارے کا یہ موقعہ اول یا آخر یا وسط میں نہ مل آتا ہو ، علوم نہیں جہاں سے یہ رفیقہ درس آج کل کہاں ہیں ؟ کس مسئلہ میں ہیں ؟ اسی دنیا میں ہیں ، یا اپنے محبوب استاد اور مصلحت طلبوں کے ساتھ لافچہ ہو گئے ، اگر اسی دنیا میں موجود ہیں تو ان سے معافی کا خواستگار ہوں ، رو بہ انوری کی اس خصوصیت سے سکوت پر دل زامنی نہ ہوا ۔

اللہ اعلم بحقیقہ عبادک العزاکر مام

*

باب

شاہ صاحب اور علوم قرآنی

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ، اسلامی علوم و فنون کے دائرے کا شاید ہی کوئی علم و فن ہوگا جس سے شاہ صاحب کو کچھ نہ ملے ، اور ہر ایک علم و فن کے اصولی مسائل کے استقلا وہ خاص نظر سے نہ رکھتے ہوں ، بلکہ عہد حاضر کے جدید کار آمد علوم کے صحیح معلومات بھی کافایتی ذخیرہ ان کے پاس موجود تھا ، خصوصاً ہیئت و اشارت و کئی ، کہ جدید نام نہنوں کا انھوں نے تفصیلی مطالعہ کیا تھا ، انگریزی زبان سے تو بات کرتے تھے ، کبھی کبھی انگریزوں کے درجہ میں ، ابتداً جیسا کہ مجھے خیال آتا ہے ، غلط تھے کہ کثیر کے کسی عصری اسکول میں کچھ دن شریک بننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا ، فرماتے کہ انگریز زبان کے دو لفظاں ایک (Pig) اور دو سلا (Fish) ہیں دو لفظاں تھے یاد رہ گئے ہیں لیکن باہر اسلامی عبادت کے استقلا کچھ دلوں سے یہ فلاسوفی نکالنے کا روانہ جو چیل پڑا ہے ، و ضوابط و تشابہ ہے ، اور روز نشہ سانی کا فائدہ حفا کے قیام و تصور سے حاصل ہوتا ہے اس قبل مصالح و حکم ان شرعی امور کے جو بیان کئے جاتے ہیں ، شاہ صاحب ان کی تفسیر نہایت سے کرتے تھے ، اور فرماتے تھے کہ اگر اب قانون و فقہ کی نظر محنت پر نہیں بلکہ حکم کی علت پر ہوتی ہے ، مثلاً ایجنے کہ سفر میں روزے کا اخیر

کی حکمت تو یہ ہے کہ شفقت سے بچانا مقصود ہے، لیکن سفر میں تاخیر حرم کی بدلت
 نہیں ہے، اسی لئے ایسا سفر سے سفر میں روزہ رکھنے کی ہولت ہی کیوں نہیں
 ہو۔ وہ تاخیر حرم کے اس قانون سے مستفید ہو سکتا ہے۔ قانون کا فیصلہ یہی ہوگا
 بہر حال شرع کے مطلق حکمت اور اس کے اس مذاق کی شاہ صاحب جلیل القدر استوائی
 فرماتے تھے، اس سلسلہ میں عوام حضرت نگہبوری کی طرف منسوب کر کے سنایا کرتے
 تھے کہ کسی نے تشہد میں انگلیوں کے اٹھانے کی حکمت یا حکمت آپس دریافت
 کی، تو سوال کو بے پروائی سے سنتے ہوئے شاید یہ فرمایا کہ ان باتوں میں کیا
 رکھنا ہے، جی میں آنے تو یہ کہہ دیا جاسکتا ہے، انہی تشہد کی اٹھا کر اقرار توحید کیا
 گیا، اور دوسری انگلیوں کو بند کرنے کا یہ طلبہ لیا جانے کہ اسی توحید کے
 ساتھ اپنے دل کے اعتقاد کو نمازی والہ کرتے رہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز روزہ کے فلسفہ سے شاہ صاحب کو کوئی دلچسپی نہ تھی، اور
 جیسے کہتے ہیں کہ سورج حرام ہے تو اپنی نجاست کی وجہ سے ہے۔ اور آدمی کا گوشت
 بھی حرام ہی ہے، لیکن کرامت کی وجہ سے۔

اسی طرح شاہ صاحب کتابوں میں اگر کسی کتاب سے مرعوب اور حد سے
 زیادہ مرعوب تھے تو وہ انہی کتاب، وقرآن بھی مستثنیٰ آیات کی تشریح
 و تفسیر میں آج بھی بے جا جاساتوں کا شاہد ہم کو رہے ہیں، اسکو دیکھ کر اب
 سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن اور قرآنیات کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے
 سکوت کا راز کیا تھا، سمجھ بھی اس باب میں کچھ نہ سبھی تو سرنا کر لیکن نسائی
 حقیقت مندوں نے جو شہور کر رکھا ہے کہ دین اور دنیا کا کوئی تعلیمی جزئی مسئلہ ایسا
 نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو، یا قرآن سے نکالا نہ جاسکتا ہو، اس خیال
 کی نشاندہ سے تردید فرماتے تھے، فرماتے کہ کسی طرح غیبی کا شریعہ ہے۔

جميع العلم في القرآن فسين

تفصوفا، افهام الرجال

یعنی سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن گوگوں کی کچھ اس کو پانے سے
 قاصر ہے، گویا قرآن کو کبھی کسی غلط خیال کی تردید کب محدود رکھتے ہیں لیکن یہ
 سوال کبھی قرآن میں کیا ہے؟ یا اس کی بحث کا حقیقی موضوع کیا ہے؟ کہ اگر کوئی
 اس باب میں ان کا کوئی نام خیال مسلم نہ ہو سکا، لیکن غائی محنتوں میں ڈالتے
 ڈالتے پھرنے والے اندھ اس پہلو کے تسلسل کے دریافت بھی کرنا یا نہیں کچھ تو ان کے
 علم و ترقی اور شفقت سے غیر معمولی مرغوبیت کی وجہ سے اپنی دی بات کو واضح
 فہموں میں پیش نہ کر سکا، اور انھوں نے میرے اس سوال کو جس توجہ سے چاہیے
 تھا سنا بھی نہیں، بعد کوشکلات القرآن کے نام سے ان کے بعض ارشد تلامذہ نے
 ایک مجموعہ عشاء بھی کیا ہے، لیکن میرا اس اس کے بعد بھی یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر
 حلق اور دلال، ان کو اس کتاب کی طرف اس طریق سے متوجہ ہونے کی اجازت
 ہی نہیں دیتا تھا، جیسے وہ انہوں کی بنائی ہوئی کتابوں کا مطالعہ فرمایا کرتے
 تھے۔

بہر حال سیدنا الامام اکثری سے براہ راست قرآن پڑھنے کا موقع تو مجھے نہ
 مل سکا، لیکن حدیث ہی کے درس میں، جہاں دوسرے علوم و فنون کے مسائل
 کی طرف شاہ صاحب کا ذہن منتقل ہوتا رہتا تھا، اور اپنے اس ذہنی انتقال کا حشر
 والے اپنی خاص اصطلاح میں ”دفاع“ نام رکھ لیا تھا، درس کی تقریر کرتے
 ہوئے قاعدہ تھا کہ کج بیج میں فرلے کہ دفاع ہو گیا اس وقت مجھے اصول فقہ
 کے نکلاں کے مکہ کی طرف دیامانی در بیان و بدیع کے نکات کی مطرقت۔

پچھلے تینوں علوم یعنی صحابی بیان، بدیع، جہاں میں عربی زبان کی شریف نظر کے بیان
 اور خوبیوں کے سمجھنے کا سلیقہ عجیب تاحدوں کی مدد سے اس لئے پیدا کرنے کی کوشش
 کی تھی کہ قرآنی تفسیروں کے اعجازی پہلوؤں کی یافت کی صلاحیت طلبہ میں
 نشوونما پائے۔ لیکن پھر حضرت شاہ صاحب کے کم از کم میں نے کسی مولوی کو

ظیل سے ہم ان کو رت سے ہیں ہڑوں پر چلتے ہیں۔ ہوائی جہازوں پر اڑ رہے ہیں۔ پھر کچھ سارے جہاں کی خبریں سننے ہیں۔

عرش کی کرتا تھا کہ قدرت کے کام کا یہ رنگ ہر نظر آ رہا ہے کچھ ہی حال اس قدر کی کلام کا بھی ہے جسے ہم "القرآن" کہتے ہیں ضرورت کی حد تک تو اس کتاب پر ایمان لانے والوں میں ہر ایک اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ اپنی اپنی کتاب کے مطابق اپنا اسباب ہر ایک اس قدر کی کلام سے حاصل کر سکتا ہے، اور اگر باوجود لیکن اس قدر کی کلام کے ساتھ دوسرا تعلق ان لوگوں کا ہے، جو قدر و قدر دولت سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ یہی لوگ قدر کی کلام کے حکماء، دانشمندان، ہیں۔ ان کی انھیں آجوں میں انھیں پڑھنے والے پانچوں وقتوں کی نمازوں میں دہراتے رہتے ہیں۔ اسرار و رموز کا سمندر میں مارتا نہرتا آتا ہے لیکن روایتوں میں قرآن کی خصوصیتوں کو جانتے ہوئے اسی کی شان کا ایک انبار لا متنتہی عجائب وادباجت علی کتبہ المودد اس کے یعنی قرآن کے عجائب و دینی ایسے انکشافات جو لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں آخرت نہ ہوں گے، اور بار بار دہرائے جانے کی وجہ سے یہ کلام بھی پرانا نہ ہوگا، کے الفاظ میں جو کہا گیا ہے۔ سمجھنے والوں کے نزدیک ان الفاظ کا یہی مطلب ہے۔ (۱)

(۱) تعریفیں آج بھی اس قابل پہلے رسالہ انعام میں خاک رے کتابت روانی کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا گیا تھا جس میں قدرت کے کام اور قدرت کے کلام کی اچھی مثالیں ہیں جو عقیدہ کیوں کہ انہیں کوئی کوئی کوشش کی گئی ہے، مگر وہ سارے کی شکل میں ہیں قدر و قدر ان سے ہمیں کوئی کچھ اب بھی نہیں جانتا کہ ان میں یہ رسالہ جاتا ہے۔ غالباً کتبہ القرآن کو جس میں اس کے کچھ نسخے ابھی موجود ہیں، کوئی صاحب دیکھنا چاہیں تو وہ اس سے متواضع ہیں

میں نے حاجت کی ترس اتفاق سے ہماری شریعت کی اہل کی شریعتیں ہیں قرآن کے علی صورت شاخ کجاس نقطہ نظر کا بھی دیکھا کہ ذکر کر دیا گیا ہے، جانتے تو سمجھتے حضرت شاہ صاحب کے قصد کر ان الفاظ میں ادا کیا ہے یعنی فرماتے ہیں۔

لیس معنی قولنا سانی ولقد حق قائل کے ارشاد و قدیرنا القرآن لیرونا العشرات الخ، یعنی ہم نے قرآن کو اسان کر دیا، کا ان کہہ، بحصل نکل من جبل مطلب یہ ہے ہر کچھ ہر کی رسائی وقل بل معنی یسرہ احسنہ قرآن کے اور دیکھ اسان کی کئی یقیناً منہ کل غلیل یشتقی ہے، بلکہ اس آسانی سے ہر کچھ کو منہ کل غلیل یقیناً ہی منہ ہر کچھ کو منہ کیا گیا اس سرچشمہ کل بعد الی ما یرضی دیکھ و پانی کی سکتا ہے، اور ہر کچھ اسان کو الی ما یحفظ عند ولا یحتاج ابھی خفا حاصل کر سکتا ہے۔ یعنی جن فی ذالک الی کیو تفسیر و باقرے سے اللہ خوش ہوتے ہیں، اور تفکیر اسامعینہ الغاصدہ جن باقرے کو تیار کر سکتے ہیں، ان کو خفا یا ع الرافقہ و درامید وہاں سکتا ہے اس کیلئے سرچشمہ کا ذکر الساعیة نقد، انقصت ظهور سرچشمہ کی ضرورت نہیں، باقی فقرہ الخ لای عن اودا کہا و عجبت الی کچھ سے سانی، اس کے عین و شارب الی کذا عن الطواف حول پہلوں اور جن واد و صحت ان کی حرمیہ۔ نہیں البانی میٹ

شاید ہی اس کتاب میں ہی کی گئی ہے، تو ان کی بات کچھ اسان نہیں ہے موانی راہ کی نہیں، اس نے قو دی، اور ان لطافت و رموز کے مطالعہ پر پورا، ان کے گہر پر کاشا، اس نے بڑے بڑے سمجھنے والوں کو کھٹکا مارا ہے۔

کیا قرآن میں سب کچھ ہے

اسی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب
وفاؤ متا طلبہ کو اس پر بھی متنبہ فرماتے
تھے کہ قرآن کے نادان دوستوں میں یہ عامیہ خوش اعتقاد ہی جو پھیلی ہوئی ہے کہ
قرآن میں سب کچھ ہے، گویا کچھ ریگجیا لیا ہے و نہ خدا سب کچھ جو کچھ جانتا ہے، اس
لئے چاہیے کہ اس کتاب میں سب کچھ ہو۔

وَلَا تَطْلُبْ وَلَا يَأْتِيَنَّكَ إِلَّا فِي

کتابتین۔

یہ بات کسی مہتمم دہم فہم آیتوں کو تائید میں نہیں کر دیتا ہے، اس میں شک
نہیں کہ اہل علم کے سیدہ لطافت میں اس قسم کی خوش اعتقادوں کی بھی بہت افزائی
ہوئی ہے لیکن کھلے کھلے انسانی اس حایا دہ اس کا انار شاہ صاحب کے
حلقہ درس میں بار بار مختلف ہزاروں سے جس دور و قوت کے ساتھ کیا جاتا تھا،
اس کے تاثرات اب تک اپنے اندر رہا ہوں۔ ان ہی کی زبان مبارک سے غالباً
پہلی مرتبہ یہی شعر سننا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی کاشعریہ سے

جميع الصلوة في القرآن لكن تقاصر عنه انهم الرجال

یعنی سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی سمجھ ان کے پاس سے
کو تھوہ کر رہ گئی ہے جس قدر کہ یہ کہ اپنے معلومات کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کو
خراٹے نازل کیا ہے، اگر یہ مانا جائے، تو ساری کائنات بھی کاغذ کی شکل کو اختیار
کر لیتی جو جسے خدائی معلومات کے لئے وہ قطعاً کافی ذہرتے، میں تو کہتا ہوں
کہ غریب جاہل آدمی اپنے معلومات کو تقلید کرنا چاہے، تو ان کے لئے معلومات
کی ضرورت ہوگی، پھر خدائی معلومات تو خدائی معلومات ہیں، اور معلومات کا اظہار
مقصود اگر نہیں ہے، بلکہ نسل انسانی اپنے صحیح انجام تک علم و عمل کے جس نظام کی
پابندی کر کے پہنچ سکتی ہے۔ قطعاً نظام کے بنیادی کلمات آوازہ کرنے کیلئے قرآن

نازل ہوا ہے، اور یہی اس کتاب کی بحث کا اساسی وجہ رہی موضوع ہے بھی، تو
قرآن کے سوا قرآن میں خلافت از موضوع معلومات کا تلاش کرنا، و درمیان تلاش
کرنیوالوں کی جنابت و ولادت ہی کی دلیل ہے، بلکہ قرآن کے نازل کرنے والے
کی طرقت ایک ایسے نقش کو ضرب کرنے کی حیرات ہوئی جیسے برہنات عقل پرورش
کوئی صاحب تیز و مداد ہی بھی ایسی کسی تعصیف کے متعلق شاید یہ برداشت نہیں
کر سکتا، آخر خطبہ کسی کتاب میں خوب وقت کے فقہی مسائل، یا مخرج وقایہ میں
اتر اور دلائل کے کلام کے تنقیدی مضامین کو جو ٹھوٹھٹھے گا، اس کے جنون میں
کیا کوئی شہرہ کر سکتا ہے۔

یاد آئے کہ کد کو روایا اشعر کو شاہ صاحب اکثر دہراتے، کبھی تو کہنے والے کو
موت جی ہی کہتے پر اکٹھا کرتے، اور جب زیادہ دلال آتا تو کہتے کہ کس فی الاغیا
لا یضربہ سے

دافوس ہوتا ہے کہ انہی قصوں تک بات محدود رہتی تو غنیمت تھا، صاحب
فرما لا ازار لاجون ولا لایکملہ نے جو ملا و ہند میں واقعی غریبوں کی فضل و کمال کے احوال
ہیں، اپنے متعوان شباب میں قرآن کی ایک مختصری تفسیر لکھی ہے، وہ تفسیرات احمدیہ
کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح لاصاحب کی یہ کتاب واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس
شاعرانہ مستقبل کی دلیل ہے جس کا شاہدہ لید کو کو گولے کیا، لیکن پھر بھی لکھری
کو جو جسے تفسیر کے دیباچہ میں ان کے قلم پر یہ فقرہ نقل کیا ہے، فہما من شہی الا
ہمکن اشتغلا جہا من القرآن، کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا نکلنا قرآن سے
مکن نہ ہو، اسی سلسلے میں شالائے میں کو بعضوں نے قرآن سے علم ہیئت، ہندسہ
اور نجوم کے مسائل نکلے ہیں، ملاحظہ اس قول پر بھی کہ کوئی مولوی جن کا نام
المولوی رحمت بخش بتایا گیا ہے، اور لوح کتاب میں ان کے نام کے ساتھ آریں کتاب
الحد کے الفاظ بھی لکھے ہوئے ہیں، ان مولوی رحمت بخش صاحب حاشیہ میں یہ اس فقرہ

ہے کہ ہندسہ علم حدیث، نجوم ہی نہیں، قرآن سے توجہ و مقابلہ ہجرات، صلوات
نسیخ و خیر یعنی سورت بنائے تاکہ جتنے، غلات، زراعت، صناعت و زندگی
جائی وغیرہ کو ان کے کمال تک لائے میں کامیابی حاصل کی ہے، مرقی کے دلائل میں
جہاں آیتوں کی یہ لوگ تلاوت کرتے ہیں، تو ہی لطیفہ جاہل پر کیا آجاتا ہے، پیر
صاحب نے مزیدوں کو یاد رکھا ہے کہ قرآن میں سب کچھ ہے، اتنے میں کسی نے
اگر دریافت کیا کہ ایک شخص مر گیا ہے، دو سکے رشتہ داروں کے ساتھ ماں بھی اس
نے پھر پوچھی ہے پھر اس کا ذکر کس کو کیا جائے، پیر صاحب نے فرمایا کہ سورہ
تبت یا ائی کہتے ہیں پوچھی ہے، اس میں توصات لکھا ہے کہ "ما کتب" یعنی
سب کچھ ماں کا ہے، حاشا دو اللہ حق قدرہ کے سوال ایسے موقوف پر اور کیا
پڑھا جائے۔

تفسیر امجد کے دوا میں ہی خلاصہ لکھا ہے کہ طالع طعی سے غارت
بھی نہیں ہوتے تھے، اور انہی کو تیس سال سے مجاہد نہیں ہوئی تھی، عالمگیری کے
ایام حکومت میں تفسیر لکھی گئی ہے، دیکھو ص ۱۰ مطبوعہ مطبعہ کربلائی و لاہور
و غیرہ کی آیتوں کا مطلب ہی ہے کہ اسے خالی موقوف ہجرت کے لحاظ سے قرآن
میں کوئی بات بھرت نہیں تھی ہے، نیز لکھا کہ سب سے سزا قرآن ہی ہو چکی ہے
لکھنؤ وغیرہ کے منتہی پر لکھا جائے کہ جیسے تو قرآن کی دعا کی آندھی، جیسے کہ کھان
جائی جاتی تھی، اس میں کل کا لفظ ابھر ہے کہ مطلقوں کے موجب کلام کا دور نہیں ہے،
جس میں ہر شے داخل ہو، بلکہ جسے جانے کی صلاحیت ہیں جیروں میں بھی انکو آندھی
پر یاد کر رہی تھی۔

قرآنی تعبیروں کے متعلق ایک علامہ محترم | بلکہ اس باب میں قرآن
کے بار بیان اور

طریقہ تعبیر کے ایک خاص پہلو کی طرف بھی شاہ صاحب اشارہ فرمایا کرتے تھے، اس کو

اگر کچھ لیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں کاغذ خود ازالہ ہو جاتا ہے اور یہ سب لکھنی
انھوں سے نجات مل جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں مثلاً مذکور آیا ہے کہ
کیا تم اڑتے کو نہیں دیکھتے، یا آسمانوں میں اڑتے کو یا پہاڑوں کو نہیں دیکھتے، اللہ
دیکھنا نظر دہر، ایک انسانی فعل ہے جس کو قرآن عموماً گرد و پیش کی طرف منسوب
کرتا ہے، اب کوئی کہنے لگے کہ اگر وہ حقیقت رنگ کو دیکھتا ہے، رنگ کو بھی
نہیں، بلکہ روشنی سے حقیقی شے کو آدھی کی قوت مینائی کا قائم ہوتا ہے، اور روشنی کے
توسلے رنگوں دہرے دے، سبز و فیروز کو دیکھتا ہے، لیکن جو چیز در روشنی ہے، نہ
رنگ اس کے ساتھ مینائی کا شے نہیں پیدا نہیں ہو سکتا، مینائی کی گرفت میں ہوا،
مثلاً آبی نے تو نہیں آبی کو دھوئے رنگ ہے، اسلئے شک نہیں کہ قدیم و جدید و کما
کا مقبول ہے جہاں اس بات کی اس تحقیق کو مینا کر قرآن پر کوئی مشرتا ہو کہ جو
چیزیں در رنگ ہوں، نہ روشنی، ان کی طرف بصر یا نظر یعنی مینائی اور دیکھنے، کو منسوب
کے کہ قرآن نے ایک ایسی بات کہی ہے جو واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر قرآن قرآن پر اعتراض کرے تو اس کے مضبوط چمنے
کی دلیل ہے، شہر میں جاتا ہے کہ اپنے احساسات و قضاوات کی تعبیر کا جو عام طے
انسانوں میں مروج ہے، اسی طریقہ تعبیر کو اختیار کر کے قرآن کا مینا کچھ ناچار اور
قرآن ہی کیا، اور بھی سانس اور دل کے مسائل کا کوئی قطعی اپنی ہوس ہے کہ بیٹھے
کہہ کو اگر میں دیکھوں تو تر پڑاں پڑ جائے۔ اس کے بعد ہوس کے دیکھنے کے بعد
مری کرے کہ میں ہوس کو لب دیکھا ہے۔ میں نے تو صورت اس رنگ کو دیکھا ہے جو
اسکے چہرہ کی کمال پر چڑھا چلے، اور اس لئے کہتا ہے کہ طلاق نہیں پڑی چاہی تو
کے سوا ایسوں کے لئے کوئی اور بھی کہیں جگہ ہو سکتی ہے، اس مثال کو سمجھنے کے بعد
فرمایا کہ قرآن میں اس قسم کی آیتیں جو پائی جاتی ہیں جن میں حرکت اور جاری ہونے
کے تعلق کو آتا ہے، یا متاب کے طرف ضرب کیا گیا ہے مثلاً "و انشأ فی قرآن مستقر لیا۔"

آفتاب اٹھنے کے نامی اور غیر مکی آیتوں میں بھی لکھا ہوا کہ صلیب علیٰ کبریا کی پوجت
 ہے بلکہ یہی جو کہنے مشابہات احسانات کی جو تصویر گوں میں غنادر ہے، اہل
 قیصر اور پیرایہ بیان کو قرآن نے اختیار کیا ہے، جیسے نظر اور دھڑلہ دینا، گو ان ہی
 چیزوں کی طرف قرآن نے مشرکے باب ہے جس کی طرف منسوب کرنا روئے ہے لیکن
 نظر اور بصیرت کی جیسے سمجھا جاتا ہے کہ انہی بنیانی کا حقیقی قتل جس چیزوں سے ہوتا ہے
 اس حقیقت کا انظار اور قرآن کا مستحق نہیں ہے، اسی طرح آفات استجاب کی طرف
 باری ہونے سے قتل کے استجاب کو یہ نتیجہ کرات اور دن کا جو چکر ہمارے سامنے
 ہمارا ہے، اس کی اہل حقیقت کو قرآن واضح کرتا رہا ہے، اس کا مطلب
 تو پھر وہی ہوا کہ اپنی معلومات کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کو حق تعالیٰ نے نازل فرمایا
 لیکن جب معلوم ہو چکا کہ قرآن کے موضوع بحث سے جو باب ہے وہی اس قسم کے بابوں
 میں مبتلا ہو سکتا ہے، تو حادثہ کائنات کی توجہ و تاویل کے قصور کو قرآن میں
 ڈھونڈنا، یا اس سلسلہ میں قرآن کی طرف کی غلط فیصلہ کی جرات خود اپنی عقل کی بھی
 امانت ہے، اور ایسے غریب نفس کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ہے جسے غرض کرنا کہ
 کوئی صحیح عقل کا وہی بھی اپنی تصنیف میں پسند نہیں کر سکتا، دیوانہ ہی ہو گا جو تاریخ
 کی کتاب میں دوامی سخن کا ذکر چھوڑ دے، یا طب کی کتاب میں شہرہ وار یہ تقدیر
 ڈھونڈنے لگے، ہر حال رات اور دن کے الٹ پھرنے کے وہی اسباب ہوا جو پھر بھی
 زمین گھومتی ہو، یا آفتاب چکر ادا ہو، یا آسمان گردش میں ہو، قرآنی مباحث کے
 دائرے سے یہ سوالات خارج ہیں۔

شاہ صاحب ہی فرمایا کرتے تھے کہ اس سلسلہ میں اپنی تصویر کو عام انسانی
 احسانات کے مطابق اگر قرآن کہے نہ دیتا، مثلاً رات دن کے اسی قصہ میں
 اعلان کر دیتا کہ زمین کی گردش کا یہ نتیجہ ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا کہ جب تک
 زمین کی گردش کا مسئلہ نہ ہوتا قرآن پر ایمان لاسنے سے لوگ محروم رہتے، بلکہ

تھے کہ لوگ دن رات ہی کے ایک قصہ میں الجھے ہوئے ہیں لیکن حقیقت کی جستجاء
 میں انسانیت جب دلائل ہوگی السراکر پوشیدہ حقائق، انہی کو اپنی عقلی مشغول
 میں جب سامنے آجائیں گے، تو اس وقت پہلے گا کہ دن اور رات کے الٹ پھرنے
 ہی کی طرف ہی ایک بات نہیں، بلکہ جو کچھ دیکھا جاتا رہا ہے کچھ اور کچھ اجابا رہا
 ہے، انہی میں ہمارے احسانات کا چراغ حقیقی معلوم ہو گا کہ ان کی نوعیت ان حالات
 سے مختلف ہے، جیسے اس وقت ہم رہے ہیں، گو یاربہ العدم من اللہ مالہ کونہ
 جنتیوں کی قرآنی خبر پھر جسے سے نقاب الٹ کر سامنے آجائے گی، تب پہلے کا
 کرم کیا سوچتے تھے، اور کیا کیا ہو رہا ہے۔

اے چھڑنے یعنی قوت لاسکر اور بھیجیوں کو دیکھئے کہ موسم سرما میں ٹوٹا کچھا جاتا ہے کہ کوڑوں کا
 پانی گرم ہو جاتا ہے، اور کتنا گرم کتنا زہ پانی ڈول میں جب نکال لہاتا ہے، تو تھوڑی دیر تک
 اس سے صاف بھی نکلتی رہتی ہے لیکن تحقیق نے ثابت کر دیا کہ گرمی کے پانی کا پھر پھر دور دور
 جگہ کی گرمی میں رہتا ہے، سردیوں کے موسم میں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، البتہ
 پانی کے تھوڑے دانوں کی قوت لاسر سردیوں میں ٹھنڈک سا سفر ہو جاتا ہے، یا تھوڑا سا ٹھنڈا
 ہو جاتا ہے، اس لئے گرمی کے پانی کے دور دورات کے لاسر اس میں فرق پیدا ہو جاتا ہے، اور
 وہی پانی جو گرمی میں ٹھنڈا ہو کر سرد ہوتا ہے، سردیوں کے موسم میں معلوم ہوتا ہے کہ گرمی،
 شدت بڑھوت ٹھنڈک کے فرق ہوتا ہے، کہ جسے بنیاد رات گرمی سردی ہر زمانے میں پانی
 سے اٹھتے رہتے ہیں، ان بنیاد میں نفس کے ٹھنڈے ہونے کی وجہ سے کثافت کی کیفیت پیدا
 ہو جاتی ہے، اور ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے صاف نکل رہی ہو، دیکھا کہ آگ سے دھند
 کیا ہے لیکن اسی واقعہ کے متعلق ہمارے احسانات کی قوت کیا ہے، اس کی میسر نہیں
 آپ کو اس کی کتابوں میں مل سکتی ہیں

*

یہ بھی کیا کرتے کہ لیل دہار کا انقلاب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے، حالانکہ علم کے عصری مفسرین اس کو ایک ثابت شدہ بغیر شہ قیصل قرار دیا ہے بلکہ باہر ہونے والے اسباب جب بولتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے اور غروب ہو رہا ہے، سورج سمت الہاس پر آگیا، یہ کیا ہے، وہی بات ہے جو کہ اہتمام و تقویمیں عام قاعدہ ہیں، ہر عام اسامات کے مطابق تقویمیں اختیار کی جاتی ہیں، سوائے اس کے کوئی حلیائی اطلاع دیتے ہوئے کہنے لگے کہ گھر سے ہوئے زمین اس خط تک پہنچ چکی ہے کہ جہاں سے آفتاب کا کنارہ دکھائی دے گا، اور خال کرنے کے لئے کوئی صحیح نوعیت یہی ہے، ممکن ہے کہ واقعہ یہی ہو (۱) لیکن یہ طریقہ تعبیر قطعاً ہے، اپنے

(۱) مطلب یہ ہے کہ انقلاب لیل دہار یعنی رات دن کے الٹ پھیر کا شہادہ تو ایک عام شہادہ ہے، نگاہا کیوں ہو رہا ہے، کیا چرخ ہی گھوم رہا ہے، یا چرخ سے جو چیزیں گردش ہو رہی ہیں، ان کی گردش سے الٹ پھیر کی صورت سامنے آتی ہے، حقائق کائنات پر غور کرنے والوں کے ملاحظہ کا یہ سوال ہے، بحکم فیضا غور کا دعویٰ تھا کہ چرخ یعنی آفتاب نہیں، بلکہ زمین ہی آفتاب ہے، اگر ملاحظہ ہی نظام میں متغیر غور کے اس نظریہ کو رد کر دیا گیا، اور شب و روز، سیزنوں کی تبدیلیوں کا تو یہی یہ تسلیم کیا جاتی رہی کہ آسمان گھوم رہا ہے جیسا کہ مسلم ہے، پچھلے دنوں یورپ کے بعض ادباء نے نظریہ ثابت آفتاب پر بات سے فیضان غور کی کچھ پرانے خیال کو زیادہ تر ترقی قیاس پایا، اور یہ ماننے کے لئے کہ وہ یہ ثابت کے سامنے نتائج اس سلسلہ پر مبنی گھر کے پیدا کئے جاتے ہیں لیکن زمین کی حرکت کی نوعیت اس وقت تک غیر مستقل ہے، حال میں ایک روسی ریاضی دان انگریز ڈرافٹنٹات کی طرف سے بدعویٰ پیش ہوا ہے کہ ایک ایک محور پر زمین گردش نہیں کرتی ہے جیسا کہ علم پر بھی جاتا ہے، بلکہ اوزونات کے نزدیک زمین تین محاوروں پر زمین گھوم رہی ہے جن میں ایک محور قطبی ہے، اور دو استوائی۔ استوائی گردش دو محوروں پر ہو رہی ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عازم کو کہ دیا کہ بالافاضہ پر چڑھ کر دیکھ کر آفتاب نکلا یا نہیں۔ دیکھنے کے باوجود آپ کا فلسفی عازم فلسفہ اور انجمن ہمارے لئے کہہ کر آفتاب مجھے نظر نہیں آیا، اور مطلب یہ ہے کہ میں نے جس چیز کو دیکھا وہی زمین کی وہ آفتاب تھی، اور دائرے میں جو آفتاب ہے وہ مجھے نظر نہ آیا، اور خود ہی بتائے کہ اپنے اس فلسفی عازم پر آپ کا قصہ سقم نکلتا ہے، دیکھا دیکھ کر اس فلسفی عازم سے کہا جائے کہ کوئی کا گم تازہ ہانی نکال کر لکھا

دوسرے شہ کا تہ عارضہ، اس کی دلیل پر غیر مروت پر پیش کرتے ہیں کہ قطبین کا ارتعاش دائرے میں نہیں بلکہ اسٹیج میں ہوتا ہے، ان کا خیال یہ بھی ہے کہ خط استوا کو دائرے کی شکل میں تصور کیا جائے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ اسٹیج نمایاں نہیں ہے، ہر وقت جو یہ دہا مارا ہے، ۱۹۵۴ء کی لائی اس کے حوالے سے نقل کر کے مولانا ابوالخیر صاحب نے لکھا ہے، اور بالکل صحیح ارشاد ہوا ہے کہ ریاضیات جیسے علوم جن کے مسائل کچھ جاتے ہیں کہ زمین کی قطبی برتے ہیں، جب ان کا یہ حال ہے، انہیں زمین پر جن علوم قطبیات کی بنیاد قائم ہے، مثلاً مساحات، اکاؤنڈی، حراریات، سرشارائی وغیرہ کو کسی پر قیاس کرنا پڑے۔

(۱) قرآن میں جس مقامات پر اس قسم کی آیتیں ملتی ہیں مثلاً ذوالقرنین کے قصہ میں ہے کہ آفتاب کو سیاہ ہو کر کے چٹے میں ڈوبے ہوئے اس نے پایا اور جدھا تقرب فی عین حشر، اس میں تصریح کی کہ دیکھی ہے کہ آفتاب کے غروب کی حقیقت بیان نہیں ہو رہی ہے، بلکہ ذوالقرنین کے دیوان اور یافت کی تفسیر سے مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین یہ پایا تھا کہ یہ کچھ کہتے ہیں آفتاب ڈوب رہا ہے، اس سے پہلے کہ گھر میں آتا ہے کہ اس قسم کی قبول فی قرآن کے سامنے، بکائنات دافع کے پانچواں آلہ کے وجوہات اور احاسات بہت ہیں، یہاں پر تو انسان کا ایسے استقامت کے لئے ہیں جن سے حدت معلوم ہو رہا ہے کہ دیکھنے والے کے احساس کے مطابق تفسیر اختیار کیا گیا ہے، لیکن اس کی وجہ کیا ہے کہ بعض لوگوں نے آفتاب کی بنیاد پر بدعویٰ کر دیا تھا کہ نزدیک وقت آفتاب دیا تھا جیسے اگلے صفحہ پر

مازمہ پر مکرر کیا گیا اور حرارت توڑ کر اس دوا سے فوٹو کونسل میں ایک ہی رہا ہے۔ دجالے اور بچنے لگے کرانی کنویر کا گرم کپ ہوتا ہے۔ جو لانا تو اس کی خدمت کے سلسلے کو اس کا فلسفہ آئندہ کیا جاری رہنے لگا۔

محکمات و متشابہات

شاہ صاحب کے اسی خیال نے میرے ذہن کو ادھر منتقل کیا کہ قرآنی آیات کو محکمات و متشابہات وصول میں تسلیم کر کے قرآن ہی میں جو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ جن کے کلام میں بھی اور ٹیڑھ ہے، وہی کلمہ انگریزوں کے لئے متشابہ آیتوں کی تائید و توجیہ کے لئے چھے پڑجاتے ہیں، فرمایا گیا ہے کہ

نا ما الذین فی قلوبہم ذبیح

فیضیوں سا قشایہ مندا ابتداء

الفتنۃ وابتغاء تادیبہ

اور ان کے تادیب کی تلاش میں۔

کچھ ادھر دیکھا جائے کہ قدرت کے کلام کی یہ خصوصیت قدرت کے کام میں بھی نظر آتی ہے یعنی جیسے کلامی آیات کی ایک قسم وہ ہے جس کا نام قرآن نے متشابہات رکھا ہے، اسی طرح کائناتی آیات اور نشانیاں بھی جو قدرت پر حق تعالیٰ نے

صورت کش کاغذ پر عین جسم جس کے مقابلے میں زمین کا ہوا ذکرہ والی کے دانے زیادہ وقت نہیں، اسی زمین کے کچھ پتھر میں سما جاتا ہے۔ اور ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ ابتداء ہی کو مٹریں، اس قسم کی غلط فہمیوں کی وضوح کئے جاتے ہیں۔ مگر ان بات کو بھلائی ثابت ہوتی ہے کہ قدرت کے باوجود بطلان قیور کو جس لوگ نہیں سمجھ سکتے، تو وہ ان میں سے کچھ باتیں ہیں ہیں وہاں قرآن کے موضوع بحث سے ناواقف لوگوں کو کچھ غلطی ہو جاتی ہے، تو اس پر توجہ نہ ہونا چاہیے جہاں ہمیں جانتا ہوں کھلے کھلے اختلاف ان میں قرآن کے طریقہ تعبیر کے اس پسند و ناپسند پہلے شاید کسی نے اتنی قوت کیا نہ دیکھا ہو۔

نمایاں فرمائیے۔ ان آیات کے بھی بعض مظاہر کی وضاحت تقریباً متشابہات ہی جیسی نظر آتی ہے بھائی خود کائناتی آیات کے متشابہات کی تائید و توجیہ ان کے اسباب عمل کا سرخ اور تھوگنا، یہ دوسری بات ہے لیکن بعض لوگ غصہ جنھیں وہ حقیقت و حکمت اور اس میں ہی کا ذوق ہوتا ہے، اور ذوقِ مذہب کی قدر و قیمت کا احساس صحیح اندازہ ہوتا نہیں، اپنے قلبی رنج اور ذہنی کمی کی وجہ سے خواہ مخواہ ان کو اس کا شوق ہوتا ہے کہ کائناتی آیات کے متشابہات یعنی جن کی توجیہ و تادیب میں مختلف پہلو پیدا ہو سکتے ہیں، ان ہی کے دے پہ جاتے ہیں، اور ذہنی و عقلیات کے تضاد و تناقض کا ہنگامہ برپا کرتے ہیں۔

گمراہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر ان کو ان کی آیتوں کا مذاق متشابہات کی دونوں قسموں کے متعلق کائنات و پاک متھرا اور جلا ہے ہر ایک کے متعلق اپنے اندر

امتیاز باکل من عند ربنا ہم سمعنا کو ملنے ہیں سب ہمارے

و مائدہ کو الا اولوالالباب پر درکار کے اس کی تفسیر ہیں

اور نہیں سمجھتے کہ وہی لوگ جو مغز

والے ہیں۔

فصلیہ یہ ہے کہ متشابہات خواہ قدرت کے کلام سے ان کا تعلق ہو یا قدرت کے کام سے، دل میں رنج اور ٹیڑھ ہو تو دونوں ہی سے فتنہ انگیزی اور سادہ راہی کا کام لیا جاسکتا ہے لیکن جن کا علم راستہ ہے اور قلب سلیم ہے، وہ جانتے ہیں کہ قدرت بھلنے جن آیات اور نشانوں میں متشابہات کا رنگ پھرتا ہے، ان میں ہر حال یہ رنگ ہی رہتا ہے، اس رنگ کو دور کر کے متشابہات کو بھی محکمات کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش سچ بچھے تو قدرت اور اس کے قوانین سے کشش کی ایک گستاخ کر کشش ہوگی۔

واقعیہ یہ کہ وہ ایک کائنات اور قرآنی آیات جنھیں اپنی خاص اصطلاح میں

فقیر روحانی کائنات بھی کہتا ہے۔ ان دونوں قدرتی آیات اور نشانیوں میں مشابہت و مماثلت کے چہاں بیہوں وجوہ خاکسار پر واضح ہوئے ہیں جن میں بعضوں کا تفصیلی ذکر آپ کو میرے رسالہ "کائنات روحانی" میں ملے گا

مشابہت و مماثلت کے انہیں پہلوؤں میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قدرتی آیات کے ان دونوں اظہار میں حکمت کے ساتھ ساتھ ایسی آفتیں اور نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کو مشابہت کے سوا ہم اور کچھ کہ نہیں کہتے، دونوں ہی کی قوسیدہ و تابیوں میں مختلف شکوک اور احتمالات پیدا ہوتے ہیں، یہی رات دن کے اظہار کے قصہ میں دیکھئے، مادی کائنات کے متضاد اشارات میں سے ایک مشاہدہ یہ بھی ہے لیکن یہ کیوں ہو رہا ہے؟ کیسے ہو رہا ہے؟ اس کے کاد کی کائنات کی آفات اور نشانی کی قوسیدہ سوچنے والوں کا دھیان کن کن باتوں کی طرف گیا سزاوارتہ سال گزر چکے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کا بھی نصف صد گزر چکا ہے لیکن قطعی اور حکم فیصلہ جس میں آئندہ کسی ترمیم کی گنجائش باقی نہ رہے، اس وقت تک طے نہ ہو سکا، زمین ہی کی گردش کا فیصلہ اس کو مان لیجئے، جیسا کہ اس زمانہ میں مان لیا گیا ہے، لیکن خود اس زمین کی حرکت اور گردش کی نوعیت کے متعلق مولانا عبدالمکریم دریا بادی کی یہ خوب بات یکے پہ چاک ہوں کہ صحیح معنوں میں ایک تین نہیں ہو رہے، یورپ اور امریکہ کے حکماء اس باب میں کچھ مان چکے تھے، بہرحال طلب علم کن گیا ہے، اور خلاصی جانتا ہے کہ آئندہ سوچنے والے اس راہ میں کائنات کی خیالات اور تخیروں کو پیش کر نیوالے ہیں، اور اسی کو میں تشابہت کہتا ہوں۔

یہاں تمام مادی کائنات کی ایک قدرتی آیت اور نشانی کی ہوئی، ایسے عالمی کائنات میں آئیے، دو رکوں چائیے، اسی رات دو دن جس کا بہر حال سورج کی روشنی جیسے منتقل ہے، جو بوقت تک اس کے جس قدر سورج کی روشنی پڑتی ہے، اس کا وہ حصہ دن کہلاتا ہے، اور روشنی جب اس کے اس حصہ سے غائب ہو جاتی ہے۔ قوی

اس حصہ کی رات قرار پاتی ہے، قرآن میں اسی سورج کی طوت تجزیہ کا لفظ غیبیہ کی گئی ہے، لیکن یہ ہمارے عام احساس کی پیروی ہے، یا غائب کائنات کے طوس و اہم کی جو صبح و شام کے اسی واقعہ کے مطابق تجزیہ کے اس نقطہ سے اپنے علم کو کھینچتا و تاملی ظاہر فرماتا چلتے ہیں، ذہن دونوں پہلوؤں کی طوت متصل ہوتا ہے، یہی تشابہ کا اختصار ہے، پھر کھنکھ کے دلوں میں یہی ہوئی اور زمین سے جن کے متعلق اور دن میں وہ اس سے متضاد تیری کا کاسلہ کہتے ہیں لیکن راسخ علم والے آستانہ ہیں کہ تین تین تین تین کو تشابہات کے متعلق اصل قرار دیکر تادل کی راہ اگر اختیار کریں گے، تو وہ بھی راہ ہوگی جس سے کائنات کے فتنوں کے دبانے میں مدد مل سکتی ہے۔

شاہ صاحب کی اس توجیہ کو دیکھئے اگر گردش کیل و ہند کی وجوہ دیکھو، وہاں یا آفتاب، زمین کے گھومنے سے غیب ہوا، آئندہ اس انقلابی مشاہدہ کے متعلق سوچنے والوں کو کئی تاثرات ملے، کچھ بھی ہم پرانی قرآن کریم کے حرم اور کتب قدس میں مستزاد قاضی و ائمہ ہادی و قرار دیتا ہے، امام کے سزاوارتہ حضرت و جلال کا حکمت سامعین کا کوئی متوجہ بھی ہو جو بھی نہیں سکتا، اس فلسفہ و حکمت کے سیاسی نظریات اور موسیقی اثرات کی دست گیری سے قرآن پر ایمان لا لینا لے جسے آزاد رہتے ہیں، ٹھیک اسی طرح کائنات کی آیات اور نشانیوں کی قوسیدہ و تابیوں، کلاس و تجربہ کے اقتضات بھی قرآن کی طوت سے کسی قسم کی بھی پابندی قائم نہیں ہوئی، ایمان بھی آزاد و متصل بھی آزاد، اپنی اپنی راہوں پر دونوں ہی کئی تصادم اور کشش کے بغیر سرگرم سر بستے ہیں، لیکن کچھ گورنش کی پٹلی، علم کا روضہ خواہ قرآنی آیات میں از رانی ہو کائنات کی آیات میں میسر کرے، جیسے اس نے آئی و شکر ادا کے ماحول کو پیدا کیا لیکن خام نگرانوں، حاکم کاروں کے ہاتھ پہنچ کر کئی باتیں بھی کئی باتیں ہیں (۱۱)

۱۱۔ قرآن میں جن تاملی طوت بہن صفت کائناتیں انسانی اہل عالمی طور پر

عارف رومی نے یہ فرمایا ہے۔
 ہر جہت سے عقلی علت شود
 کفر خیر و کائنات شود
 کسی نظریے نے اسی مضمون کو یوں موزوں کیا ہے

اہل ربیعہ کہتے ہیں اور میں خستہ شوش
 سونے کی پٹیوں میں جہنم و جہان کا خوش

تفسیر بالرائے
 اسی سلسلے میں قرآن کے متعلق حضرت شاہ صاحب کی
 اس اصولی بات کا بھی خیال آتا ہے، یہ تفسیر تاولیہ ہے
 کا سلسلہ ہے یعنی روایات جن میں تاولیہ بالرائے کی ممانعت کی گئی ہے، اور اسے
 جرات پر قرار دیتے ہوئے دیکھی وئی گئی ہے کہ اس جرم کا ارتکاب جہنم کو آدھکا
 (مقتد) بنا دیتا ہے، عام طور پر اسی روایت کو خبیثا و بنا کر کہا گیا ہے کہ اس کا خیال لوگوں میں
 پھیلا دیا گیا ہے کہ قرآنی آیات کا مطلب کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا ہے جب تک
 اس مطلب کی تائید میں کسی روایت کی پشت پناہی اسے حاصل نہ ہو، اسی وجہ سے
 تفسیر کی ان کتابوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، جن میں ہر روایت کے ذیل میں روایات

دستور گذشتہ کا مشہور کیا گیا ہے، مثلاً وہ میر ہے، وہ سیکہ ہے، یعنی دیکھنے والا ہے، کہنے
 والا ہے۔ یہ بیان لیا جاتا کہ جیوں دیکھی جاتی ہیں ان کو کہا جاتا ہے، اور جو چیزیں کہی جاتی ہیں،
 ان کا بھی عالم ہے، حیات ختم ہو جاتی لیکن دیکھنے کے بعد انکھوں اور آنکھوں کے بعد آنکھوں کے
 پر دونوں اور ان اسباب عقل کی طرقتوں کو ان کا دیکھنا منسلک ہوا جن کے بغیر دیکھ دیکھ نہیں سکتا ہوتا
 رنگ اور روشنی کو بھی دیکھنے کے متعلق نام کا دل نہ چھوڑ دیا، پس مباحث کا طوفان پڑا
 ہوا، فرقہ پر فرقہ بنتے چلے گئے، ہفتقریبی بات کی عقلی دلیل ہو گئی۔

★

کے درجہ کرنا کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس جو برطری کی تفسیر کا مادہ زیادہ تر اسی پر
 ہے کہ تفسیر روایات کا بیسیول سرمایہ اس کتاب میں ملے ہو گیا ہے، باطری کے
 بعد البیسیول کی تفسیر دستور کی قدر و قیمت کا راز بھی یہی ہے، اسی نقطہ نظر سے
 کہنے والوں نے امام فخر الدین رازی کے متعلق یہ طبعی طور پر رکھا ہے کہ

تفسیر مکمل شیخ الامام القسید امام رازی کی تفسیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے (۱)
 بہر حال اس فقرے سے اشارہ اسی طرف کیا گیا ہے کہ روایات کی طرقت امام نے اپنی
 تفسیر میں جتنی توجہ دے چاہیے نہیں کی، اور اس لحاظ سے کچھ یہ واقعہ بھی ہے، زوسننے
 والوں میں یہ یا کچھ اس قسم کے احساسات پائے جاتے ہیں، اسی کے مقابلے میں ایک
 طبقہ ہاوں کا بھی ہے، جو قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر میں، زاسا اول ہی
 کو اپنے سامنے رکھنا چاہتا ہے، جس میں قرآن نازل ہوا تھا۔ یا جن بزرگوں کو اپنا
 مخاطب قرآن نے پہلی دفعہ بنایا تھا (یعنی صحابہ کرام)، قرآنی آیات کے متعلق انکے
 تاخرات کی وہ پرواہ نہیں کرتا، حتیٰ کہ شوریہ ہر سری میں عقل یا حقوں کا یہ گروہ بھی
 کبھی ترقی کر کے، اس حد تک پہنچتا ہے کہ عقلی لغت اور الفاظ کے لغوی معانی
 کی رعایت سے بھی اس راہ میں اگر ضرورت ہوتی ہے تو آزاد ہو گیا ہے۔

آج ہی نہیں بلکہ مسلم ہوتے ہی کہ راز کے ہر دور میں اس قسم کی ناہمواریاں
 کشادہ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں کیا گیا ہے، "انھان" میں

(۱) امام رازی کی تفسیر کے متعلق میرا ہی نہیں مگر اہل بعثت کا خیال بھی ہے کہ اس فقرے کو
 مشہور کر کے امام پر اور امام کی کتاب پر بظہر بجا کیا گیا ہے، لیکن اسے جرات منک جاتی ہے، اپنی
 قیمت بھی نہ سمجھی، مال کو کھاتی ہے، ہمارے ذمے ہے جس کو کیا صاحب نے جو علامہ غلامی کے
 نام سے مشہور ہیں، شاید کچھ فیصلہ دوسروں میں ایک کتاب بھی ہے، مگر ان کو تک یہ سمجھتا ہے کہ قرآن
 کی تفسیر میں لین ملامت کے بعد یہ کھانا پڑے کہ قرآن کی شہادت اور ان کا خیر و کلمہ صوفی،

کے اسلام کی جو جانی پہچانی باتیں ہیں، ان سے سب کچھ قرآنی آیات کی توضیح و تشریح کی برات ایمان سزجرات تھیں، جو یا تو قرآنی احادیث یا اصطلاح میں ایہنا تھے جن چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں، دین کے ان مبنائی تسلیمات تھیں جن کی تفسیر سے زندگی قائم ہے، قرآنی آیاتوں کی سب سے اوّل سے مذہب کا یہ غیر متبدل حصہ تھا جو تہذیب و تہذیب و تہذیب کی یہی وہ قسم ہے جسے شاہ صاحب تامل الایمان قرار دیتے تھے (۱)

نیک یہ بات کہ قرآن کی کسی آیت کا کوئی مطلب تفسیری روایتوں کی پشت پناہی کے بغیر بیان کرنا بجا حال میں تفسیر والا ہے، اور جو ایسا کرتا ہے، وہ قرآن کی تفسیر و تامل اپنے من مانے خیالات کے زیور کر رہا ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں حضرت شاہ صاحب شدت کے ساتھ اس کی بھی تردید فرمایا کرتے تھے، ان سے زیادہ باخبر اس حقیقت سے کون ہو سکتا تھا کہ تفسیر کی زبان میں جن روایتوں کا لوگوں کو کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ اکثر وہ چیز جسے ان کا ایسا ہے، جسکی اصل نہیں ہے، سیوطی نے اتفاق میں اس کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے، قال احمد: ثلثۃ کتب لیس لہا اصل التفسیر، والملاحعہ والمعانی۔ میں کہتا ہوں روایتوں کی ایسی ہیں جن کی اصل نہیں، ایک تفسیر دوسرے عالم (۲) کہتے ہیں کہ ان کی اصل تفسیر اور تفسیر (۳) اور تفسیر کے بعد تفسیر میں جو پیش آئے، ان کے متعلق

(۱) بخاری کی احادیث میں اور شاہ صاحب کی دوسری تفسیروں میں ان کے اس جہاں ہری کی تفصیل پڑھ سکے ہیں، مثلاً بخاری کی شواہد میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے فاذا اذ حجب تفسیر لیس التفسیر متواترة او قبل بلا تعلیل کا مجمع علیہا فان اللہ ہر التفسیر بالقرآن وهذا الذی یستوجب صاحبہ الفاد فی تفسیر متواترہ وان کا جس تفسیر سے ارتقا پاتا ہے یا سلطان کا جواجمی مقصد ہے، اس میں تبدیلی بدلتی ہوئی اور حقیقت تفسیر والا ہے جس کا ترکیب جنم کا اعتبار لیا جاتا ہے انیس اباری ص ۱۲۸

تھے جن کو المغازی کہتے ہیں ص ۲۵۲ بخیر خود علامہ سیوطی نے بھی اپنی طرف سے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے کہ اصل المرفوعہ بڑی غایتہ البتہ، ایسی روایتیں جو راہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سمت کے ساتھ منسوب ہوں، تفسیر کے متعلق بہت کم ہیں ص ۲۵۲

یہ حال زمان روایتوں کا ہے جن کو اصطلاحاً مرفوعہ حدیثوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں، باقی سب صحابہ کرام کے تفسیری اقوال، سوانح عباسی رضی اللہ عنہم کو اس باب میں غیر موسوم شہرت حاصل ہے، لیکن جو ذخیرہ اس باب میں ان کی طرف منسوب ہے، خود سیوطی نے بھی اس کے متعلق علماء کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ دھندلہ الغائب والظلال التي اسند دھن غیر موصوفہ ورواھا صحابہ ص ۲۵۲ یہ لیس تفسیر تفسیری روایتیں جو ابن عباس کی طرف منسوب ہیں، مثلاً انبائہ یہ ہیں، ان کے روایت کرنے والے نامعلوم اشخاص ہیں، حضرت امام شافعی نے ابن عباس کے تفسیری اقوال کا جائزہ لیا تو اس نتیجہ تک پہنچے کہ لعنہ علیہ ابن عباس، فی التفسیر الاشیاء بما شئت حدیث ص ۲۵۲ تفسیر سوانح روایتوں کے سوا ابن عباس کی طرف منسوب اقوال صحیح ثابت نہیں ہوئے، جس کی ایک کئی دلیل بھی پیش کی ہے کہ حدیثوں کا سب سے زیادہ معتبر اور صحیح مجموعہ، یعنی صحیح بخاری میں تفسیری روایات کا کوئی شمار دوسرے تمام احادیث کے مقابلے میں سب سے زیادہ کم ہے، امام بخاری نے بخاری روایتوں کے سب سے زیادہ حلقے میں قرآنی الفاظ کی لغوی تفسیر پر زیادہ توجہ کی ہے، تاؤ وہی بقول شاہ صاحب ہے، جیسا کہ تفسیر ابیاری میں نقل کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اس را کو واضح کیا ہے کہ ابو حنیفہ عمر ابن العقیلی کی کتاب ممانا القرآن پر

(۱) یاد رکھنا ہے کہ ابوصد کے نقطہ کے کس دھوکہ پر، یہی نسبت شہور حدیث کا نام ہے کہ لیس تفسیر کی کتاب، الاموال حال ہی میں شائع ہوئی ہے، اور سیوطی و باقی مابقی مابقی

میں پائی جاتی ہے، اس کی حفاظت کی دوسری شکل یہی کی جاتی، مگر افسوس ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نظریاتی فہم کا صحیح اندازہ لوگوں کو نہ ہوا۔ بلکہ جس اس کے پیچھا لگا کر قرآنی نصوص کے مطالبہ کی بجائے روایات کے قرآنی الفاظ کی سمجھنے کی جو کوشش کرتے گا، یا دوسرے کو سمجھائے گا، وہ تفسیر بالرائے کے جرم کا مجرم، ورنہ غیبی وعدہ بڑائے خیر سے حضرت شاہ صاحب کو کہ تفسیر بالرائے کے اس غلط مطلب کا اپنے درس میں ازالہ فرمایا کرتے تھے، خدا کا شکر جو کران کا فیصلہ بخاری کی اعلیٰ تفسیریں دینا کو دیا گیا ہے، ان کی طوالت آخر میں یہ فقرے بھی اسی کتاب میں منسوب کئے گئے ہیں فرمایا کرتے تھے ومن جملة العلماء ان يرووا معاني الكتب بعد الامعان في السباق واليات والنقل الى حقائق الالفاظ الموافقة عقائد السلف يعني کس نے اہل علم کو روکا ہے اس بات سے کہ کتاب اور اس کے معانی و مطالب کو آیات کے سیاق و سباق اور الفاظ کے اتفاق کے مطابق، جس میں سلف صالحین کے عقیدے کی بھی رعایت کی گئی ہو، ان امور کو پیش نظر رکھ کر ظاہر کریں، "اگر گناہ کے بعد ای میں یہ بھی ہے کہ مل والک حفظہم من الکتاب فانہم هم الذین ينظرون في عجائبه ويكتشفون الاستاد عن دجاة دقائقه ويرفعون المعجب عن خبيثات حقائقه فلهذا النوع من التفسير بالرائي حظ اولى بالعلم ونصيب العلماء المستعجلين، بلکہ اللہ کی کتاب میں اہل علم کا واقعی ہی حصہ ہے، وہاں کتاب کے تحت نئے پہلوں پر جو کرتے ہیں، اور اس کے پوشیدہ اسرار سے نقاب اٹھاتے ہیں، جو باتیں پہنچی ہوئی ہیں، انھیں نمایاں کرتے ہیں، اگر کسی تفسیر بالرائے ہے تو اہل علم کا ہی حصہ ہے، اور قرآنی آیات سے نتائج پیدا کر نیوالے صاحبان انہی کی غوراکت ہیں ہے

آخر میں اسی کے ساتھ اس پر بھی تنبیہ فرماتے تھے واما من تكلم فيها بدون صحة الادوات لا عنده علوم كلام السلف والفت ولا ذوق بالعربية

امام نے زیادہ بھر دوسرے کہے، شاہ صاحب کے خیال تھا کہ تفسیر بالرائے التواضعا امام بخاری نے معین الحسنی کے اقوال عقیدے کے بغیر اسی کتاب میں نقل کر دیے ہیں، اس نے اہل السنہ کی کتاب میں جو تفاسیر پائے جاتے تھے، وہی کو یہاں صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں باقی رکھ دی ہیں، یہ بحث خاص طور پر قابل توجہ ہے شاہ صاحب فرماتے تھے کہ صحیح بخاری میں جو تفسیری اقوال پائے جاتے ہیں، ان کے تعلق یہ سمجھنا مناسب ہوگا کہ اسی امام بخاری کا فیصلہ ہے، بلکہ اس باب میں ان کی حیثیت صرف ایک ناقل کی ہے۔

کچھ بھی ہو، کم از کم امام ابوحنیفہ کے متعلق جب یہ ماننا جاتا ہے کہ صفات و حسن بخاری ہیں، بلکہ خبر واحد خواہ محدثین کی اصطلاحات کی روش سے مرفوع و متصل و صحیح ہی کیوں نہ ہو، باوجود اس کے، قرآنی نصوص میں کسی تفسیر کو احادیثوں کی روشنی میں امام ابوحنیفہ نے نہیں سمجھتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ چھوٹی بڑی کتاب میں ان کے اسی فیصلے کی تفسیر کی گئی ہے کہ کتاب میں زیادت خبر واحد سے نہیں ہو سکتی اس کے بعد بھلا کون یہ کہہ سکتا ہے کہ روایات کی دیکھ کر یہ بغیر قرآنی آیات کے مطالب کے سمجھنے، اور سمجھانے کی اجازت ہی نہیں دی جا سکتی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآنی نصوص قطعی اور یقین آفرینی کے جس زور اور قوت کے حامل ہیں، واحد خبر واحد ان کے سمجھنے میں مدد لینے کے بعد ان کا یہ زور اور ان کی یہ قوت کیا باقی رہ سکتی ہے واحد خبروں کا مفاد بہ حال اعلیٰ ہے، ظاہر ہے کہ یہ مظلومیت کی صفت نہیں قرآنی کی طاعت بھی تسلیم ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ اگر خبر واحد سے کتاب پر زیادت کو کھانڈ نہیں سمجھتے تھے، تو بتایا جائے کہ ان آفرینی اور قطعی بحث کی طاعت جو قرآنی آیات

د صلوٰۃ کا باقی مائتہ تفسیر صلوٰۃ سے ملال ہے، بلکہ یہ اجماعہ مجاز القرآن کا صفت دوسرا وہی ہے اس کا نام معین الحسنی ہے۔

وكان من اجلات الناس لم يحل على تفسير كتاب الله غير الوقاهة، وقلنا العلم فصيله الا سمعت كل الاسف وذلك الذي يستحق المناد.

مگر قرآنی آیات سے صحیح واقفیت کے لئے جن قدرتی اسباب ذرائع کی ضرورت ہے، جو ان سے بنی دامن ہوا اس کے پاس انگوٹھوں کے اقوال کا مکمل زہر، اور دھری اور کچکا ذوق رکھتا ہو، اس قسم کے کہنے کا دیول میں قرآنی آیات کی تفسیر کی ہر بات محض بے شریک اور بے حیائی اور حیات ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے، ان پر افسوس حد افسوس ہے، یہی لوگ جن کے عقول ہیں۔

ذکر انوری کا اختتام | استغنا جانتا ہوں مگر محفل جاتا ہوں سیدنا الامام انکسیری قدس سرہ العزیز سے میرے غیر معمولی تاثر کا یہ شایعہ ضروری یا غیر ضروری کیجئے کہ ان کے متعلق باتیں ختم ہو گئیں کہ ذکر کہ کسی نئی چیز کو سامنے پیش کر دیتا ہے، ایسی نئی چیز کہ دل اس کے چھوڑ دینے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا، ناخواند شاید ٹھک چکے ہوں گے، دل پر جبر کر کے اپنے محبوب مرحوم استاد کے ذکر کو ختم کر دیں۔

آپ ہی انصاف کیجئے "اپنے حق و فقیہ، جہول و ظلم، ادنیٰ ترین شاگرد کی حوصلہ افزائیوں میں جس کا یہ حال ہو کہ دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی ختم کر نیکیے بعد ناکسا راقسام اور رازشید نامی ماہر اور پرجوں کی ادارت کے ساتھ کچھ درس و تدریس وغیرہ کے عداوت جب انجام دے رہا تھا لیکن خواہ جو مدرسے ملتی تھی ضروریات کے لئے کافی دیکھی، رخصت لیکر مکان آگیا، اور دارالعلوم کے ہستم مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ طرہ کو براہ اطلاع دینے پر بخیر رہا کہ موجودہ خواہر کام کرنا، اپنے حالات کے لحاظ سے ناکسا کیلئے دشوار ہے یہ درخواست جب پہنچی، اس کا اثر اڑھائی ہوا، اس کو کچھ ڈیسے کہنا یہ کہ بعد کو مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے جب نیاز و معامل ہو تو براہ راست ان سے سن کر شہد روحان

ہو گیا، فرمائے گئے۔

"جانی مولانا! ارشاد صاحب تم سے تو میری طرف نظر آتے ہیں، قبلہ کی دور رس استیجاب ہوئی، قوم نے شاہ صاحب سے اس سے میں مشرہ لیا، جمال میں انھوں نے کہا کہ آپ کے یہاں جتنے کام کرنا چاہتے ہیں، ان کو دیکھتے ہوں کہ جو درس دیتے ہیں، وہ قدر کا کام نہیں کہتے بائیں کہتے، جو قدر کا سلیقہ دیکھتے ہیں، ان سے آپ قدر و قدر کا کام نہیں لے سکتے، ان میں ان تینوں شعبوں یعنی، درس، تفسیر، تفسیر کیلئے اس درجہ سے آپ کو الگ الگ آدمی رکھنے پڑتے ہیں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اس غریب رسالہ کی ادارت اور قدر کا کام بھی آپ لیتے ہیں، اور درس و تدریس کا کام بھی اس کے سپرد کرتے ہیں۔

جہاں سے طلبہ کی تعداد و تعداد کو لے لیجئے، رے گریبان تینوں شعبوں کا کام حبال خواہ وہ تنہا انجام دیتا رہا۔ اب اگر ان تینوں شعبوں کے سلسلے میں ایک ایک آدمی کو تنخواہ دے دی جائے، تو شاید اس کا زہا از منظر لہ نہ ہوگا۔

مندرجہ ذیل کی اس تجویز کی ترکیب کا خطہ خود میرے دل میں بھی نہیں گزرا تھا۔ بہر حال القادس کو مجھ سے یاد نہ ہے مجھے بھی تھا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان القادس کو جس وقت میرے کان سن لے پڑے، تھے، انھیں اس وقت سے ڈیڑھ بائیس، پچیس بے بغاوتی، کو بائیس کا خیال آگیا۔ اُس اتنی کو اس کا آنا کا فرمایا اور اٹھا مالا لکر زندگی، پیلے بھی رہتی تھا، اور لہجہ کو بھی زندگی، اور اس وقت بھی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے سمجھتا ہوں۔ استاد مرحوم کی تدریس میں دل کا دھیان آتا ہے۔ تو دل بہتا ہے۔

بریں قول گرجاں بازم دوست

علم و معرفت کا آفتاب ایک ذرہ کو چکا رہا تھا حالاکہ ذرہ کے پاس تھا بھی کیا، اور کچھ نہ حساب آفتاب تھا۔

کیا کہوں، کیا نہ کہوں، یہی نہیں اور اسی قسم کی خصوصی عنایات اور نوازشیں
 ہا مسلط حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
 اس زمانے میں بھی جب دائرہ اہتمام اور حضرت شاہ صاحب میں شکر و تحسین کی صورتیں
 پیش آئیں، عینی دارالعلوم دیوبند کی تاریخی زندگی کا وہی شجر جس سے شجرات کے
 مشہور دارالعلوم ڈاھیل کا خیر پیدا ہوا، کہ حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند
 کو خیر و برکت دارالعلوم ڈاھیل میں فروغ بخش ہوئے، اور گجرات کا شہر جلالپور سے
 بہتر لاہور بن گیا، اس زمانے میں بھی جب خاکسار حیدر آباد میں تھا، اور کش کش
 کی ان صورتوں پر حیدر آباد کا بھی دباؤ پڑ رہا تھا۔ یا چاہا جا رہا تھا کہ حیدر آباد
 کی حکومت بھی اپنا اثر اس پر ڈالے، اس زمانے میں عام طور پر کھجا ہوا تھا، اور
 شاید یہی مشہور بھی کر دیا گیا تھا کہ اس دباؤ میں جاکے شاہ صاحب کی جماعت کے فقیر
 دائرہ اہتمام کے زنگوں کی پشت پر نہا کر رہا ہے، مجھ تک بھی اسی قسم کی دگرگاہیں
 کی خبریں پہنچتی جا رہی تھیں، حضرت شاہ صاحب کے قلب مبارک کی لڑائی کا نتیجہ
 مجھے یقین کئے ہوئے تھا کہ عین اٹھیں دنوں میں قلعہ خلاف دستور اپنے دستخطات
 سے ایک درجہ بڑا والا نامہ حضرت شاہ صاحب اس فقر کے نام شرف محدود لایا تھا کہ
 ہوئے قرض بافقہ، لڑائی ہوئی اور کابینہ ہوئی انگلیوں سے اس لڑائی نامہ کو
 کھلا پڑھتا جاتا تھا، اور دوتا جاتا تھا۔ اللہ اقدس نے والے مجھے کیا کیا سناتے
 بیسے، اور انھیں آج کیا دیکھ رہی ہیں، مودت و محبت، مرقاویزی اور عنایت
 بیکراں کے سوا اس میں اور کچھ نہ تھا۔ اس خاص خدمت کے لئے اس ذرہ ناچیز کا
 انتخاب فرمایا گیا تھا جیران تھا کہ بڑا ہنر والا تھ، جس کے اقطار ہند، بلکہ اسلامی
 دنیا کے کئیوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے حلقے میں کچھ جیسے کہ پسرک سبج دہان
 طالب لایا گیا تھا، اور وہ بھی اتنی خصوصیت کے ساتھ کیسے باقی تھا
 انہوں نے کہ بحث کی تہمتی اور مزاحمت کے لالچائیوں پر کیو جیسے اس والا نامہ

حفاظت میں کامیاب رہا ہوگا، ورنہ آج جس سال میں ہوں، شاید وصیت کرنا کہ
 میرے کہنے کے ساتھ اس کو میرے ساتھ دفن کر دیا جائے، تاہم امید ہے کہ اس میں
 جو راز تھا، انشاء اللہ وہ اپنے ساتھ ہی دفن ہوگا۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب کے نقل و حرکت اور سایہ عافیت میں رہنے کا موقع
 اگرچہ دو ڈھائی سال سے زیادہ اس فقیر کو نہیں ملا، لیکن اب میں کیا کروں کہ جن
 صحبتوں میں تیرہ تین گز سے میں ان کی یاد پیرا مری کے ان ایام میں تقریباً کچھ
 منٹ کی سی ہوئی، لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ دو ڈھائی سال کے ان شرف
 ظہر و بھارت، سیر و محبت خیر ایام کی ایک ایک بات، دماغ میں کیڑے بکڑے
 ہے، اسی لئے سچ بوجھے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق جو کچھ کہنا پڑتا
 تھا اس کا شہر خیر بھی نہ کہہ سکا، لیکن پڑھنے والوں کی نصیحت کا خیال کر کے منہ بند کر
 ہوتا ہے کہ اب دوسرا سادہ کے تعلق اور اسی تاثرات کو پیش کر دوں۔

باب

تعلیم مافی نفسی و لاعلمہ مافی نفسی، اللامہ جو کچھ میرے جی میں ہے، اسے
تو جانتا ہے، اور جو کچھ میرے جی میں ہے، اسے میں نہیں جانتا، تو آپ ہی جانتے،
کہ ایک ظلم و جہول میں اس فیصلے کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے کون تعالے
سمجھانے کے یہاں احترام و قرب میں، کس کا درجہ کیا ہے؟ یہ تو مافی نفس کے علم
کے چہاننگ میں لگتا ہوں، ایک بے ضابطہ دعا کے سوا شاید اور کچھ نہیں، بقول
شعنے

چکران کلبہ ہو تجھ کو قسم ہے مادر کرتے ہیں
میاں ہم تو سلاں میں خدا کہنے سے ڈرتے ہیں

کچھ بھی ہو غیبت نے اپنے بیان میں تاثیر و تاثر کی ترتیب کو جو محو پیش نظر رکھا ہو
پہلے بھی مختلف پیراؤں میں عرض کر چکا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کے علمائے قدس
میں شریک ہونے کے بعد سب پہلے یہ واقعہ ہے کہ اپنا دل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کی ذات سے متاثر ہوا تھا اس لئے قدرتہ اس سلسلے میں ان ہی کے ذکر کو
قدم کرنا پڑا۔

شاہ صاحب کے بعد دوسری بات جس سے متاثر ہونا کیا ممکن؟ واقعہ یہ ہے کہ
جس تاثر کے بعد اور کچھ ہوا یا نہ ہوا ہو لیکن جو کچھ پہلے تھا، اس تاثر جدید کے بعد
تعالیٰ باقی نہ رہا۔

داستان انقلاب

اب انقلاب کی اس داستان کو سنئے، دل پر یہ
افشاں جس زلزلے میں پڑی تھی، اور جس حادثہ کی
شکار یہ جاں حزین ہوئی، اس وقت بھی یاد آئے کہ مولانا مافی مروجہ کے عقد
والا شہر شحر

آں دل کہ دم نہ دے، از غوب رجواناں
دین سال پیرے بردہ بیک نگاہے

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ

عائے قوی تھا کہ عدد دارالعلوم اور میں الاساتذہ ہونے کی حقیقت ہے،
جس کے جہل کو اب جو القلم کر باہوں، سب پہلے ان کا تذکرہ کرتا میری
مراہٹنا و سجع النکل حضرت مینا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی طالب تراہ وصل
الجنۃ منارہ کی ذات گرامی ہے۔
لیکن بزرگوں کے مستقل سپاس اور نیت بازی کے شعل نامحوسے فطرۃ ذہیر
وما فی کو بھی کسی قسم کا تعلق رہا اور نہ دل کو، نہ انا و نہ آپ ناب کر بزرگوں کی
میزبازی کسی کو اول، کسی کو دوم کسی کو سوم میزوں کا حق ٹھہرانا، یہاں تو یہاں بلندی
کی آخری سطح تک اس جرات بیباکی اپنے اندر بہت ہی نہیں پاتا، سب اپنے بزرگ
ہیں، سب پہلے بہتر و برتر، سب بڑے اور اونچے ہیں، رہ اپنے پیدا کرنے والے
خالق تعالیٰ سب ان کے نزدیک ال کے لاہوتی مقامات و مراتب، سوا یہ ہے کہ
جب کلمۃ اللہ دروج حضرت مسیح علیہ السلام تک کا یہ امتزاج قرآن میں نقل کیا
گیا ہے کو اپنے خالق کو دعا کر خطاب کہ کہ عرض کریں۔

زبان پر جاری تھا۔ اور اب بھی جب خیال آتا ہے، تو بے ساختہ مانتا ہوں یہی شعر تازہ ہو جاتا ہے، شاید پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کے علمی شہر میں منسلک ہو جانے کے بعد اس کا چند سینوں تک دارالعلوم کے اکثر اساتذہ سے بے گناہ زاد زائشاہی رہا، ان اساتذوں میں حضرت سید شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، پڑھنے کی حد تک قوطبہ کے ساتھ، ان کے مکتبہ درس میں دوسروں کی طرح فقیر بھی بیٹھتا تھا لیکن براہ راست ذاتی یا زندقہ کا مکتبہ ان کے پاس نہ آیا، اپنی اس عمر کے اسباب کی طرح کون بجز کادی رجحانات کا کچھ یاد رکھے، اور کچھ خیال کر دے، اسلوم میں لال پیٹے، ہرے رنگ بٹائے کے طرز مختلف مہجرات ہند بلکہ مختلف اقسام کے کیڑے مکوڑوں کی طرح چھپے ہوئے ہیں، کوئی دیر بھی کہ اپنے آپ کو ان میں کیڑوں میں سے کوئی نہ پرسان تحریر اور گناہ کوڑا خیال دلاؤ لگائی انکو بات اپنے اندر ایسی نظر نہ آتی کہ ان پر زگوں سے ذاتی تمامت کی ہوس دل میں پیدا ہوتی، الزمیں کچھ اسی قسم کے طے اسباب و مؤثرات تھے جنہوں نے کئی بیسیں تک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے تعلقات کو درس کے عام طے تک ہی محدود رکھا۔ دستور میں بھی تھا کہ کتاب یعنی ترمذی شریف کا جو نسخہ دوسرے عاجز پڑھنے کے لئے لایا تھا، قبل میں دبا سے طلبہ کے ساتھ دورہ کے شمالی سمت کی طرف بالافاضہ پر جو ایک وسیع وطن کوہ تھا، اسی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی پڑھاتے تھے، اور شاہ صاحب بھی، اہل سی کرے میں حاضر ہو کر طلبہ کے مکتبہ میں کسی جگہ بیٹھتا، زیادہ تر پچھلی صفوں میں ہی میرے لئے جگہ مکتبی دوسرے طلبہ پہلی صفوں پر قبضہ کر لیتے، ماسی لئے میں ایک سربراہ خیال تھا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں اس فقیر پر بڑی مہربانی، البتہ کبھی بھی کوئی غمزدگی بات دریافت کر لیا کرتا تھا، ممکن ہے، اس کی وجہ سے خلا کا موتے حضرت والا کوں جانا ہو لیکن اسی پراس طلبہ کی بھڑکاس کی توقع کہ سوال و جواب اور وہ بھی معمولی طالب علم

انوار کے، ذاتی قدرت کا ذریعہ بن جائیں گے، یقیناً بنیاد ہی ہو سکتی ہے پہلے یوں ہی دن گزرتے رہے۔

حضرت شیخ الہند کا درس

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی شان، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس سے مختلف تھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دوسرا اوٹھے ہوئے مارکر سر کا موسم ہوتا، اور شاید درس کی زبان سے شریعہ ہوا تھا، جاڑوں کی زیادہ تھا سر پہ دوپٹی ڈھٹی، بدن میں کھادی کالیا کرتا، کھادی ہیکل کچا اس لباس میں ہاتھ میں لیٹھا لے ہوئے، زینہ سے شریف لاتے، درس کے کمرے میں اکٹ گرد آج کل کے ازاروں سے خاص طور پر اسی لئے بنایا گیا تھا کہ بواہر کے سون کی جڑے عام قسم کے گدے پر اکٹ کو تکلف ہوتی تھی، اسی گدے پر بیٹھ جاتے، دوسرے کے اندر کوسک ہوتا تھا ان کی انگلیاں تیس کے دائروں کے پھرنے میں مصروف ہیں، طالب علم حدیث پڑھتا جانا، اور آپ سنتے جاتے، دورہ میں ترجمہ زبان اردو کا قصہ ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے کنگڑے میں حدیث کا متن طلبہ پہلے پڑھ چکے ہوتے، کہا جاتا ہے کہ دورہ میں شریک ہونے والے طلبہ ترجمہ ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے بطور "سرد" کے ایک حدیث کے بعد دوسری حدیث، دوسری کے بعد تیسری حدیث گزرتی لی جاتی، لیکن کبھی بھی "ہاں" طے کے سوا شیخ الہند کی زبان مبارک پر مشکل کوئی آندا تھا، گویا بطوری ایک خاموش درس تھا۔ جب کوئی ایسی حدیث آجاتی، جو بظاہر مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر متنی مذہب کے خلاف ہوتی، اور پڑھنے والا طالب علم خود رک کر دریافت کرتا یا دوسرے طلبہ پوچھتے، حضرت یہ حدیث تو امام ابوحنیفہ کے قطعاً خلاف ہے، جواب میں مسکراتے ہوئے یہاں شیخ الہند کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے "غلات تو بے بھالی! میں کیا کروں؟ ہاں آگے چلیے"۔ طالب علم عرض کرتا کہ حضرت! آخر امام صاحب کی طریت

کوئی جواب اس کا دیا گیا ہے؟ تمہاری کتابوں میں کچھ لکھا ہوگا پڑھ لینا۔ یہ فرمایا
 ٹال دیا جانا، طالب علم صبر ہوتا کہ آپ اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ فرماتے۔ تمہاری بڑے
 بڑے علماء کے جو حاشیہ تمہاری کتابوں پر پڑھے ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھ لو طالب علم
 امر واجب حد سے تجاوز کر جاتا، جب نہایت جمل الفاظ میں کچھ اجالی اشارات
 فرمادیتے۔ اسوقت ان اشاروں کی اہمیت محسوس ہوتی تھی لیکن گمراہ کو کوئی سہ
 ٹک تھیرے کہہ سکتا ہے کہ زندقہ میں بعد کو بڑے پڑھانے، لکھنے لکھانے کے طریقے
 ملے ہیں نیز مالک کے حق میں کہ انہوں نے کتب شیخ الہند و ابن العربی کے ان جوابی
 اشاروں کا وزن روز بروز کم ہوتا ہے۔ مگر ہونے کے برقع ہی چلا گیا، ایک
 نہیں، غلطیات کے سلسلے میں میںوں مسائل میں آخری شخصیت بات وہی ثابت
 ہوئی، جن کی طرف حضرت شیخ الہند اجمالی اشارے فرما دیا کرتے تھے، عام علم
 والے طلبہ پر ان پختہ باتوں کا ابتدا میں اثر نہ ہوتا، وہ پھر اعتراض کرتے، شیخ الہند
 زرا زیادہ گہرے ہو جاتے، اور یوں کہتے کہ استاد علموں کو فکر و تحقیق کا خاص
 طریق ہے وہ عادی بناتے، لیکن ماہر سے دیکھنے والا شیخ الہند کے اس سیدھے
 سادے طریقے درک سے اگر گستاخ نہ ہوتا، تو جو رنگ تھا۔ ظاہر بقضاء اس کا یہی
 ہو سکتا تھا۔ چاہے تو یہ ہے کہ کمالی نے کسی کے بغیر اس قسم کے درک کی ہمت علم سائنس
 میں شاید پیدا نہیں ہو سکتی، اس منظر ان طریقہ تدریس نے بالآخر رکھے اس فیصلہ
 تک پہنچا دیا کہ یہ پیراں خود حد سے زیادہ شاقب ذہن کا مالک ہے۔
 ان کی غیر معمولی وقار و فطرت کا اندازہ بتدیج ہوتا رہا، لیکن پھر بھی ذاتی تعاقبات
 کی صورت پیدا نہ ہو سکی، کبھی بھی دل میں یہ پراکت آتی تھی کہ مگر سچ کر شناسی تھا
 کا شرف حاصل کر دل لگنا اب غفلت مانع آجائی تھی خیال آتا کہ اتنے دونوں سے
 حضرت سے متفید ہو رہا ہوں، اور ملاقات کی توقع نہ ہوئی، اب کس مزے سامنا
 کروں۔

ایک عجیب و غریب ان کی کیفیت

انہیں حالات میں تھا کہ ایک ایک
 میرے اندر ایک کیفیت شروع
 ہوئی، عجیب کیفیت، خصوصیت کے ساتھ زیادہ تر کیفیت شیخ الہند کے طرز
 درس میں جہاں تک یاد آتا ہے، زیادہ شدت پذیر ہو جاتی، اس وقت تو اس
 کے ذکر سے بھی جی گھبراتا ہے لیکن جب واقعات ہی کے نکلنے پر آمادہ ہو گیا ہوں
 تو اس کا ذکر کیسے نہ کروں،

ہوئے یہ لگا کر جو ایسی حدیث شروع ہوتی، اپنے ذہن میں الجھنوں کے طوفان
 کو پاتا، طرح طرح کے شبہات، مہر حدیث میں ہوتے، بیشبہ طالب علمانہ اور مولیانہ
 نہ تھے، بلکہ مصیبت یعنی کفرات و اسباب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے۔ البتہ بالذکر
 ان نصیحت اور گندے دواؤں اور خیالات کا عموماً تعلق ہوتا، بزرگانوں کی ایک
 آگ تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ میرے باطن میں ہلک کر اٹھی ہے، دو گھنٹے تک سوسو
 ترقی شریعت کا یہ درک مسلسل جاری رہتا، اور ایک سیاہ کار یا سیاہ میزبان کو غفلت
 کے اندر ان ہی شکوک و شبہات کی آتشیں لہروں میں جلتا ہوتا رہتا، مہر حدیث یہ سیکھ
 لئے، دیگمانی اور مولیٰ کا حقیق کیا فیثی علی جاتی تھی، دماغ صرف بزرگ اندیشوں
 اور یادہ باتوں کا کاغذ نہ بنا ہوا تھا، درکنس فارغ ہو کر جب اپنی خود لکھی جگہ
 قبر میں آتا، تو تھمتی میں درک سیکھنے نفس، دل و دماغ کے ان عجیب و غریب نشانات
 کو سچ سوچ کر لیا کرتی، کہ کس طرح گھٹا چلا جاتا تھا، اس میں شک نہیں کہ قدیم
 فلسفہ کے ساتھ انباروں اور رسالوں کے ذریعہ موجود، الہامی روحانیت سے
 گزرا وقت ہونے کے سوا کچھ ضرور ہے تھے لیکن بعد ازاں اس شخص وقت جہاں تک
 یاد رہتا ہے کبھی نہیں گزرا تھا کہ کوئی کی آخری بنا و رسالت محمدؐ کو نہ اس جہاں اللہ سلام
 و رحمت کے متعلق شک و شبہ کہ کوئی کاٹنا دل میں بھی کھلکا یا چھاپا ہو، اور یہی بات رشتہ
 ایسا ہی حدود سے بہر حال اپنی سیاہ کاریوں، اور باعالمیوں کے باوجود درجہ ہونے

میں جیتا تھا لیکن دل و دماغ پر اب جو دورہ پڑا تھا جس پر وہاں کہہ دین کی گزری
چنانچہ کسی سے پاؤں والیا ذرا سہل نہیں رہا ہے۔ اُت اس نادہی اور اچھری کا
اسب بخیال آئے ہے، تو کتاب اللہ اہل گھبراہٹ کر بھی تین تہا جنگوں اور گھیتیں
کی حالت نکل جاتا غلط فہمیاں انہیں خیالات و وسوسوں میں ٹپتا رہتا باتیں ایسی
تھیں کہ کسی سے ذکر کر کے دل کی بھڑاس بھی نہیں کال سکتا تھا، گویا ایک اغدرونی
آگ لگی ہوئی تھی جس میں کڑیں رستا رستا تھناتھن اور دوسرے کی شدت روز بروز
بڑھتی ہی چلی باقی تھی، مگر نازل میں سوچنا تو یہی سوچتا، وہاں سے یہی کہتا کہ پروردگار
کیا حال ہے، میں دین کو درست کرنے کے لئے دارالعلوم میں حاضر ہوا تھا، لیکن
بہاگیا جو سرا بھی دین و ایمان کا تھا، میرا لٹا لٹا ہوا ہے، میں کوئی کلمہ کا زور ہا، یاد نہ رہتا
ہے، گھبراہٹ میں تھناتی تھی کچھ بھی نکل جاتی تھی، ایسا معلوم ہوتا کہ میرا گرنوالے نے ختم
ہی کے لئے مجھے شاعر پیدا کیا تھا، حالت جب حد سے زیادہ زہل ہونے لگی، تب ایک
خیال یہ بھی سامنے آئے لگا کہ میں دارالعلوم کو گھوڑ کر چلا جاؤں، متعدد بار یہ فیصلہ
دماغ میں آیا لیکن فیصلہ فیصلہ کی صورت اختیار نہ کی۔

شاہد انیس دنوں میں عید الاضحیٰ کی مناسبت کی وجہ سے وہاں کے لئے در در جب
بند ہوا، تو ٹیکسٹ شریعت، منگور، رٹ کی وغیرہ پیدل سفر دوان دارانگ میں بھی بھرتے
کیا جو وہ ایک مستقل راسخ ہے، جو قحط، قحط کا ختم کرتے ہوئے اپنے ایک جزیرہ سفر
بزرگوار دارالعلوم کی کے زمانے میں گزری کی گزری کی مسافت کے حالات تلمذ کو کلام
(آخر کتاب میں ملاحظہ ہوں)

قدرتی دیکھری | یہاں اسی عرصہ میں ایک قدرتی دیکھری کی شکل سامنے
آئی، جماعت دو ہند کے ایک آدمی دکن بزمہ شریف منتر
امیر شاہ فراتہ مقدمہ منظر چھو جہاں ان کا مشفق پیام تھا، وہیں سے اپنے دوستوں کے
مطابق دارالعلوم میں اسی عرصہ میں شریعت فرما ہوئے، رات کو ایک دن وہاں قحط کی

درجہ کے پیچھے مولوی محمد حسن چاند پوری جواس زمانے میں ایک جوان غلام تھے، اور
اکثر فارغ التحصیل ہونے کے بعد بحیثیت معلمین المدارس کے دارالعلوم کے قحطی کا سہارا
کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے تھے، ہم عمر کی وجہ سے مولوی محمد حسن سے کافی رسم و رواج
پیدا ہوئی تھی، ان کو اڑیس عیسائیوں وغیرہ کی مناظرہ بازیوں کا شوق تھا، جس سے
تھوڑی بہت لڑی اس زمانہ میں فقیر کو بھی تھی، زورہ میں مناظرہ کی شے کی مجلس عہد
کی راتوں کو گھنٹا بھر گزرتی تھیں، مولانا محمد حسن صاحب مرحوم صدارت اور مقرر ہونے
کے فرائض عموماً انجام دیتے تھے، مناظرہ کا ایک فرق مولوی محمد حسن کے مقابل میں
عموماً فقیر ہی ہوا کرتا تھا۔ انہیں مختلف وجوہ سے، ان کے کہے میں میری بھلائی
رہتی تھی، یاد پڑتا ہے کہ میرے بعد ایک دن ان کے گھر سے میری سسلہ پر ڈالیا
آواز سے مجھ کو اس گھر رہا تھا، میری آواز سے امیر شاہ خاں کو متوجہ کیا، اور مجھ سے
بازو شک کر دینے میری باتیں سننے رہے، اور پھر چلے گئے، دوسرے دن دریا
کی کمر سے طالب العلم کو ان میں جو رات کو نہیں کہہ رہے تھے، لوگوں نے تہہ بٹلایا، اب
یاد نہیں کچھ بٹلایا، یا جس کے مجھ سے خود قدم فرما کر، بڑی شفقت سے ملے
پر چھنے گئے، تم نے کہاں کہاں پر چلے ہے؟ اور کہاں کیا چلے ہے؟ جو واقعہ قحط میں
دیکھا، چند ہی دنوں میں ان کی خصوصی قہجیات کامر کر گئی، بڑے پردہ کی باتیں اس
معلوم ہوتی تھیں لیکن میرے دل کی ایک کاپانی ان کے پاس ہی رہتا تھا، جب ان سے
اس اتنا زیادہ بڑھ گیا، تو میں خیالات کی کیفیت میں الٹ پلٹ رہا تھا، آخر زمان
ہو کر ایک دن تنہائی میں امیر شاہ خاں کی خدمت میں انتہائی بے بسی کے ساتھ اپنی
قدحی آواز گئی کہ رو دو رستہ ہی دے

پند پیر دانا

اس سرد و گرم مشیدہ پیر دانا نے خود سے مجھے
درد کی داستان سنی، مس کچھ سن لینے کے بعد لوٹے
اپنے ان خیالات کا تذکرہ اپنے استاد مولوی محمد حسن سے کون نہیں کرتے، میں نے

آید ہرگز نہ کہ کسی نے ان کے دربار تک پہنچنے کا موقع میرے لئے باقی نہیں رکھا ہے، مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے دن دار بند میں گزار گئے اور حضرت کی خدمت میں حاضری کی توفیق میرے لئے نہ آئی۔ اپنے سنا کرتے ہوئے نہایت اور مخالفت محسوس ہوتی ہے۔ خال صاحب نے اس پر کئی دفعہ کلمات فرماتے ہوئے کہا کہ میں تم کو مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچوں گا، ان سے منور ہوں، اور جو حال ہے، انکو ان پر پیش کر دو، وقت بھر رہ گیا۔

شیخ الہند کی خدمت میں حاضری | شاید عصر کے بعد ہی دن، امیر شاہ خال صاحب مرحوم اپنے ساتھ لیکر

حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، بان کے ایک بنگلہ پر تشریف فرما تھے، سلام کیا، مصافحہ کا شرف حاصل ہوا، امیر شاہ خال نے فرمایا کہ یہاں کے خیر کار میں دورے کے طالب العلم ہیں، آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں، ان سے یہ کہ حضرت نے فقیر کی طرف خطاب کر کے فرمایا: آپ تو حدیث کے

درکن ہیں کہتے ہیں یہ بیچارہ تو تھا جس سے علوم ہوا کہ اگر ان کو حضرت والا کے لئے جیسا کہ میں نے کہے ہوئے تھا غریب قطعاً قبول لفظ ہونے کی حیثیت تو نہیں رکھتا۔ اتنا برجال دو بھی جانتے ہیں کہ ان کے حلقہ درکن کا ایک طالب العلم میں بھی ہوں، پھر فرمایا کہ

آپ کی کمنا پاتے ہیں۔ شاید اس وقت غفلت کی، درخواست میری طرف سے پیش ہوئی، جو منظور ہو گئی، اور غالباً برآمدے کے بعد وہاں حضرت کی نشست گاہ میں ہے وہاں تشریف لے گئے، اور جب کوئی رخصت نہ ہوا، امیر شاہ خال صاحب مرحوم بھی نہیں تو بھلائی ہوئی آواز میں دیکھ کر انساں شروع کر دیا، جو دل پر گزرتی رہی

تھی کہ وہ کامت میں کرتا رہا، سنتے ہیے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے داستان جب ختم ہوئی، تو وہی بات جو انتہا زیادہ ہو گئی اور طویل نظر آتی تھی، شیطانی کی آنت سے بھی زیادہ طویل، صوت ایک فقرے سے سکر گئی، اور ہمیشہ کیلئے سکر گئی،

میں ختم ہو گئی، ارشاد ہوا "مولوی صاحب! اب اتنے پریشان کیوں ہیں اپنا یہ جب آپ کے لئے آستانہ گوارا کر، تو بے ایمانی کی نہیں آپ کے ایمان کی دلیل ہے، ان دہشتہ آقاں حالات میں اتنا پریشان ہی کیوں ہوتے، بعد کہ یہ معنوں کے نبوت کے ارشادات میں بھی ملائیں پہلی دفعہ حضرت شیخ الہند کی زبان مبارک سے الفاظ اس طرح نکلے کہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ تھا ہی نہیں، مطلقاً نہایت اور داشت اور میں سے جیسے جیسے رکھتے تھے، یہ دیکھ کر تب ارشاد ہوا کہ آپ کے کہاں کہاں لایا گیا رہا ہے، اپنی بیوی دو دار سدا ہی تھی، زیادہ وقت قدر فلفلہ اور غفلت کے میں صرف ہوا تھا، یہ معلوم کر کے فرماتے گئے، کچھ آپ کی پانچاٹھ چلے گئے ہیں، یہی سب کچھ باہر نکل رہا ہے، دلچسپان ہونے کی بات نہیں ہے، شاید بے اختیار کہ ساتھ عرض رہا ہوا کہ حضرت میرے لئے خواہ کچھ بھی ہو، اب یہ حالت ناقابل برداشت ہے، میرے لئے اس قسم کے سوا کس داؤد کی حیثیت سے بھی ہوں ناقابل تحمل ہیں یہی دلیل خطے میں ہے۔

مدہ کرامت | اب خواہ دنیا مانے یا نہ مانے، لیکن اپنے ذاتی تجربے کا بیان کیا کروں، جواب میں فرمایا کہ مولوی صاحب! اجاڑا آپ کا شمار اور کسی قسم کا شک کم نہ ہو گا، یہ یا اسی کے ہم قسمی الفاظ تھے، آج کے تقریباً چار سال پہلے، اگست کے ایک روز گزیدہ دوست کی مبارک زبان سے یہ بات نکل گئی، اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی ذمہ دہانت ہو کر اس طویل عصر میں رات بھر کسی قرآنی آیت، یا کسی غیبی نبی کی قسم کا کوئی شہد ایک تو یہ نہیں سمجھتا، یہی ہوتا ہو کر کوئی ایسی چیز سمجھنے آتی ہے، تو اس کے دل کے مختلف دماغ میں آجاتے ہیں، اور یہ نہ ہوا تو اجمالاً ایک محسوس ہوتا ہو کہ اس کا جواب دے دو، خواہ اس کی تفصیل کی قدرت اس وقت سرمدت مجھ میں نہ پائی جاتی ہو، گو کہ لیکن غفلت ہو گئی ہو کہ وہی دل جو رزائل اور پتاں دہتا تھا، گویا ایسا چٹا کر خواہ کچھ بھی

گزرے وہ اپنی جگہ پر سے نہیں ہٹا، اسی لئے میرنا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دفعہ کرامت خود اپنے آپ کو اپنے دل و دماغ کو اپنے ذہنی دھماکے میں لایا کہ کونجھت ہوں میں کیا تھا، اور کیا ہو گیا، بعد کچھ حالات نے مجھ کو جو کچھ بھی بنا دیا ہے، لیکن اس وقت جو صورت پیش آئی تھی کہ نہ سکتا تھا۔

ذرا بودیم آفتاب شدیم
سنگ خار ایدیم آب شدیم

ذاتی تبارک کا بندہ و راہہ انکے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مکمل گیا، اور ملازم درگاہ کے حضرت والائی غامی محبتوں میں شرکت کی سعادت تھی اس کے بعد کچھ اللہ میرے لئے فرمایا۔

حضرت شیخ الہند کا ارشاد مبارک یہی جاؤ اب کی قسم کا دوسرے نہیں ہو گا تقدیراً جاسم سال پہلے کی بات ہے، صبح الفاظ یہی تھے اس کے قریب قریب، لیکن مفاد و مقصد یہ بھی تھا، وہ دن تھا، اور آج کا ہے۔ اس عمر میں کیاں کہاں جانا چاہا کہین کن مخلوق میں شریک ہونے کے مواقع میں آتے رہے، کیا کیا نہیں سنا، کیا کیا نہیں سنا، اور کس سے بھی ملتا، اور کچھ لے بھی لیا، طلب رہا، بھرتے ہوؤں سے ملنے بیٹھ رہی تھی، لیکن ان کی یہ کرامت اب تک قند ہے کہ کبھی ان کی خطرات کے سوا انہیں کچھ کا اندر شاید کچھ نہ تھا کہ ان کے اسلامی دین کے عقائد و احوال، قرآنی آیات، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی حد تک ایسا اسلام ہونا چاہتا تھا، لیکن ان کی طرف سے ہر بات کی بھر پوری اور دماغی برائی تھیں، وہ گویا سو رہے، پہلے بھی یہی قرآن و حدیث پڑھتا تھا، مگر دوسروں کی بڑھاپوں کیساتھ پڑھتا تھا۔ اور وہی قرآن اب بھی پڑھتا ہے، حدیثیں بھی ابھی نظر آتی رہتی ہیں، لیکن ان کے لئے کہ ان کے لئے کہ ان کے لئے کہ ان کو بھی ہوتا ہے کہ وہ نہ ہاں، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

اس اعجازی اثر کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مرتدہ و زنا و غیر الخیرات سے اپنی مجلس مبارک سے دور رہا۔

بدلا ہوا رنگ

دوسرے دن حلقہ درس میں حسب دستور حاضر ہوا حاضر کا یہ رنگ گھبراہٹ سے ان کے رنگ سے مختلف تھا، ہر زبان جو اس کے بعد آتا تھا، اس میں بولا ہوا رنگ بخت سے بخت ہوتے نہ لگا، اب ان کی ہر بات کا دل سے گزرتی، دل میں کتنی ہی عجیبی حالت تھی اور میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، حضرت والا خود اپنی طرف سے بہت کچھ کہتا رہتے تھے، طالب العلم جب پوچھتا، اور پوچھنے میں اصل رکھ کر اس کا استفسار کرتی تو بڑے ہی جانا، تب جواب دیا کرتے، اور اس میں بھی مست اظہر کا عادی طلبہ کو بتاتا جاتا۔ اب سمجھ کر آتا ہے کہ طالب العلم ہی خود اپنے سوالی کو حل کرے، بحث کے اس طریقے سے چاہا جاتا تھا کہ اس کا ملکہ اور طریقہ اس میں خود پیدا ہو، خود فکری کا عادی ہے، غلط بات میں جاسم برس گزر جانے کے بعد سوال و جواب کے وہ سلسلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک مل و ملاج میں تروتا نہیں ان کی بتائی ہوئی گھٹائیں، اور کھائے ہوئے شیر بے اپنی آئندہ بھی و تدبیر کی زندگی میں ہمیشہ و شیر کی کرتے رہے، علاوہ تمام مباحث و مسائل کے بھی ایسے عین نکتہ منقہ میں آجاتے تھے کہ آج بھی ان کو سوچ کر سر دھنا ہوں۔

محبت نبوی میں نفسانیت

بخاری شریف کا سہم چور ہوا تھا، مشہور حدیث گزری کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کے مال اور جان کے اڑھائے اس کے انساؤں سے زیادہ میں اس کے لئے محبوب نہ ہو جاؤں، و لا یكون احدکم مومنًا حتیٰ اکون احب الیہ من مالہ و ولدہ و الناس جمعین (راؤ کا قال)

(۱) یہاں حدیث کے الفاظ میں کچھ تراجم ہو گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں، وانی الخیر،

تبدیلیوں کی داستان عجیب

یہ تبدیلیاں اتنی سرعت اور
اور تیزی کے ساتھ اثر انداز
ہو رہی تھیں کہ چند ہی دنوں کے بعد جوہر نے ثابت کیا کہ سیکس پر جو کچھ تھا شاید
چھین گیا۔ جرح جنسی خصوصیتوں کے ساتھ دارالعلوم کے احاطہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے
دیہاتی تھیں، اور درودہ شخصیت تھا اور جو برہمن تھی اس میں اس کی اصل میں ہوں، اور بہت
کی باتیں اور گفتگوں کا پکا ہوں، ان میں ایک یہ بھی ہے!

ہوایا کہ انہی دنوں میں جب یہ تقریریں ہوا تھا۔ دل بدل رہا تھا، اندر بدل رہا تھا،
بایں بدل رہا تھا، دارالعلوم کے چند طلبہ بھی ہوئے کہ مسقولات کی تہہ پر کتاب میرزا احمد
رسالہ انجیل پڑھاؤں، وہ میرزا احمد رسالہ انجیل کے پڑھنے میں رہا واقعہ کہ شاید رسالہ
بھرتے تاکہ مدت تو نمک میں موت ہوئی تھی حضرت الاستاذ مولانا سید برکات احمد ولد
میرزا نے یوں تو خلق چلنے یعنی مسقولات کی بھی چھٹی بڑی کتاب میں پڑھ کر لی تھی
مجھے پڑھائی تھی، لیکن میرزا احمد رسالہ کے پڑھانے میں جو طریقہ اختیار فرمایا تھا، شاید
وہ دنیا اور جنسوں میں طریقہ تھا، میرزا احمد کا مسقولات چلنے یعنی مسقولات کی تہہ پر کتاب میرزا احمد
مسقولات کے پڑھائی تھیں، ان کے بعد ان مسقولات کی شرح میں میرزا احمد نے اصل شرح
میرزا احمد لکھا ہے، اسے پڑھتا، اپنی شرح پڑھ دینا پڑھنے جو فوٹ لکھے ہیں، اور کاتھولک
میں قرآن کو پڑھتے ہیں، اس کی تہہ پر کتاب میرزا احمد کی شرح میں پڑھتا ہے یعنی میرزا احمد
کے خوشی پڑھانے جاتے، غلام بھی کے حاشیے پڑھتا اور عبدالحق تیرا بادی کا جو طریقہ
حاشیہ ہے، وہ پڑھایا جاتا، پھر خیر آبادی حاشیہ پڑھتا، پھر خیر آبادی حاشیہ پڑھتا، پھر خیر آبادی حاشیہ
پڑھتا تھا، اسے بھی پڑھنا پڑھتا، یوں کہ ہر قسم غلام کی مجال کے ساتھ میرزا احمد
اور ہوئی تھی، پڑھنے میں جہاں تک یاد آتا ہے ممکن تو ہو جو کچھ ہے ہو سکتی تھی کی کوئی
تھی اور وہ زبان میں استاد بنے تھے، ہوئی تقریروں کو بھی قلم بند کرنا چلا گیا، غلام ہے کہ
اس خاص طریقے سے پڑھی ہوئی کتاب کے پڑھانے میں خوارہی بھی کیا محسوس ہوتی،

اس کے آثار نے میں، جیسا کہ چاہئے، اب تک صحیح معنوں میں کوئی کمیاب نہیں ہو چکا
ماضی الذیہا طارین جو حضرت اندر کی شرح بخاری دوسرے پہلوؤں کے جسے جسے
بھی نکل شیعہ ہو لیکن تراجم ابواب کا تصور ان کی شیعہ کے بعد بھی ہی سمجھا جاتا ہے کہ
ہنوز زشتہ ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ طلبے بھی تراجم کے عمل کو اپنی بحث کا موضوع
خاص بنا کر مستقبل رسالہ ہی ارقام فرمایا ہے، کوئی چیز نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے اس
صالے نے بخاری کے تراجم ابواب کے کھنڈے کی نئی شاہراہ شاید پہلے دفعہ کوئی ہی ولی اللہ
ماہی جو شیخ احمد رحمۃ اللہ کے سامنے دراز کرنا

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تراجم ابواب کی بحث شیخ احمد رحمۃ اللہ کے طلبے میں
چھڑ پائی تھی، تو حضرت ولی اللہ بھی خاص حال طاری ہو جاتا تھا۔ اور سننے والے بھی
جو جبریت نہ جانتے تھے، وجد کی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا مجمع ڈوب گیا ہے کئی
علیٰ زور و سہم اندر کا منظر قائم ہو جاتا تھا، خود وہ بھی مل جاتے تھے، اور سننے والے بھی
کھلے جاتے تھے، ان سے معاف، جدید خاقان جو کچھ سنے گئے، اور پڑھ گئے، معلوم
ہوتا تھا کہ ان سے پڑے سٹ ہے میں، دل کی گزیریں وہاں پہنچ جاتی ہیں۔

اپنے تراجم میں امام بخاری کا تادم ہے کہ قرآنی آیاتوں کو حسب ضرورت شک
کرتے چلے گئے ہیں۔ اس بیان سے ان قرآنی آیاتوں کے پڑھنے کے جاننے ہی کا
موقع نہیں ملتا تھا، بلکہ قرآن مجید کی کسی راہ میں بھی عقلی تھیں، اور میں کیا تاؤں کو تہذیبی
شریعت کے دیکھ کے بعد، بخاری شریعت کا درجہ جب شرح ہوا تو دل کے لئے بھی اللہ
رباعی کے لئے بھی کسی لذت و فراغت نہیں تھیں، اسی خوارہ میں، جو عقل کی کسی کتاب میں نہیں
نہ تھیں، وہ ادب میں اور کسی اور فن میں نہیں، دوسروں کے متعلق کچھ کہنے کا
خارہ ہے، مجھے کیا حق ہے، لیکن اپنی حد تک یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرزا احمد بھی بدل رہا ہے اللہ
اندوہی۔

قلت فرصت کے صلے حاصل ہے کہ دن تو طلب کرنا تھا مگر لیکن میرے جیسے حوالے کام
دکانے، اور پڑھانے کی نایاب بھرنائی کی سب سے دیر شروع ہو گا۔ یہ وعدہ کر کے کہ خطبہ
سے مولوی عبدالحق تیرا دی کا حاشیہ میرا زاد رسالہ الا شکل لایا، اپنے ذاتی مطالعے سے
فارغ ہونے کے بعد باکریک نظر اس حاشیہ پر ڈال لوں۔

ابتیس سے تیرے کا آغاز ہوتا ہے، وہی کتاب جو انہماک توبہ کی مذکورہ بالا تصنیف
کے ساتھ پڑھی گئی تھی، شاید یہی کتاب ہے اس بیان کو تسلیم کر کے لکھا لیکن کیا کہنے کہ
یہی واقعہ میں آیا کہ پڑھنے کے لئے کتاب کی طرف توجہ نہ دیا، موت بڑھانے لگا، تو
ایسا محسوس ہوا کہ اس پر لڑوہ طاری ہے، دل دھڑک رہا ہے، باطنی ریکارڈا ہے، کچھ
بھونک رہے ہیں جس کتاب کا مطالعہ میسر دل و دماغ کا لذیذ ترین شغل تھا، اسی کتاب کے
ساتھ دل کے قلعے کا آخر پر کیا رنگ ہے، کاغذ پڑھا، سوچنے لگا کہ بھڑک کر دل خیال
آیا میرا حال خواہ کچھ ہی ہو، لیکن کل طلبہ بچا دل آئیں گے، اگر اس وقت کل کے درس کے
لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کیا جائے گا، تو سارا بھر مچا جائے گا، ٹونک کی نسبت سے
میری طبیعت اور مستحکمیت سے طلبہ کا فرح و عجب، غرض مولوی عبدالحق اس اور انہماکی
کو نہ کہ بچوں میں گرفتار تھا، آخر مولوی کی اذیت کا خیال غالب آیا، اور جس طرح
بھی ممکن ہوا کہتے ہوئے عرض انگلیوں ہی سے کتاب کو لٹی پڑی، مگر وہ دماغ قابو
میں تھا، نہ دل، مگر بالآخر مطالعہ میں داخل ہوتا ہوا پڑا

عبرت تراک خواب

اس کے بعد ایک عجیب قدر پیش آیا، حالانکہ مطالعہ
کرتے ہوئے، سوچتے ہوئے، اور چند اکٹائی، چند میں دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکے
خلاف حادث کتاب پر چڑھ گیا، اور نیند آگئی، چند میں دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکے
میں میدان میں ہوں، اور چاروں طرف سے جنگلی شوق جو کرتے ہوئے میری طرف سے
بڑھتے چلے آتے ہیں، ان کو دیکھ کر میں بھاگتا ہوں، مگر کسی طرف سے نہیں چھوڑتے
دیکھا کہ سامنے ایک درخت ہے، درختوں کے صلے سے پہنچنے کے لئے میں اس درخت پر

چڑھ گیا، اور درخت کی کسی اونچی شاخ پر بیٹھ گیا، پھر بھی دیکھتا ہوں کہ سرور دلے
درخت کو گھیر رکھا ہے، اور ہر ایک میری طرف جھانک رہا ہے، سخت پریشان ہوں
باہمی ان سرور دلے کی نجات کی کیا صورت ہوگی۔

یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا تک کیا دیکھتا ہوں ایک شخص سامنے سے چلا آ رہا ہے،
باتھ میں سے ایک گھوٹی سی بندوق ہے، آہ بندوق سے مسلسل سرور دلے زنا کر نکلتا
جا رہا ہے، کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی، کسی کے سینے پر گولی کی، سرور دلے میں جھلک رہی ہوئی
ہے، چند ہی لمحے میں ان کی ڈاڑھ تر تیر ہو گئی، درخت ہی پر دل میں خیال ڈال گیا کہ توفیق
دار خزانے یہ صاحب جو اچانک نذرانہ ہوئے حضرت مولانا سید حسین احمد دہلوی میں شاید
اسی کے بعد آکر کھل گئی، دلچسپ لطیف ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد دہلوی کے نام سے
تو واقف تھا لیکن حضرت والا کے حال جہاں آ کر ان کی دیکھ کر شوق سے اس وقت تک
میری نگاہیں بند و قوم نہیں، تیس سوچتے ہوئے، اس وقت یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ توفیق
ربانی کی مثالی شکل اس نام کے ساتھ میرے سامنے آئی تھی، مگر چند ہی دنوں کے بعد اس
خوابیدہ بخت کے طالب پیدا نے یہ قاتر دکھایا کہ حضرت مولانا غلام مدنی منورہ سے
دو ہندو شریعت فورا ہوئے، پہلی نظران پر پڑی، اور ان تک یاد ہے کہ خواب میں جو کچھ
دیکھا تھا وہی بیماری میں دیکھ رہا تھا، وہی شکل، وہی شکل، وہی خط، وہی خال،
یہ کیا اس وقت میں بیٹھے بیٹھے ہو تھا۔ اور آج تک وہ معمول نہیں ہوا ہے، جو حضرت مولانا
سے ایکسٹ زائد وہ خود پوچھا چکے ہوں، لیکن خواب کا مطلب جس عجیب پوچھا حال دیا گیا۔

حیرت اور حسرت کی تلخی کیفیت، دل میں اب بھی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس
رویا کے بعد میرا خیال اس کے سوا اور کار ہو سکتا تھا، گرفتار کچھ بھی اثر ہو، طلبہ کچھ بھی نہیں
لیکن سرور دلے کو جو چیز سے سامنے آئی تھی، پھر اس کو بجز ان کیسے خیال کر سکتا تھا
کچھ بھی ہو، جو وہی کہ فیصلہ کی رات کے بعد صبح ہوئی، طلبہ آئے، کتاب میں لے ہوئے آئے
غواب تو ایک راز تھا، طالب علموں سے اس کا ذکر تو کیا بہت صرف کہیں کیا کہ اس کتاب

کے چڑھنے کی صلاحیت مجھ میں باقی نہیں رہی ہے، اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔
پیارے نرہیدار آئے تھے، ایسے ہو کر وہ اس ہوئے۔

چہ گویم جلو ہائے دیدنی را | جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اس مسئلے

میں جب بخاری کا درس جاری تھا منہلہ دوسری خوش نصیبوں کی اپنی زندگی کی ایک بڑی کامیابی، اس میں اتفاق کو خیال کن ہوں کہ تحفیک انھیں دوزن میں جب شیخ الہند جیسے شیخ وقت سے ٹھٹھے کا موقع میسر آیا تھا، شیخ مدنی مظلما لعلی، ابیابک مدینے سے دینہ نذر شریف فرما دیئے،

اور تشریف لاکر مسجد نبوی کے حلقہ حدیث کا شیخ درس، طالب العلم کی طلبہ بخاری کی جماعت میں شریک ہو گیا، شیخ الہند استاد تھے اور شیخ مدینہ شاگرد، اس کے علاوہ

کایہ رنگ تمام ہو گیا، ہواں غریب طلبہ کا وجود اگر عدم میں کر دیا گیا ہو، تو اس کے سوا اور ہوتا کیا؟ بخاری بخاری کے استاد مدنی تھے، اور اس کے طلبہ سابقین کے باب

میں کیا بتاؤں کہ اس عجیب غریب درس میں کیا کیا کامیابی دیکھا، جنہوں نے نہیں سنا، انہیں دیکھا، سہیج کر ہی ان کو اناذہ کرنا چاہیے کہ ایک ہفتہ میں تمام طلبہ طلب

بن کر اپنے حصے زمانہ شریف استاد گرامی سے کیا پوچھا تھا اور جواب کیا پاتا تھا؟ اس

دعوت کی غامض منزل تک پہنچنے کے بعد یہ واقعہ ہے کہ طلبہ کی اکثریت بازو ڈال کر بیٹھ جاتی تھی، ایک ایک مسئلے پر شیخ الہند اور شیخ مدینے کے درمیان دیر تک گفتگو ہوتی

رہتی، یہ دن کے دو کھلاؤں کے دو بیچ کا یہ تماشہ بڑا دلچسپ تھا، اپنے لئے قوت کا

۱۱۔ واللہ اعلم بالصواب وحقاً، یا اسی سال کی حسبیت تھی کہ بخاری شریف میں، شیخ الہند کے بعد شروع ہوئی، تو اہل علم کے ممتاز استاد تھے، سید الامام ابو نعیم حنفی، جو کہ بخاری کے

دن کے درس میں طلبہ کے ساتھ عمل کر شریک تھے، کچھ جواب دہوں کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔

سب بڑا سراپا بھی ہے کہ اس قلم کے دیکھنے والوں میں اس غلام و جہل کی تحریک ہو کر کا موقوف حق سبحانہ و تعالیٰ نے آسان فرمایا۔

مزاحیہ لطیفے | کبھی کبھی مزاحیہ لطیفوں کا بھی تبادلہ ہوتا، یاد رکھیے کہ

کسی خاص مسئلے میں حضرت مدنی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ پر اس مسئلے میں امام شافعی ہی غالب نظر آتے ہیں، مگر اس کے ساتھ حضرت شیخ الہند کی زبان مبارک

سے یہ بات یہ فقرہ نکلا کہ

”ہاں پچھلے کی آواز تو میں نے بھی سنی لیکن نیچے کوئی ہے، اس کا آپ دیکھئے“

کہ شفقت و محبت کے غیر معمولی بذیات نے سخن گوئی کے میدان کو وسیع کر دیا تھا، کبھی بھی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ غلط فرماتے۔

آخر سنی کی عادت سے تم کو بھی متاثر ہونا پڑا، بدوں کی سمجھ میں یہ کچھ نہیں آسکتا۔

میرے لئے تو ان الفاظ کو نقل کرنا بھی بے ادبی ہے، اور یہ ہے، محبوب استاد اور محبوب تلمیذ کے

درمیان ہر دو زمانہ کے اتفاقات تھے، ان کا رنگ و بھسور انھیں بے تکلفیوں میں نکھرتا تھا، یہ سال ہزاروں اور لطف گرم کا سال تھا۔

حضرت مدنی کے حلقہ درس میں | شیخ الہند کے ساتھ شیخ مدینے سے بھی ذاتی شرفیں ٹھٹھے

اور سننے کا موقع آہی زمانہ میں میسر آیا، حضرت مدنی کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، دوسرے والوں نے دوسرے کا ایک سبق آچکے بھی سپرد کر دیا تھا، مدنی

میں پہلا موقع بھی تھا، آخری بھی، کہ براہ راست عربی زبان میں مطالب کی تقریریں اپنے استاد کے سنیں، حضرت مدنی مدینہ شاگرد کی مسجد میں زبان عربی درس دینے کے

دواہم باتیں | سیدنا حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تلمذ و صحبت کی سادہ باتیں، اس کو تادم بخت، یہاں کار کے لئے جس تکلیف

بھی سراپا اختیار و نازدہوں، کم ہیں لیکن انہی کے ساتھ تھے اعتراف کرنا چاہیے کہ حضرت والا کے دواہم باتیں کی طویل و درمیان صحبت میں اس قدر کراہی کسی زمانہ میں بھی نہیں تھی، نہ درمیان، نہ انگوٹھ میں وہ بھی لگا گیا، پھیل گیا میں ہلکا علاوہ اپنی پیچیدگی کے انشاء کو دیکھنے میں نہ ہوا، چونکہ واقعہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت والا کے ملحقہ درس میں، دوسروں کے ساتھ حاضرین کا موقعہ دوسرے

لئے بھی کراں کیا تھا، اور صورت حال ہی ایسی پیش آئی کہ توہم کی نسبت کیلئے حضرت شیخ الحدیث کے دست حق پرست تک مجھے پہنچا دیا گیا، درز اپنی سادہ اور لائق زہوں حالی کو جب سچا ہوں تو درمیان سچا ہوں کر یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟ حضرت والا کے ملازمہ میں کہاں امام غفری اور شیخ مدنی، اور انھیں جیسے اعلیٰ اکابر شریک ہیں، اسی طرح روحانی ترست بافتوں میں نہادی جاتا ہے کہ کتنے بڑے بڑے متقدموں اور گاہ انہی ہوں گے شکر کیا کیجئے کہ کراں کرنا لے لے کسی زمانے میں انہی باتوں کو کراں فراد یا تھا جن کا تصور بھی اب مجھے لڑنے ملازم کرتا ہے اور عجیب بات ہے کہ کچھ جیسے ایک عالم آدمی کے مافط میں حضرت والا کے مستقل درسی اہل بیت غفرانہ دینی میں جن کی روایت کا صحیح استحقاق و راسخ آستانہ محمودی کے برگزیدہوں کی حاصل تھا، کراں کیا کروں کہ باوجود کچھ نہ ہو کہ کچھ میں بھی نہ ہو سچ گئی ہیں، جی نہیں چاہتا کہ اپنی بے وفائی کا خیال کر کے اپنی دوزخ و دار باقوں کو اپنی ہی مذمتک حد و دھوکوں۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا مسئلہ | پہلی بات تو یہی ہے جب کہ توفیق سے

تھے خاکسار میں زمانے میں پڑھنے کے لئے دارالعلوم میں داخل ہوا، یہ دوزخ

تھا جب مولانا سندھی اور دارالعلوم کے ارباب باطنی وحدہ کے درمیان تمیزان برصحتی ہوئی، اس حد تک پہنچ چکا تھیں کہ دو بندے کی کارہوں کو دیکھ کر مولانا سندھی نے اپنا مستقر بنالیا تھا۔ اور نظارۃ العبادت انکر کرنے کے نام سے ایک خاص نوعیت کا تعلیمی ادارہ قائم کر کے چند مخصوص طلبہ کو قرآن کا درس اپنے ایک خاص نقطہ نظر سے دیتے تھے، ان طلبہ میں دارالعلوم کے سنا رہے تھے، اور غالباً کچھ دیگر بڑی تعلیم یافتہ حضرات بھی ان میں شریک تھے، اس حرم میں بھی مولانا سندھی مرحوم درجہ پنجاب تشریف لایا کرتے تھے، غرض اس کی توجہ حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات ہوئی، اور موقع مل جاتا تو ایک چکر دارالعلوم کا بھی لگا لیتے۔

خاکسار کچھ تو اپنی نوعی کبر و حسد سے، اور کچھ اس لئے کہ دارالعلوم کے ملحقہ طلبہ میں سیر و شہرت کو یا اس وقت ڈاکٹر تادوں کی تھی، اس لئے دارالعلوم کے طلبہ کی جو جامعہ ذہنیت ہوئی، اس کے زہا تر رہنے کو تھا، طلبہ کی ملحقے میں زیادہ باتوں تھا، اس کا تاثر یہ تھا کہ مولوی عبید اللہ سندھی صاحب دارالعلوم کے ارباب باطنی وحدہ کو کرنا رہیں، اس لئے ان طلبہ کی بھی خاص نگرانی کی جاتی ہے، جو سندھی صاحب کی جلتا ہے، جو کلمہ ہے چکر درویش کی تحلیلات ہوں تمام میں مولانا عبید اللہ صاحب کے نام ہی نہیں، بلکہ ایک مذمتک ان کے کام سے گزرتا تھا، دل میں ان کا غلط بھی تھی، ان کے ملحقہ تھیں بھی کچھ تھا، اس لئے جب وہ دارالعلوم کے ملحقہ نڈا آئے، تو یہ راستہ ان سے لے کر انصاروں میں پہلے تو ایک پھر سچ لکھیں یا بات نہ کرنا تک نہ پہنچے بلکہ ان کی ہر بات کو جھٹکا، لیکن ایک دن جب مولانا سندھی مجدد الہی عالم کے آخری مشرقی کرے میں بیٹھے ہوئے تھے، اس زمانے میں ماسے مرحوم و شہید دوست مولوی عبداللہ بن شریکوٹی دہرا دھان کی قیام گاہ کا بھی وہی چہرہ تھا، دھرم میں کچھ مدد کی خدمت انجام دیتے تھے اسی اناط میں غرض کرنا کہ جو کہ ان کو اعتراض کا بھی جو تہیہ تھا، مولانا سندھی کو دیکھ کر بے باتوں خیران کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کلام کے بعد جو باتیں ہوئیں عمل تو اپنی باتیں

رہی، ایک بڑا درہ گیا ہے۔

فقیر نے دریافت کیا کہ آپ کی علیحدہ جہد کا خلاصہ کیا ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں؟
جواب میں مولانا سعدی نے ۴ بات کہی تھیں وہ یہ تھیں کہ مولوی بہت زیادہ جتن میں پڑتے
ہوئے ہیں، اور تعلیم یا فزطیہ بہت اور نکل گیا ہے، مولویوں کو قویا جاتا ہوں کہ وہ آہستہ
کرادیں، اور تعلیم یا فزطیہ کو اسی طرح چاہتا ہوں کہ کچھ نیچے اتاروں، یوں مولویوں
اور تعلیم یا فزطیہ کو ایک جگہ برسرِ خواہش ہے کہ آئیں، اس زمانے کی بہت
کم مولانا سے ہمیں بھی کرتا جاتا تھا اور اہلِ اہلِ حق جاتا تھا کہ کسی صاحب کی مجلس پر
نظر نہ پڑ جائے، چند منٹ میں میری ملاقات مولانا سے ختم ہو گئی۔

اس وقت قرودہ دلی واپس ہو گئے، لیکن زیادہ وقفہ نہ گزارا تھا پھر دیوبند پہنچے
ہم اطلبہ کے مجمعے میں تھے، افواہ اڑھرا دھرے شہر میں تھی کہ آج کل دارالافتاء میں
مولانا عبداللہ سندھی کا مقدمہ چل رہا ہے، دارالعلوم کے اساتذہ ان سے ایک مجلس میں سکڑ
بحث و مباحثہ کر رہے ہیں، لیکن اختلافی مسئلہ کیا ہے، مجمع تعبیر ہو چکا ہے والے کچھ محکم
ہائیں ہو چکا ہے تبلیغ کے مسئلہ میں اختلاف برپا ہے اس سے زیادہ اور کچھ ترہ ذیل سے کہ
اجانگہ دارالعلوم کی مسجد میں دیکھا گیا کہ مدرسے دارالاباب سے نکلتے ہوئے اساتذہ
میں مجھے جان لے کہ خیال آتا ہے، بجز حضرت شیخ الہند کے سب ہی موجود تھے، بلکہ کئی
خاصی تعداد اور اہلِ اہلِ حق کے بھی ہو گئے، اس ترتیب تو مجمع طور پر یاد
رہی لیکن ایک بعد دیگرے دیکھا کہ کھڑے ہو کر تقریر کر رہا ہوں میں ایک تو مولانا شبیر
احمد حقانی، اور خود مولانا سندھی تھے، اور میرے مقررہ خانہ مولوی غلام رسول مرحوم
اساتذہ و مصلح تھے، مولوی عبداللہ صاحب کھڑے ہو کر جان لے کہ خیال آتا ہے۔
فرمایا کہ قرآنِ آیت لا تدرککم ذنوبکم، ذکاؤں راں میں تم لوگوں کو، اور لوگوں کو
جن تک بات ہو چکی، اس سے میں اس قبضہ تک پہنچا ہوں کہ کئی آدم میں جن لوگوں تک
قرآن کا پیغام نہیں پہنچا ہے، ان سے مولانا اسلام کے ذوق قبول کہنے پر نہیں ہوگا۔

اس آگے دوسرے طور پر یاد رہا کہ انھوں نے کیا کہا، کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ اپنے
اس خیال کے متعلق یہ کہتے ہوئے کہ عام علماء کی رہائش نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک
تبلیغ عام ہر فرد تک پہنچتی ہے، اس لئے علم تبلیغ کا ذکر کسی قوم یا فرد کے لئے
باقی نہیں رہا ہے، اب والدہ اعظم انھوں نے اپنے اس خیال خاص سے رجوع کیا
اعلان کیا یا نہیں؟ لیکن دیکھا کہ مولانا شبیر احمد حقانی مرحوم حضرت میں ان کے خیال پر
تغیر فرما رہے ہیں، ان کی تقریر زیادہ رہی، ان کے بعد مولوی غلام رسول صاحب
مرحوم نے تقریر کی تھی، ان کی تقریر کا یہ فقرہ ٹھوکانہ نہیں جاتا، کہا تھا کہ مولوی عبداللہ
سندھی اگرچہ جمادیِ جمعہ کے ایک فرد ہیں، لیکن جب کوئی حضور سرِ ثانی ہے، تو کاش
دیا جاتا ہے، اسی طرح ہماری جماعت سے یہ الگ کر دیئے گئے، قریب قریب
کچھ ایسی نوعیت کے الفاظ تھے، میرا دل بھی اس وقت بھرا گیا تھا، اور یاد پڑتا ہے
کہ مولوی عبداللہ سندھی صاحب جس وقت تقریر فرما رہے تھے، تو کچھ آئیدہ کرتے تھے۔
مجلس برخواست ہو گئی، اس مجلس میں جو کنیت گزری تھی، میرا دل اس سے
بیدار تھا، غالباً دو گھنٹہ، یا ایک دو دن بعد ترقی شریعت کا درس
حضرت شیخ الہند کے علم میں ہو رہا تھا، بہت کہ کے اسی فقیر نے اس مسئلے کو اٹھایا
کہ مسئلہ تبلیغ میں جو اختلاف اس وقت رونما ہوا ہے، حضرت والا کا خیال اس باب
میں کیا ہے؟ کہنے کو تو کہہ گیا، اور جب طرح سے عرض کیا، اسے کیا بتاؤں؟ بظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے جلسہ کی تقریروں کی خبر پر حضرت محبت بھی ہو چکی تھی
میں سے متاثر تھے، اور خطاب و مقود دیکھا کہ ذرا جھل کر متوجہ ہو گئے۔
اور ایک ایسی شہرت اور رفتہ تقریر اس مسئلہ پر فرمائی، جو خاکسار کے نزدیک
حوتِ آخر کا حشیت سمجھی ہے، اپنی کتاب الدین العظیم میں اس مسئلہ پر بحث کرتے
ہوئے اور عام خیالات کے سوا حضرت مجددِ رحمتہ اللہ علیہ کے خاص نظریہ کو درج
کر کے آخری صفحہ حضرت والا کی اسی درسی تقریر کو اپنی کتاب میں قرار دیا ہے، تفصیل

کے لئے تو مناسب ہوگا کہ پوری بحث کا مطالعہ میری اس کتاب میں کیا جائے جو عام طور پر بازار میں ملتی ہے، ہندوستان و پاکستان میں متعدد ایڈیشن اس کتاب کے شائع ہو چکے ہیں، لیکن اس وقت جو قدرہ حضرت شیخ الہند نے فرمائی تھی اس کا خلاصہ یہ تھا۔

”تخلیص اور مواخذہ ان دونوں کی حیثیت کی مشابہت جیسی جو مثلاً ارشاد ہوا تھا کہ ابو بکر صدیق کو تخلیص میں رنگ میں ہونی چاہیے اور یہ کہ وہی رنگ اس تخلیص کا نہیں ہو سکتا، جو ہمارا اور آپ کا ہے صدیق اکبر راہ راست نبوت کو بری کے محرم اسرار تھے، جو خود ان کو حاصل تھا، فیضاً آج کل کے ایک عالمی مسلمان کو وہ میسر نہیں ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ کے مواخذہ و گرفت کی نوعیت بھی ایک جیسی نہیں ہے، آخر ابو بکر پر محبت میں طرح پوری ہونی چاہی اور اسی بنا پر جس مواخذہ کا وہ حق ہو اسی نوعیت ان لوگوں کے مواخذہ کی کیسے ہو سکتی ہے، جنہیں ابو بکر کی نشانیاں نہیں“

اس جہد ہی مقدمہ کو سمجھانے کے بعد فرمایا گیا کہ کس اجمالی عقیدہ پر لکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا مواخذہ، اس کی تخلیص کی نوعیت کے ساتھ ہونا ہے، جس میں حد تک تخلیص ہوئی ہے، اسی حد تک اس سے مواخذہ بھی ہوگا۔ یہ بالکل ممکن ہے ایک شخص پر مذکور یا مستند ہی میں رہتا ہو لیکن اس کے خاص حالات کی وجہ سے وہ حق کو پیغام اس شخص تک اس رنگ میں نہ پہنچے، جس رنگ میں یورپ یا امریکہ کے کسی ایسے شخص تک پہنچی ہو جو بکھرنے یا ضابطہ اسلام اور اسلامی تعلیمات اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرے ہو الغرض انفرادی طور پر یہ بات کہ تخلیص کسے اور کب ہونی ہے، حق سبحانہ تعالیٰ ہی اسے جانتے ہیں، اور مواخذہ بھی وہی اپنے علم کے مطابق کریں گے۔ تفصیلی علم تو اس کا

خدا ہی کو ہے، ہمارے لئے اتنی اجمالی بات کافی ہے کہ جسے جس حد تک تخلیص ہوئی ہو اسی حد تک اس سے مواخذہ بھی ہوگا، اسی میں کو تعین کر کے کہ یہ بتانا آدمی کے لئے ناممکن ہے کہ کس کی دہر کی تخلیص ہوئی ہے، اور جب تخلیص کے مدارج کا تفصیلی علم نہیں ہو سکتا، تو مواخذہ کی تفصیل بھی ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

دوسری اس دن کافی پر جوش اور گرم تھا، بیوی بچوں والوں نے یہ خبر دارا لکھنؤ تک پہنچی کی کڑواں طالب علم نے تاج شیخ الہند کے حلقہ دوس میں فلاں سیکر کو چھڑا دیا، جس کا جواب یہ دیا گیا ہے، کافی شور مچا دیا، اور ذرا دیر میں ایک طرح کی طلب کیا گیا اور اس خطا ہی کے پھیلنے کا جائزہ لیا پیدا ہوا تھا کہ آج اس اختلافی مسئلہ میں حضرت شیخ الہند نے ایسی تقریر فرمائی ہے جس سے مولوی عبداللہ سندھی کے خیال کی تائید ہوئی ہے، اس اندیشہ کا ازالہ کیا گیا، دراصل ایک دو فلول خیالوں میں فرق تھا، ایک کو جانتے نہال آگئے، مولوی عبداللہ صاحب یورپ و امریکہ کے باشندوں کو متنبہ کر کے دعویٰ کرتے تھے کہ ان کو دین حق کی صحیح تخلیص نہیں ہوئی ہے، اور حضرت شیخ الہند کی تقریر اصولی تھی، شاید اس جلسہ سے اس فرق کو واضح کرنا منظور تھا، چنانچہ یہ تو عقلی بات تھی، جو ابی طالب علمی کے زلزلے میں حضرت شیخ الہند کی طرف سے میرے کانوں میں پہنچی۔

دارالعلوم کا مقصد شیخ الہند کا نقطہ نظر

دوسری بات جسے اسی سلسلہ کی ایک کتاب لکھنا چاہیے یعنی پوری جہد عبداللہ سندھی اور ابا علیہ کی شہدگی پھر بھی باقی رہی، اور یہ سلسلہ بھی واضح ہوتا چلا گیا کہ حضرت شیخ الہند اور مولوی عبداللہ دونوں کا زاویہ خیال، مذکورہ ارباب بست و کثرت دے جدا ہوتا چلا جا رہا ہے، تخلیص والا مسئلہ تو خیر ایک مسئلہ تھا، درحقیقت ان دونوں مفروضوں پر ایک حقیقی اختلاف سیاسی طریقہ عمل کے متعلق تھا، اب پوری بات تیار رہی لیکن ایک

دن کچھ ایسا ہوا کہ مولانا عجیب الرحمن عثمانی نائب مہتمم نے فقیر کو یاد فرمایا، اور کہہ کر حضرت شیخ الہند سے مل کر دریافت کر دو تو انہی سیاحات میں حضرت والا کا بیعت مسلک کیا ہے؟ میں خود حیران ہوں کہ اتنے اہم مسئلہ کے متعلق مولانا عجیب الرحمن عثمانی نے مجھ جیسے کس پر اس آدمی کا انتخاب کیوں فرمایا لیکن اب کیا کہیے کہ واقعہ یوں ہی پیش آیا، شاید فکر کی ناز کہ بعد کا واقعہ ہے، مسجد کے احاطہ میں ایک کمرہ تھا جسے اس زمانہ میں دارالتحقیق کا نام دیا گیا تھا، اس کمرے میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ طیارتی زندگی کے آخری مشغلہ یعنی ترجمہ قرآن مجید کا کام کچھ دیر کیا کرتے تھے، فقیر تو اس احاطہ کا باشندہ ہی تھا، غائبانہ کہ بعد حضرت انہی تحفیق کو ترجمہ کے اکی کمرے میں تشریف لے گئے، تہناتھے موقع پر فقیر بھی بیچھے سے حاضر ہو کر عرض رسا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے، جبکہ قاعدہ تھا خندہ غمی سے فرمایا کیا کہ آؤ، کیا کہنا چاہتے ہو، بیٹھ گیا، اور جو منام میرے سر پر کیا گیا تھا، اسے پوچھا دیا، سستے رہے، اپنی بات جب ختم کر کے اٹھ کر حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے، اور اپنے استاد حضرت مولانا محمد تقی صاحب بانی دارالعلوم جن کو وہ حضرت الاستاذ کے لفظ سے یاد کرتے تھے انہیں کا نام لے کر فرمایا!

”حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس دے گا میں تعلیم و تعلیم کیلئے قائم کیا تھا، مدرسہ جیسے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں وہاں کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ مولانا ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے۔“

چالیس سال پہلے کی بات ہے، روایت بالفطرت تو حق فضول ہے، حضرت والا کی تقریر سے دل میں اثر اس وقت قائم ہوا تھا، اسی اثر کے نتائج کی تعبیر لینے التماس میں کر دیتی ہے۔ تقریر میں مدت کافی تھی، لیکن حاصل یہی تھا، آخر میں ارشاد ہوا کہ

”تعلیم و تعلیم، درس و تدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے، میں ان کی راہ میں سزا جہ نہیں ہوں لیکن خود اپنے لئے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے، جبکہ کیلئے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔“

اس کے بعد دو دن میں تعلیم ہو گئی، ایک راہ تعلیم و تعلیم اور دینی نشر و اشاعت کی تھی، اور دوسری راہ وہی تھی، جسے بالآخر حضرت شیخ الہند نے اختیار فرمایا، اور اس کی مسلک کیا تھا اپنے مالک سے جانے، خیال آتا ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”فرانکین الیہ جس حد تک بن بڑا، ادا کرتا رہا، اب آخری کام دیکھا ہے، جسے اپنی حد تک تو میں کر گزروں گا۔“

اور اسی کو وہ کر گزروں گے، ناکارہ رہے جو کچھ تھا وہی ان لوگوں تک پہنچا دیا جنہوں نے اپنا منام دیکر بھیجا تھا۔

حاصل کر رہے ہیں، یہ بھی جانتا تھا کہ بادشاہ دہلی کے مدرسہ فقہی میں صدر مدرس کے عہدے کے لئے بھی ان کا انتخاب ہوا تھا، اور وہی انہی مرکزی آبادی میں چند ہی دنوں میں مولانا کی تعزیر و تقریر کا دائرہ وسیع ہونا چاہیگا۔

باب

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ

دارالعلوم کے اساتذہ میں میرے استاد جن سے خاکدار کو غیر معمولی استفادہ حاصل ہوا ہے۔ وہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی ذات بابر کا ہے، دارالعلوم ہی میں نہیں، بلکہ زندگی میں جن بزرگوں کے تلمذ کا شرف فقیر کو مختلف ادوار حیات میں حاصل ہوتا رہا ہے، ان میں جہاں تک مسرت ہوں، شاید سب زیادہ میرے فخر استاد مولانا عثمانی قدس سرہ تھے، جن نے میں، ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا مولانا کی عمر غالباً اس وقت تک تھی کہ درسیان تھی، لیکن مجھے اس آٹھ دس سال عمر میں وہ بتے ہوئے گئے، لیکن بخدا کی دین تھی کہ اس عمر میں وہ دارالعلوم کے صیغہ اول کے اساتذہ میں شریک ہو چکے تھے، اور دورہ حدیث کی اہم ترین کتاب سنن ابی داؤد کا درس انھیں سننے تھا۔

یوں تو مولانا عثمانی کے نام سے دارالعلوم میں حاضر ہونے سے پہلے بھی کچھ نہ آشنا ہو چکا تھا۔ تاہم میں لیکن طلباء دارالعلوم سے بہرہ پہنچتے تھے، ان کے علم و فضل کا ذکر غیر معمولی امتیاز کے ساتھ کرتے تھے، ان کی شخصیت کے ساتھ کہ وہی علوم کے علاوہ عقلیات میں، انھیں طالعہ علوم سے مسلم ہوا تھا کہ مولانا غیر معمولی شہرت

میری نظر سے انعام کے بعض شہادے بھی گزرے تھے، جن میں مولانا عثمانی کے بعض مقالات شامل ہوئے تھے، تحریر میں ان کا رنگ عام مولویوں سے بنا تھا، شاید ایک حد تک کہنا صحیح ہے کہ دہلوی حلقے کے علما میں مولانا شبیر احمد عثمانی پہلے بزرگ تھے جن کی انشا و تحریر میں عصری تقاضوں کی رعایت پائی جاتی تھی۔

سنن ابی داؤد کا پہلا درس
بہاول دارالعلوم میں داخل ہونے سے پہلے سبب معلومات مولانا کے تعلق اس انجمن سے دو دن تک محدود تھے، آخر سے جو اطلاع دورہ کے اساتذہ کے تعلق شائع ہوئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ سنن ابی داؤد پڑھنے کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کے درس میں حاضر ہونا پڑے گا، وقت ظہر کے بعد کا تھا، طالب علموں کے ساتھ نماز بھی، اس حلقے میں جا کر بیٹھ گیا، اور دورہ کے جنوی حصہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان طلبہ کے درسیان بیٹھا ہوا ہے، یہ یاد نہیں کہ کوئی حدیث اچھی شروع ہوئی تھی یا نہیں، ایک طویل تہیہ ہی خطبہ لانا شروع کیا، ان کے بولنے کا طرز حد سے زیادہ سنجیدہ، خطبہ کا طریقہ غیر معمولی طور پر دلایز تھا، چند ہی لمحات میں محسوس ہوا کہ کچھ نئی باتیں کان میں پڑ رہی ہیں۔

قاسمی نظریات معارف
اس وقت تک سیدنا امام العظیم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کسی تحریر یا کتاب کے پڑھنے کا موقع مجھے نہیں ملا تھا، حضرت مولانا عثمانی نے جیسا کہ بعد کو بتایا، یہی علماء ادا کا تہذیب و ذہانت کی مدد سے قاسمی نظریات و حوادث کو گویا دینی فقہ کا ایک مستقل

نظام ہی بنایا تھا حضرت نافوقی کے خصوصی انکار کو عصری قیودوں میں پیش کرکے
غیر معمولی بہارت ان کو حاصل تھی یہی باتیں درحقیقت دیکھیں جن کے متعلق تھے
کرنا چاہیے کہ حضرت مولانا عثمانی سے پہلے میں نے کسی سے نہ کی تھیں اور نہ ہی کتاب
مضمون میں اس کا سر لایا تھا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے دور کا یہ حصہ
میں سے لے لے لے زیادہ دلچسپ اور لذت یافتہ ہوا مولانا اس طریقہ سے ان چیزوں
کو ادا کرتے تھے، ان میں بڑی عداوت اور خیریت تھی جہاں تک خیال آتا ہے۔
حلقہ دوسری میں طالب علموں کی تعداد اسی تھی جیسا ہے بتاؤ تھی، ان ہی کے گیسٹ میں
گھسا ہوا گوشہ میں بیٹھ کر مولانا کی باتیں سننا کرتا تھا، یہ باتیں ایسی دلی نہیں ہوتی
تھیں، اور کچھ ایسی تھیں تھیں کہ ساتھ مولانا کو بیان کرتے تھے کہ ان کو نوٹ
کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی، وہ فرماتے جاتے تھے، اوجھڑ میں خود بخود
ان کی جگہ بنتی جاتی تھی، شاید ایک ہفتہ اس سے زیادہ مدت گزری ہوئی ہوں
ہی طلبہ کے ساتھ مولانا کے علم اور اس میں ان کو بھیجا کرتا تھا ذاتی طریقہ لانا سے کتابت
کی کوئی صورت پیش نہیں آتی تھی۔

ذاتی تعارف

رازیال بھی تھا کہ طلبہ کے اتنے بڑے مجمع میں وجہی کیا
ہو سکتی ہے کچھ جیسے ایک کس پر سب طالب علم لایا ہی
نظر مولانا کی بڑے گی، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کی تقریر کی ساعت میں غیر معمولی آہستہ
نے ان کو متنبہ کیا، یا ممکن ہے دوسری میں ایک دو بات استفادہ دے سارے جو درجہ
تھی، اس کا نتیجہ ہوا، حال اب اسے آج تک ناواقف ہوں لیکن اسی عرصہ میں
ایک دن یہ واقعہ محبت میں آیا۔

ہمارے دوست مولوی احسان اللہ تاجور مرحوم، جو لکھنؤ، اردو زبان کے
متاثر شعرا میں شمار کئے گئے، شمس العلماء کے خطاب سے بھی حکومت نے نواز کیا تھا،
یہی اسی زمانے میں دارالعلوم میں تھے، ان کا دورہ ختم ہو چکا تھا، گویا ناراض انھیں جو

کچھ تھے، اور آئندہ مستقبل کا پروگرام بنا رہے تھے، شعر و شاعری کا ذوق طالب علمی
ہی سے رکھتے تھے، طالب علموں میں ان کے اشعار کا اچھا خاصہ چاڑی زمانے میں
بھیلا ہوا تھا، ادبی ذوق کے اشتراک کی وجہ سے مجھ میں اور ان میں ملزم ابتداء ہی سے
قائم ہو گئے تھے۔

بہر حال یہی چارے تاجور مرحوم ایک دن میرے پاس آئے اور بولے کہ آج
میں مولانا شبیر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، مولانا نے مجھے کہا ہے کہ دور
کے طالب علموں میں مناظر آفس نائی جو طالب علم ہیں، ان تک قسم میرا بیٹا نہیں ہوا کہ
میں ان سے ذاتی طور پر مل جاتا ہوں، تاجور مرحوم سے یہیں مناجا ہوا تھا، اور حیران تھا
کہ اس سے زیادہ وہ طالب علموں کے درجہ رتبی میں فخر کا بھی نام تھا، اور صافری
کی وقت دوسروں کیساتھ بیٹھا نام میں پکارا جاتا تھا کسی قسم کو کوئی تعادلت مولانا سے برا
میں ہے، پھر انھوں نے اپنے دوست کے ساتھ خاکا کر کو کیوں یاد فرمایا ہے، غالباً
غریب کا وقت تھا، راستہ چلی تھی، تسبیح کا شغل رہا۔

ورد دولت پیر حاضری

دو سے دن تاجور مرحوم سے مولانا کے
ورد دولت کا پیر درانت کر کے، غالباً کسی
مٹنے والے طالب علم کی رہنمائی میں خدمت والا میں حاضر ہوا، مولانا کو بھیجا کہ کتبہ قسم
میں سلام کر کے بیٹھ گیا، خودی فرماتے گئے کہ دورہ کے سبب میں تہہ بھی کہتے ہو، اگرچہ
زادہ دن میں گزرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی سے کہی کو محبت
جو تو اس کو مطلع کر دے، میں نے اسی لئے آپ کو طلب کیا تھا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق آپ کو مطلع کر دوں، اپنے دل میں آپ کی محبت
پاتا ہوں۔

اپنی سچ میری، کس پیر کا، جبل و نادرانی کو دیکھتے ہوئے مولانا فقر اللہ کی زبان
مبارکت سے یہ بات مناجا ہوا تھا، اور یہ سنا کر انھوں سے اسو ایلے آتے تھے، پچھتا

مہبت تھا کہ جواب میں شاید کچھ عرض درگاہ شاید عدم حاضری کی تصریح کی معافی
چاہی گئی، کچھ درپیشہ کردہ رسواؤں چلا آیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کی زندگی میں
انقلاب

معاذ دوس کہا تھا۔ ان کے خطبات تھے جن کا سلسلہ شاید ایک ہین کے قریب
چار دہائیوں کا ہے، اس کتاب کی چند ہی صفحہ پر بھی کسی ہنس کی کہ ایک حضرت کی زندگی
میں ایک نیا انقلاب شروع ہوا۔

ہوایہ کہ مولانا کا یہ دیکھ بھاری تھا، خاکسار بھی کبھی دہر دہر دہر دہر دہر دہر
تھا جس سے ساتھ بہاری کے ایک طالب علم مولانا نور الدین دہلوی کے ہنس کے رہنے
والے تھے، انھوں نے کانپور کے مذاہبات میں بھی کچھ تعلیم حاصل کی تھی، جہاں تقریر و خطبہ
کی شہرت کا ان کو بھی موقع ملا تھا، اور اردو ادب کا اچھا مذاق رکھتے تھے، مگر بھی کافی
تھی، دارالعلوم میں حدیث کی تکمیل کے لئے آئے تھے، وطنی اور مذاہباتی وحدت کو جو
سے ہم دونوں میں خصوصی تعلقات قائم ہو گئے تھے، مولانا عثمانی کی خدمت میں ہم
دونوں مولانا ساتھ جیسا حاضر ہوا کرتے تھے۔ اب پوسے طور پر یہ یاد آ رہا کہ اردو
کو بلا کر مولانا نے کیا فرمایا، یا یہ واقعہ لیکھا ہے، بہر حال مولانا کے دوس کی ایک
خصوصیت تھی کہ سلسلہ اس کا پیچ پیچ میں زیادہ تر سازاگر تھے کی وجہ سے ٹوٹ ٹوٹ
جاتا تھا، مزید میں ایک دوسرے کا تاثر اس زمانے میں ایک عام بات تھی، اسی اثر
میں یہ صورت پیش آئی کہ ناکہ کا سلسلہ کچھ دراز ہو گیا، مولانا کی محنت اچھی نہیں رہتی
تھی جہاں سے کہ ہم دونوں جو پیچھے، تو کچھ کچھ ہمسائی شکایت کے آثار بھی
پانچاٹھ تک نہیں ہم دونوں کو کچھ کچھ ٹھٹھے، اور عیب غریب تقریر کی جس کی پہلے سے
قطعا توقع نہ تھی۔

بجائے ان کا قتل کرنا تو ممکن ہے لیکن خلاصہ یہی تھا کہ تعلیم کے موجودہ طریقہ
پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرمائے گئے کہ یہ کیا طریقہ ہے، بہت دیندہ اس دن اس قسم
کے طالب علموں کو درس کے حلقے میں شرکت کی اجازت دے دیا جاتی ہے، مہربت
اور اکثریت آج کل کے طالب کی آبی ہے، جو صحیح معنوں میں دیندہ بھی اپنے اساتذہ
کی تقریروں سے تنقید پر نکل صلاحیت نہیں رہتی ہے، بہت دینوں سے اس صورت
حال پر غور کر رہا ہوں، اب قریب ایک سال اور بدانت سے باہر ہو چکی ہے اور
میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس بغیر اچھا جان والے حلقہ دوسرے اپنے فتنوں کو منتقل
کر لوں، اور بہت چند خاص طالب علموں کو چھانڈ کیلئے آئی، کروں، کچھ ایسے لڑکچوں
مولانا تقریر کر رہے تھے، بس یہی کچھ آ کر شاید وہ مدرسے سے ملازمت کے دفتر
کو منتقل کر دیا فیصلہ کر چکے ہیں، میں حیران تھا کہ آخر یہ کیا فرما رہے ہیں، چپ چاپ
جو کچھ کہتے رہے سننا رہا، آخر میں جب ہم دونوں اٹھنے لگے تو یہ فرماتے ہوئے کہیں گے
جو سے حلقہ دوسرے میں صرف دو طالب علموں کا انتخاب کیا ہے، ایک ہی تقریر اور دوسرے
مولوی نور الدین، ہم دونوں کو مکمل دیا گیا کہ کل سے کتاب لیکر تم دونوں سے کچھ لکھو
کہو میرے لئے، ان سینکڑوں طلبہ میں صرف یہی دو طالب علم کافی ہیں۔

اسی سلسلہ میں حضرت نافوقی نے سیدنا الامام ابوبکر کے اس اہل نظر پر کا بھی مولانا
نے ذکر کیا تھا کہ اس وقت کی مستقل تعلیم میں ایک کما دوسری کہنا، کما بین الی علم کو
ناوہ سے زیادہ تعداد میں پھیلائے کی صورت یہی جو مدرسوں میں اختیار کیا جاتی ہے،
لیکن علم کی کیفیت میں اگر ترقی مقصود ہو تو بجائے حاضری تعلیم کے چند خاص طالب علموں
کو پڑھانا چاہیے، اس شخص طر پر ان کی تربیت و پرداخت میں کوشش کی جائے،
فرماتے کہ حضرت نافوقی نے اسی اصول کے تحت خود مدرسہ میں بھی نہیں پڑھایا بلکہ
اپنے لئے چند طلبہ کو انتخاب کر لیا تھا، انھیں کھانے، انسا طالب علم نہ رکھا تھا، جن میں
حضرت شیخ الہند، مولانا امجد علی امروہی اور مولانا فقر الحسن شگوری وغیرہ حضرات تھے،

مشکلات میں غنمی انداز

الفرغ من مدبر کی زندگی میں ایک تباہ انگیزی
دور تھا، جس کا آغاز بدھ مت سے اسی زمانے
میں ہوا، جب بغیر دورہ میں شریک ہوا، اور حضرت والا کے زیرِ تسلیم تھا، بدھ مت سے
اس نے گہرے باہول کر کے بقدر بڑھا، اور بدھ مت زیادہ بڑھا، مولانا نے ہاتھ ابل
دھو کر میں انتہاء داخل کر لیا، ان کے بڑے بھائی مولانا صاحب الزین صاحب کی طرف سے
جونا ب تہمت تھے، بہت فحشاء و فحش کی کوششیں کی گئیں، خود بھی کی، دوسروں سے بھی
کوششیں کرائیں، جو فیصلہ مولانا کر چکے تھے، اسی پر پڑے اور جھپٹے
ہم لوگوں کے لئے مشکل یہ ہوئی کہ مولانا کے لئے کی جیل سے گرے اور بھی مشکل تھا، ان کے
ارشاد کے مطابق کتاب لیکر مکان پر حاضر ہوتے رہے لیکن شاید چند ارباب سے زیادہ
انفرادی دین کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، مدبر کی طرف سے ابو داؤد کا دور کی حضرت
مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا گیا تھا، ہم بھی دیکھیں
چاکر شریک ہو گئے، اور یوں ہماری یہ کتاب ختم ہوئی، دورہ ابو داؤد میں یہاں تک
خطرہ پیش آ گیا تھا کہ ہمارا دورہ مکمل ہی نہ جاتا۔

مولانا کے صاحب کا واحد ذریعہ وہی مدرسہ کی خواہ مخواہ تھی، اس سے دست بردار ہونے
کے بعد اب کیا بتایا جائے کہ کیا صورت پیش آئی، مولانا صاحب جلا لاؤ دتھے، لیکن پھر ان کے
میں ان کی بری صاحبہ تھیں، غنا و داری کا نظریہ ان کے لئے سخت دشوار ہو گیا، لیکن بتاؤ
مولانا ہی ملے گئے ہوئے رہتے کہ مدرسہ کی ملازمت کو چھوڑ چکا ہوں، پھر اس کو اختیار
نہیں کروں گا، اور بدھ مت دارالعلوم میں بغیر کا قیام رہا، مدرسہ کی ملازمت کے
تعلق سے وہ آزاد ہی رہے۔ زیادہ مولانا پر بڑی آزمائش کا تھا، تاہم کسی دسی طرح
وقت گزرتا ہی رہا، مہر و ترس پوری ہوتی ہی رہی، ان کی سوانح عمری میں چاہئے کہ یہی
تھا کہ زندگی کی اس خاص منزل کے حالات جانے والوں سے دریافت کر کے لکھ
کئے جاتے،

آپ کی زندگی مختصر مظلوم سے مولانا محراب پر اہم صاحب بنادی اور مولانا عابد الدین تھا
انصاری جن سے اس زمانے میں مولانا کے گھر سے دوستانہ تعلقات قائم تھے، وہی بنا
کئے۔ میں کہہ کر کن خشکوں میں غنمی انداز آپ کے سامنے آئی۔

فتح الملکم کی ابتداء

اسی زمانہ میں مولانا کے قلب مبارک میں مسیح سلم
شریعت کی شریک کا خیال پیدا ہوا، ابتدائی کام
شروع بھی کر دیا تھا، مگر بڑی بہت خدمت بغیر کبھی اس سلسلے میں انجام دینی پڑی
تھی۔

تھ مختصر جو کچھ ہو مولانا عثمانی سے اس میں شریک نہیں کر سکتے تھے کی مذمت کی نوعیت
اگرچہ سن ابی داؤد کے بعد ابتدائی اوقات میں جنگ محمد دوری لیکن حکمت نامی سے
صوت دشمناسی ہونے کا موقع مولانا کے ذریعے نہیں ملا، بلکہ کہہ سکتا ہوں کہ باطل
ظہر کے اس خاص شیعہ کی تعلیم مولانا ہی سے اس بغیر کو میرا آئی، اس باب میں میرے
بلا شرکت بغیر سے واضح علم اور اساتذہ میں، نور احمد زکریا، رحیم اللہ شوان، دارالعلوم کے
اعاظم سے باہر حیدر آباد وغیرہ میں مولانا سے تعلقات قائم رہے لیکن مضمون چوں کہ
دارالعلوم کی حد تک محدود ہے، اس لئے خارج از دارالعلوم کی سرگرمیوں کے
ذکر کیا یہاں موقوف نہیں ہے۔

دارالعلوم کا تہر نکا پیام اصلاح تھا

واقعہ یہ ہے کہ سفید
ہونے کی حد تک

یوں تو اس کی راہ کچھ فہم کئے دارالعلوم کا تہر نکا اصلاحی قریب کا پیغام بنا
ہوا تھا، اندیشہ دار المسلمین کی حد تک و پاک سب کے لیے ہی مضمون کی وہ نازیبا جہیں
خطا ہی جانتے کہ ان کے کیسے کیسے راست باز، مجلس، وفادار بندے شریک تھے۔

(۱-۲) یہ منزل حضرت جواد رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔

زمین پر وہ پہچانے جاتے ہوں، پچھے پڑنے پڑے، بال اچھے ہوئے، ان باتیں
کیجئے تو وہ فقرے بھی بچا رہے، صحیح طور پر ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتے تھے، لیکن میرے
تجربات و مشاہدات بھی پر بات کہے جاتے تھے کہ اُن کے پیچیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم شاید اہل بیت میں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ وہ اب اشعث
اغبر و خوخ بال ابراب لراستہ علی اقلہ لابرہ، ادا نکال دینا ہوں پر گرد و
ہوئی، بال بکھرے ہوئے، انھیں دروازوں پر دھکے دے جانے والوں میں ایسے
نفوس بھی ہیں کہ خدا کی قسم کھا کر کوئی بات کہیں، موقع نہ پائی ان کی قسم پوری نہ لے پے
گیوں اور بازار میں میں جسے کئے تو ان پر انگلیاں نہیں اٹھتی تھیں، لیکن ان کا حال
ہی ایسا تھا کہ زمین والے دیکھ کر سہ

حوریاں نفس کاں نو فوستانہ زود

کا خط اسمانی برا کرتا ہو جاتا ہو اس پر سخت سزا جانیے، اپنے درں کو ان
رفقاء کا بے سبب خیالی کہنا ہے تو انھیں آتشوں سے ڈبڈباتی ہیں، کچھ
ہیں معلوم کردہ کہاں گئے اور کہاں رہے؟ لیکن آج بھل جائیں تو جی پاتا ہے کہ وہ
نیک ان کے قدروں کو چماتا ہوں، ان کے پاک قدروں کی خاک کو سرخوٹوں، پگھلا
میں اس کا سر دنگوں، اللہ عز و جل کا سارا مال میرا مستحق اور اس کا ذبا ہو ا تھا۔

مولیٰ حجام

اور تو ارہی زمانے میں ایک بوڑھائی تھا جو اپنے کھانا سرے
سے غریب طلباء کے نازک بالوں پر تلوار ٹوکنا تھا، اس کا اصل
نام کیا تھا۔ اس کا تو علم نہ ہو سکا لیکن عام طور پر مولیٰ بروزن چلی کے عربی نام سے کہا جاتا
تھا یہ مولیٰ حجام، حجامت اور اصطلاح سازی کے کام سے زیادہ مدد کے طور پر کسی
بچی بچی روٹیوں کی حجامت سے تعلق رکھتا تھا، صبح ہوئی اور صباں مولیٰ ہکڑے کے سامنے
کھڑے ہو کر پارہے میں "میاں رات کی کچھ حری پڑی رہ گئی ہوں تو وہ روٹیاں شے
دینا" دینے والے دیا کرتے تھے، دعا جاتی تھی، دعا تھا بھی یا نہیں، لیکن شہر پر بھی تھا کہ ریل

مولیٰ دارالعلوم سے دینی ادا رہے تعلق رکھنے کے باوجود زمانے کوئی تعلق نہیں
رکھتے، عمر سترے لگا رہتا ہوں وہی، قدر وہ طلبہ نے پریشان کیا تھا کہ جہاں بھی
رات کی باکی روٹیوں کئے گئے میاں مولیٰ نے کسی چیز سے میں سڑاؤں کر اپنی سفید روٹی
وہ بعض راہیسی بلانی شروع کی کہ ہر سطرے سے بازاں ملنے ہوتی، مولیٰ تم فنا نہ نہیں پڑتے؟
اس سوال کا جواب جب تک مولیٰ غریبے حاصل نہ کر لیا جاتا، لوگ اس جیسا کہ روٹی
نہ دیتے، لیکن اس اعتراض کا بھلا مولیٰ تمام بھلائی جواب دے سکتا، مگر کچھ نہیں رہا تھا
مولیوں میں ہیں، جواب میں یہ ترکیب اس سے نکالی گئی کہ کچھ جابا رہا ہے اس سے کہنا
کیوں نہیں بڑھتا، جو جواب میں کہتا کہ آموں میں بھی نور کہاں آئے ہیں، صاحب سلم
کہے کہ کبھی نور نازکوں نہیں بڑھتا، اس کے جواب میں کہتا کہ برسات کے آئے میں کچھ قدر
ہے، بازاروں میں نکلتا ہوں اسے آگے ہاتھ تیاں بیچے گئیں، اللہ عز و جل سے جن باتوں کا
کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہو تا مسلسل کیے بعد کچھ اسے ان ہی جوابوں کو پیش کرنا پڑا جاتا، اور
آخری تنازع اور بھید کی کے ساتھ پیش کرنا کہ اب رہا لی کیا کلمی مسکراہٹ بھی
آجائے، لوگ اس سے اسے بے جوڑ فعل جوابوں سے تنگ آئے کہ بعد روٹی کے
خشب ٹھکے جو کہیں پڑے دھرے ہوتے اس کے کولے کر دیتے۔

جملہ مولیہ ہم لوگوں کے چلتے ہیں مولیٰ حجام کے اس خاص طریقہ جواب کی بنیاد پر
ایک خاص طرز اصطلاح ہی مروج ہو گئی تھی، بحث دینا نہ میں جہاں
کسی کی حالت سے کوئی ایسا جواب پیش ہوا جس کا سوال سے زیادہ تعلق نہ ہوتا تو کہہ دیا
جائے کہ آت جملہ مولیہ، انتظار فرما رہے ہیں، گو با اصطلاح ہی مقصد جو تھی کچھ وہ جواب
جس کا سوال سے چڑا لیں نظر نہ آئے، انھوں اور فقروں کی دنیا میں وہ "جملہ مولیہ" یا
"فقیر مولیہ" بن جاتا، زوار و طلباء اس جملہ مولیہ کا مطلب پوچھنے کو یہ کیا ہے، جہوں کے
اقدام میں اس خاص قسم کی جملہ مولیہ کا ذکر کوئی نہ آج تک نہیں کیا، تب کہا جاتا کہ فقیر
جائیے مولیٰ آپ کو اس کا جواب دیا، وہ آج سب سے ستر نازکوں نہیں پڑھتے؟

کے جواب میں آسمان و زمین کی شانے گھٹا، اور مولیٰ عیسیٰ کے کہنے تک انتظار کی محبت جو برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، تو ان کو بھیجا دیا جتنا کچا دل سفید ہوتے ہیں اس کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا گول ہے، جیسے دلیل اور روٹی کی اس ترتیب میں کوئی ربط نہیں ہے۔ اسی طرح ہر چیز پر گول کلام اور فقرے کا نام چلا لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جولوہ کی اس اصطلاح کی بدولت بعض اوقات طول طویل تفسیروں کی زحمت ہے ہم لوگ بچے جایا کرتے تھے کہ یہ جولوہ لیا ہوا ایسی باتوں کی جگہ صورت اتنا کھٹکائی جتنا تھا اصطلاح کے جاننے والے تو فراموش ہو جاتے، اور کلام میں ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

ظاہر ہے کہ دارالعلوم کے اس طریق ادارے میں ہر چکر مولیٰ عیسیٰ تک کا وجود جب مسئلہ کی فہم انجام دیتا تھا، اور کسی مسئلے یا کوئی بھی جولوہ یا فقرہ مولیٰ کی جگہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی اصطلاح پاتے آجائے، جس سے وہی کام لیا جاسکتا ہو جو جولوہ سے دارالعلوم کے معاملہ میں لیا جاتا تھا، کم از کم یہی کچھ میں تو ایسی اصطلاح دیکھتا ہوں آئی ہے اپنے خیال کے جس آسانی کے ساتھ اپنا مطلب جولوہ پر کھینچا جاتا تھا، شاید اتنی سہولت کے ساتھ اس میں کوئی دوسرے نقطہ ہے، آج میں سمجھتا ہوں کہ یہ نقطہ نہیں ہیں، گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے قدیم زندگی میں دارالعلوم کے تمام مسائل کوئی کبھی بھی ساتھ تھا، فقیر بعد کو جب بھی کسی ضرورت سے دارالعلوم حاضر ہوتا تو یہاں مولیٰ کو ضرور تلاش کرتا، لیکن ہمارے کا وقت ہم کو ان کے بعد ملنے پر راہ گیا۔ انہم فقرہ راجح

ب

دو کے اساتذہ اور دارالعلوم کا ماحول

اسی سلسلہ میں فقیر کا بھی واقعہ ہے کہ دارالعلوم کے مطبع کے سابق دارمطبع مولیٰ کی محمد صاحب مرحوم منگولہ کی سے خارج اندر سرچند دوسرے طلباء کے ساتھ ملا کر

(۱) مطبع کی داروہی مدرسہ کا ایک اسامہ ہے کہ کچھ عرصے میں انہوں نے اس جگہ پر کمال ہوا کی طریت سے کچھ کچھ کدورت اور لائق طلبہ کے تہذیب میں پیدا ہوئی ہوتی ہے۔ اور پچھانوں کے کھلنے کی بڑائی کو کمال کی کیفیت کو ان میں پیدا کی ہے۔ ان کی کئی کئی کیفیت غریب دارمطبع سے غم فقیر کی شکل اختیار کر گئی ہے، بلکہ چاروں کے لئے ان کی مسرت فرمائی، جہاں کسی نے قابل ہے اہانت و دیانت میں ایک شائی اور کئی لیکن طلبہ کے دیکھ کر کتنا زور دے گی کچھ بھی بن جاتے تھے اپنا بچہ اصول نے ثابت ہے

ح باغ عالم کا گل خوشہ نال

بنارکھا ستانکین نظر میں ان کا پہنچے سے ناغہ بلکہ ناگوار محض۔ ان کی شکل میں سارے کوشش ہو گیا ہر کسی تھا، مولیٰ صاحب مایہ و سادہ دل و دیکھ کر کچھ بھی، ان کے ناغہ کا بغیر راتی کچھ سوچا،

کی کتاب سراجی پڑھی تھی۔ نیز مہر ایہ اخیر تک حکیم محمد حسن صاحب پر بھی جو حضرت شیخ الحدیث کے صحابی تھے، مدرسہ کے طلبہ تھے، شکرار کا خاص ذوق رکھتے تھے، علم کا طالب ہی بن کر جب دارالعلوم کا عالم میں شریک ہوا تھا، تو جس سے بھی کچھ سکھانے کا موقع جڑیں مل سکتی تھیں، قدرتہ اس سے مستفید ہوتا رہا۔

اس سلسلے میں مولانا غلام رسول مرحوم استاد و مولانا اودھ نات اور حضرت مسلمان احمدی صاحب دارالافتاء برقعہ اور کچھ کہتے ہوئے شریعی نہیں بلکہ قلب کی لذت دیکھنا تم نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ جہن جن استاد سے وفود کے کتابوں کے پڑھنے کا مطالعہ یہ کیڑوں سے دیا گیا تھا، اس میں وقت کے خدائے سیدہ بزرگ عادت بالندہ مفتی عزیز صاحب قدس سرہ العزیز مفتی افضل دارالعلوم بھی تھے، لیکن اسے اپنی ایسی بدستوری میں کرتا ہوں جس کی تلافی نہیں ہو سکتی کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صحابہ اپنے فائدہ حاصل کرنے سے قاصر رہا، ہم سے پیش رو طلبہ ہیں کہ اس قسم کی باتیں مشہور نہیں کرتی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی حد سے گزری ہوئی ہے کسی اور کی کیونکر جسے حدیث پڑھاتے ہوئے، ان حدیثوں کے متعلق جو امام احمدیہ کے مسلک کے بغاوت خلاف نظر آتی ہیں، ان ہی کے جواب میں اس میں جو ابولوں سے کوئی ایک جواب دیا کرتے ہیں یعنی (۱) اس روایت کی کوئی نکتہ روایت ہوگا، (۲) اس کی تفسیر کر لی جائے گی (۳) چنانچہ فقہاء کچھ نہ کچھ اس کا جواب دیا گیا ہو گا، ظاہر ہے کہ یہ سن لینے کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے

دیگر واضح طور پر کہ ان پر کچھ اس سا ہو گا تھا، ان کی قیادت کو خدا جانے کھینے کی ضرورت کی ہے جائز قرار دے دیا تھا، شاید اپنی غلطی کو غور میں پیش کرتے، اپنی دیکھی تھی کہ طلبہ کی اس عام دہائی عادت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کہ وہ اپنی علوم میں فراغت کے اہل علم سے غائب پیدا ہو سکیں، استاد کے احترام میں لاپرواہی، اسی جرم کی سزا اپنے اس علم صاحب کو کہیں ہوں۔

حدیث کی اس کتاب کے پڑھنے کا ذوق مجھ پر بھی دوسری طلبہ کے لئے کیا باقی رہ سکتا تھا، غالباً مولانا امام محمد اور مولانا امام بالک کے درس کا متعلق مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جہن میں ایک دن بطور درد سے کہ ان کتابوں کا سبق پڑھتا تھا، یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ان کے درس میں حاضری کی سادہ سے کلید تھوڑی رہا، لیکن جس قسم کے فوائد ان کے افکار طلبہ سے حاصل ہو سکتے تھے، عربی اس کا انفسوس رہے گا کہ اس کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔

اسی طرح مولوی غلام رسول صاحب کے، غالباً سن ابن ابوبکر سابق تھا، بڑا مشہور تھا کہ مولوی صاحب موصوف پڑھنے سے زدی ہیں، اسی بہت کی وجہ سے ان کے اسباق میں حاضری کے موات کی کم میسر کرتے تھے، خیال بھی گزرا تھا کہ وہ ان کی توان ساری کتابوں میں غوراً مشرک میں، حضرت شاہ صاحب اور مولانا شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے درسی معلق کے معلومات حدیث کی ان ساری کتابوں کے لئے کافی ہیں، اور خیالی چاہئے چنداں بے نیاد تھا بھی نہیں، اگرچہ اپنی کوتاہیوں کا کچھ خیال نہ چھلکتا بھی پڑا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ کہ سالانہ امتحان میں ابن ابوبکر پر جب سامنے آتا تو اس میں ایسی باتیں پڑھتی تھیں جن کا کسی کتاب سے خصوصی فہم فہم تھا جواب لینے کے لئے تو جواب دیا جائیگا، لیکن دوسری کتابوں کے بغاوت کی کہ نہیں اس کتاب میں بھی ہے۔ مولانا غلام رسول صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضری ہو کر عرض رہا ہوا کہ حضرت اس پرچہ میں تو کچھ نہیں، اس وقت کچھ پرچہ ہو کر فرمائے گئے کہ اوپر سبق سے غائب رہا کہ وہ کہہ پڑھنے کی حاضری کا واسطہ ان کے درس میں مدد سے زیادہ ہو کہ ہو کر تھا، اس کی طرف سے معلوم ہوا کہ اگر میں ان کے کچھ لگاتی ہے، معافی کا طالب ہوا، خیال یہی ہے کہ پھر تقریر سے اسنی ہو گئے تھے۔

بہر حال یوں استاد ہونے کی حیثیت سے دارالعلوم کے ان سارے استاد کیلئے فائدہ کی نسبت اس فقیر کو حاصل ہے، لیکن بھی بات یہ ہے کہ حضرت کشمیری، مولانا شیخ الحدیث

سالہا سال سے جو دنیا رہا تھا، شاید ہی کسی قیمت پر بھی وہ کہیں دوسری جگہ میرا نکلتا تھا، ان کی ساری زندگی، زندگی کا ایک ایک پہلو اپنے اندر انہیں لایا ہوا تھا۔
کو چھٹا اور پھیلاتا رہتا تھا۔

ملکوتی تلاوت قرآن

وہ قرآن کے حافظ تھے، میں نے سنا ہے کہ
منزکے بعد اوہین والی نماز میں آٹھ بار سے روزانہ پڑھنے کے فہم تھے، چنانچہ سو فیصد امت خود کو کہتے تھے، ان کی خیرات پر ایک سیدھے سادے ہندوستان کے تھپاتی مسلمان کے لب لبو کا رنگ غالب تھا، اگر موصوفات جو یہ کہتے تھے اس کی پوری رعایت کی جاتی تھی بلکہ شاید تجویزی اصولوں کے مطابق قرأت ان کی عادت تھی مگر کبھی لیکن مستحی قرأت سے دور کا سروکار بھی ان کی یہ قرأت نہیں رکھتی تھی، کبھی بھی کسی کی وقت کی نماز کے پڑھ لینے کی مسامت اس کو بوقت کو بھی اللہ کے اس ولی کے پیچھے میرا کھاتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا شبیر احمد مرحوم برصغیر شامل کا غلبہ تھا، مگر یہ سب کی سجد کے جوہر میں وہ چمک رہے تھے، غیر مگر تیرا دیکھ کے وقت حاضر ہو جاتا، اور خدا ٹوٹے پھوٹے سننے والے مسلمانوں کے ساتھ بھی ہاتھ اندھ کو کھڑا ہو جاتا، ایک ایک کرتا تھا، وقرأت ہی میں کان کو انھیں لڑت تھی مگر دیکھ ادا تھا، لیکن دل ہی کہا تھا کہ شاید زندگی میں پھر ایسے سیدھے سادے دل میں قرآن سننے کا موقع نہ ملے گا، اور دل کا یہ فیصلہ صحیح تھا، نمازیوں میں مولانا شبیر احمد رحمت علی بھی شریک رہتے تھے، اسی زمانے میں ایک فرد جو اتھویش آیا، اب بھی جب سے سوچا ہوں تو رو جھٹکے کھڑے ہوجاتے ہیں، دل کانپنے لگتا ہے، مفتی صاحب جلد سے پتھر روپی اپنی نچڑھک دکان میں قرآن پڑھتے چلے جاتے تھے، اکیس سال میں قرآنی آیت دہرے خدا الواحد العزیز اور مکمل کروگ مسائے آگے اللہ کے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہو، پر پور پئے نہیں کہہ کر کہتی تھا جو کچھ حال میں تھے، کان میں قرآن

یہ الفاظ بولنے اور کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کا سارا عجب سامنے سے اجاگر ہٹ گیا، اور انسانیت میں کرانے دو کے آخری حشر سے کے سامنے کھڑی ہے، کچھ با جو کچھ قرآن میں کیا گیا تھا محسوس ہوا کہ وہی انھوں کے سامنے ہو، اپنے آپ کو اس حال میں پار تھا، شاید خیال ہی تھا کہ غالباً میرا یہ ذاتی حال ہے۔ مگر نہ چلا کر کبھی اس میں جو نمازی کھڑے ہوئے تھے، ان پر بھی کچھ ان کی سم کی کیفیت طاری تھی، مولانا شبیر احمد صاحب کو یہ مسافت پر نکل پڑی، یاد رکھنا ہے کہ صحیح کمالا وہ تو گڑھے اور حسے نمازی بھی لڑنے کا براغما تھے، سچ و دیکھ کر کچھ مان میں بھی برہنہ تھا کہ ملتی محرابہ وقاربے ہوئے امام کی جگہ ایلیٹ کوٹھ گئی، جو یہ کہتے ان پر بھی، دھرت کی یہی خلافت دستور بار با اس آیت کو مکمل دہرتے چلے جاتے تھے، جیسے جیسے دہرتے، نمازیوں کی حالت غیر ہوتی چلی جاتی، آخر صف دوم پر ہم ہو گئی، کوئی اور کھڑا ہوا ہوا تھا، کوئی اور کھڑا ہوا تھا، آہ آہ آواز مولانا شبیر احمد کی زبان سے نکل رہی تھی صف پر ایک طفت وہ بھی پڑے ہوئے تھے، کچھ دیکھ کر کھڑے آئے اس میں وہیں ہوئے، تازہ خون کر کے کھرنے سے صف میں شریک ہوئے جہاں جسے خیال آتا ہے مفتی صاحب دار و ترویج دیکھا میرا اور انہو کے ان تمام چٹکا موں میں ہی جگہ کھڑے ہوئے، اس آیت کو دیکھ کر تلاوت میں مشغول ہے، جب دوبار صف بندی ہوئی تب پھر کھڑے ہوئے۔

سارا ماحول سبق آموز تھا

ہر حال ان کی دینی تعلیم کے سوا کچھ سکھانے کی ضرورت نہ تھی، سارا ماحول سارا ماحول ہی اس زمانے میں اسی اسی سے لبریز تھا، غیر تعلیم بننا لیا اور اللہ کے متبعین یعنی ستم افکرم حضرت مولانا حافظ محمد صاحب اور سید وادی حضرت مولانا حبیب الرحمن خاں سے کوئی کتاب نہیں پڑھتی تھی، لیکن میں اس کیسے کہ ان بزرگوں کی علمی زندگی مسلسل جو درس ملتا رہا، شاید اس کی تفصیل کیے ایک مستقل کتاب ہی کی ضرورت

ہو، ان بزرگوں کا اغماض، ان کا جو در کم ہر ان کی نظر کی یہ معمولی بلندیاں چھو
ہر ان کی شفقت، ان کی ہر باتیاں، میری زندگی کے روشن چراغ ہیں۔ اس بات
تہائی میں جہاں کے حسن سلوک، ان کی ہر بات انہوں کے ان قصوں کو سچا پہلی
تو اس اسلام پر تاپے کو اپنے پاس ادا لپے ہی کیا، لیکن جو چھٹی ہے جس ان بزرگوں
کے یہ فیض نظر کا صدقہ ہے

جاگیر عظیمہ کو ٹھوکر مار دی | اللہ اللہ وہ کتنی کڑی اور سخت

مظہری تھی جب حکومت قائم ہوئی
سے حضرت مفتی محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر فرمانِ مدرہ میں آیا کہ نسبت
علاقہ میں زمین کا ایک ٹکڑا سرسبز و شاداب رقبہ آپ کی خدمت میں حکومت پیش
کرتی ہے، شاید سیکڑوں ہی ایکڑ یا بیگھے پر حکومت کا یہ سوہوہہ رقبہ مشتمل تھا، مشن
کی اس مجلس میں، جس میں حکومت کا یہ فرمانِ غور و خوض کے لئے پیش ہوا، اس فقیر کو
بلکہ شریک کر لیا گیا تھا قبول کیا جائے، یا نہ قبول کیا جائے، اس پر دیر تک بحث
ہوتی رہی، آخر میں یہی ہوا کہ قبول کرنے کی صورت میں عدو کے اہتمام کا رشتہ قائم نہ ہو
مروجہ کو منتقل کر دینا پڑے گا، بیٹھا شہادت کی فراخ مالی کی ضمانت حکومت کے جس
جاگیر عظیمہ میں پوشیدہ تھی، ایک ٹکڑا زمین وہ قدامتوں کے نیچے ڈال دی گئی، اور
سیدنا امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفِ صالح سے جسکی
توحہ کی جاگتی تھی، وہی توحہ پوری ہوئی، ادھر ہی ادھر سے حکومت کو جواب دیا
گیا، شاید ایسی کوئی صورت پیش آئی تھی یا نہیں، فقیر انوشیروانی کی اس مجلس میں خود
شریک نہ ہوتا، تو وہ بھی قطعا اس سے ناواقف ہی رہتا، اشارہ و ترقائی کا یہ واقعہ
اگر ان لوگوں میں میں آتا جو خانہ سے زیادہ مخلوق کی مستائش کے پیارے ہیں،
تو خدا ہی جانتا ہے کہ کس کس طریقے سے اس کا چرچا نہ پھیلا یا جاتا، لیکن جہاں تک میں
جانتا ہوں، اس حد و منطق کے سوا جس میں اس مسئلے کو پیش کر کے فیصلہ کیا گیا تھا

کسی کو کاؤں کا ان خبر نہ ہوئی، کہ پیش کرنے والوں کی طرف سے کیا پیش ہوا تھا۔
اور واپس کرنے والوں نے کس چیز کو واپس کیا۔ تعذہم اللہ بعفہ و اشد
طابت خواہم۔

وہ اکتا چکا ہے لیکن کیا کیجئے کہ طالب علمی کی زندگی سے ابھی نجات نہیں ملی تھی ،
طالب العلوم ہی کے ساتھ رہتے پر جو بیروں پر وہ اپنی برادری کے حادثات و رسوم
سے چاہتا بھی تو قنطنجہ قلعے پر گزریں وہ کتا تھا۔

طالب علمی کے دنوں میں (جناحہ اقتدالی) کے بعض حوادث سے گزرنے پر
پڑا جب بیتے ہوئے ان دنوں کے سارے قصے آپ سن چکے تو ان قصہ لفظوں میں
اس داستان کو بھی سن ہی لیجئے۔

میرا عمر سن چھ یا ساتوں دہائی تھی اور رش کی بنا پر بہاری کے طلبہ کے ساتھ
مجھے رہنا پڑا تھا، بہاری طلبہ میں بھی ایک خاص ٹولی تھی، اس ٹولی کے سرگروہ مولانا
حکیم بن سلف حسن بہاری تھے جو تقریباً آئینہ تیس سال سے اپنے وطن بہاری کے
ایک گاؤں دیوانوں میں مقیم ہیں اور اطراف و نواح میں اس وقت ان کا شمار
سب سے بڑے اور پرانے اطباء میں کیا جاتا ہے (۱)، ہمارے حکیم صاحب اپنے چند
رفقا و کے ساتھ دارالعلوم میں چند سال گزار چکے تھے، اس لئے مدرس کے سرمدیوں
کے باخوں کھیتوں، تالابوں وغیرہ سے کافی طور پر روشناس ہو چکے تھے، بہاری
طالب العلوم کی یہ ٹولی چند خاص علمی مشاغل میں کافی شہرت حاصل کئے ہوئے
تھی جن میں چند اہم مشاغل یہ تھے۔

یہ ان طالب العلوم کا ایک خاص مشغلہ تھا، دات کی تاریکی
میں جب اپنی اپنی شاہزادیوں پرستے ڈال ڈال کر طلبہ سو رہتے
تو اچانک ایک آسمانی صحبت بطور کسی پر ایک تیکہ کر گزرتا، جتنا کہ سونیا الا طالب
العلم اٹھ بیٹھا، اور اپنے سر کے نیچے سے کچھ کرکٹوں کر کے تھا شاید وہ جسے طالب العلم پر
دے داتا، اس کے بعد سارے طلبہ جو اس حجرے میں ہوتے، ان میں علمی مع جاتی،

وہ حکیم صاحب بن ابی جہاد بیت میں پہنچے ہیں۔ رحمہ اللہ

باب ۳

طلبہ برادری کے کچھ مشغلے

مضمون کے جس وقت قلم اٹھایا گیا تھا خیال ہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ
چار سطروں میں ختم ہو جائے گا لیکن اب اس سے کیسا کہیں کہ ایک بات سے مخفی
باتوں کی طرف توجہ منقل ہوتا چلا گیا، قلم رکنا نہیں چاہتا تھا، میں نے بھی روکنا اسکو
مناسب خیال نہ کیا اس کا فیصلہ تو بڑھنے والے ہی کر سکتے ہیں کہ مفید معلومات
ان تک پہنچنے، یا یہی آج کل لاکھوں لاکھ اوراق میں پھیلانے والے دور کا
قصوں دے سرور یا افواہوں کو پھیلاتے رہتے ہیں، یہی نوعیت اس مضمون اور
اس کے مندرجات کی بھی تھی، اپنی نیت بہ حال یہی رہی کہ آئیں اسور کا ذکر کیا
جائے جن میں گودادادیت کا کوئی خاص فیصلہ مجھے نظر آتا تھا، اس کیفیت سے
گویا سمجھنا چاہئے کہ اس مضمون ختم ہو چکا ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ
میں پڑھنے کے لئے اپنی عمر کے جس میں ناکارہ داخل ہوا تھا، اگر مہجورۃ الدنیا
خاک کی زندگی کے ان پانچ دوروں میں جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے
ان کے دواداد یعنی لہو اور لب سے تقریباً باہر نکل چکا تھا، آخر دوسرے زمین
کے (۱) کہ جس کے گز چکے ہوں یا گزرنے کے قریب پہنچ چکے ہوں، اور کچھ
نہیں تو اگر اس امید بہ حال کرنی چاہیے کہ لہو و لب کے اعمال و امثال سے وہ

اگر طاری کر لی تھی تاہم طے کیا گیا کہ ان کے سامنے بھی کھانے کو وہ روک دیا جاتا ہے۔
 ایک چلانے کا الزام ان پر نہیں لگایا جاسکتا۔ شروع میں تو بھگپوری صاحب بہت
 خوش ہوئے کہ ہماری ترکیب عمل تھی، اس خوش فہمی میں دس گھنٹے کی گواہی کی صورت بنا کر
 باوجود جرم ہونے کے جرم سے بڑی قرار دیئے گئے، لیکن وہ بھول گئے کہ ریائی نفاذ
 والے کو قرائن میں دلیل کی دھکی دی جاتی ہے۔

المسلم فاعلمہ کا لطیف | سنیسے یہی دلیل، قرائن سنانے کا بعض طرح
 پرکار، اس دن سے یہ دستور ہی مقرر کر لیا گیا کہ

کھانے کے لئے دسترخوان پر طبقہ کی کسی ٹولی دونوں وقت جب چاہتی رہے بھگپوری صاحب
 بھی لازماً شریک ہوتے، قریب پہلے ہی کسی مسئلہ کو اٹھایا جاتا ہے یا خلیفہ صاحب بدھ ٹولی
 صاحب پر کسی نے کی چٹایا یا پھر یہ کہتے ہوئے کہ بھگپوری صاحب بے جا رہے تو نماز
 پڑھ دیتے تھے۔ پھر کچھ میں نہیں آتا کہ کون تھا؟ اس کے بعد اس بھول، المسلم فاعلمہ
 کی چٹلانے والے کی لٹنوں سے زیادہ اذیت رساں تکلیف دہ الفاظ فرست گئے تھے
 کہ کیا آپ کو اس نے یہ جرات ہو جاتی وہ ایسا تھا اور تھا، دسترخوان پر بیٹھنے والے سب فکر
 اس کا موٹہ کو روڑا نہ ہڑاتے، ہر ایک دوسرے کی ہمنوائی کرتا، سارے مجمع میں خاموشی
 مرفت ان ہی بھگپوری صاحب پر طاری رہتی، اور جب چاہ وہ صحت کھانے
 میں مصروف رہتے، قریب بندہ میں روز تک دسترخوان کا وظیفہ یا حدیث المائدہ
 دونوں وقتوں کے لیے ہی منگوا دی تھی۔

آخر ایک دن بھگپوری صاحب کچھ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ بھائی آپ
 لوگ صاف فرما دیں، آخر ایک دن ہو، دو دن ہو، مسلسل بندہ میں دن سے
 صرف ایک نوکھر چلانے کے جرم میں کیا کیا سن رہا ہوں، مسلسل سن رہا ہوں، میں پانے
 قصور کا اعتراف کرتا ہوں، میرا جرات کچھ ہی ہے ہوتی تھی، روک دیا تو دیکھ مارے
 مصنوعی طور پر چلا لیا تھا، ظاہر ہے کہ اعتراف جرم کے اس دلچسپ منظر کے بعد تفریق

انھیں سے میں ایک دوسرے پر دیکھ چلا شروع کر دیتے مسجد کے جنوبی سمت میں جو
 مجرول کی قطار ہے، ان ہی عجلوں میں ایک حجرے میں ہماری طبقہ کی یہ ٹولی عوام
 فرشتہ تھی، اور کچھ بڑی کا سلسلہ اسی حجرے میں غلٹوں جاری رہتا۔
 تفریق ہی اس ٹولی میں جب شریک ہوا، نو فیسے ساتھ اتنی رعایت کی گئی کہ حجرے
 کے اندر ایک ذیلی حجرہ تھا، جس کا نام اس زمانے میں نے حجرہ قریبہ رکھ دیا تھا۔
 اس میں مجھے جگہ دی گئی تھی، اور باہم طبقہ نے عہد کر لیا تھا کہ اس خراب فوارہ کو کون
 کے قانون سے سختی قرار دیا جائے۔ یہ واقعہ کہ اس سادہ کا کافی احترام کیا گیا،
 اور مجھے باؤنٹیں آ کر کچھ بازی کے اس ہنگام میں مجھے بھی شریک ہونے پر بھی مجبور
 ہونا پڑا ہوا، الایہ کہ صورت ایک دفعہ صورت میں آئی کہ ضرب کی ناز کے نتیجے میں
 سے بڑے حجرے میں داخل ہوا، بڑے حجرے سے اپنے حجرہ قریبہ میں جا ہی رہا تھا کہ ایک
 ایسا محسوس ہوا کہ کچھ کا کوئی وار مجھ پر بھی چلا ہی دیا گیا، پلٹ کر بڑے حجرے میں دیکھنے
 لگا کہ کن صاحب کی یہ فوارہ ہے؟ پھر ایک صاحب سے جو بھگپوری کے رہنے والے
 تھے، حجرے میں کسی دوسرے پر نظر پڑی، یہ بھگپوری صاحب المسلم جن پر میری نظر پڑی،
 میں نے ان کو دیکھا کہ کچھ سے نماز میں تھا، اور نماز میں ہی روک لئے ہوئے ہیں، پھر
 اتنا قہر تھا کہ روک تک نہ کیا، اور کچھ کو بھی نظر نہ لگتا تھا، اتنے میں دوسرے صاحب بھی لگے
 میں نے ان کے سامنے اس مقدمہ کو پیش کیا کہ آپ لوگوں کے باہمی معاہدے کے اقترا
 کو آج کن صاحب نے ختم کر دیا، یعنی اس تفریق پر بھی اتنا کچھ کا حاکم ہو گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی
 لوگوں سے عرض کر دیا گیا کہ بھگپوری صاحب حجرے میں موجود تو قہور تھے، مگر ناخوش
 روک دیا کی حالت میں ان کو دیکھتا، تو کچھ بھی جانتا کہ ان حضرت کی کرامت ہے، میں نے
 عرض کیا کہ وہ روک دیا میں تھے، اس لئے اس جرم کا مجرم ان کو نہیں قرار دیا جاسکتا،
 یہ کچھ تو بھگپوری کے سامنے کی گئی لیکن جب کی ضرورت سے وہ ہٹ گئے، تو ہم
 اتفاقاً فیصلہ ہی ہو کر کیا آگے نہیں چلا یا ہے، اور دوسری طور پر روک دیا کی حالت اپنے

آواز سے کہہ کر کس حد تک غریب اٹھا ہوگا

پٹنڈیر بازی | سید بازی کے ساتھ ساتھ باری طلبہ کی بھی ٹولی تھی۔ حرکت بھی کرتی تھی کہ سمجھنا نہ تھی کہ کڑا کے لئے حائل کے

دوڑ میں کسی ہانڈی یا ٹھیلے میں پانی بھر کر ڈوبی کے ساتھ کھڑا ہو کر دھڑکے کے ساتھ چھت کے کپڑے میں لٹکادی جاتی ہو کر پانی کو پیار دیتے تھے۔ اس کے بعد اٹھا۔ اس کا سر پانی سے بھری بٹلی یا ٹھیلے میں لٹکایا جاتا، اور سارا بدن اس کے کپڑے پانی سے تر ہو جاتا، جاڑے کے ان دوڑ میں باہمی مذاق کا یہ عجیب سا تھا۔

رنگ بازی | ایک دن یہ لیلچ بھی جسے زیادہ دلچسپ میں آتا کہ ایک طالب علم جن کا زیادہ وقت گہری نیند کی آغ

گزارتا تھا جھگڑنے پر بھی مشکل بیداری کا کیفیت ان کے دماغ میں دباؤں ہوتی تھی کیا یہ گیا کہ ان کے ہاتھ کو رنگتے رنگین کر کے دوسرے طلبہ جو سوتے ہوئے تھے، انہی پیشانیوں پر بھی وہی رنگ نیند کی حالت میں پھڑک دیا گیا، جگنے کے بعد لوگوں کو جب محسوس ہوا کہ کسی نے ان کی پیشانیوں کو رنگتے رنگین کر دیا ہے، تو دیکھنے لگا کہ کس کا ہاتھ دیکھیں ہے، غمناک و دماغ غریب سے قصور محرم پھر باگیا، لاکھ کھین کھاتا لیکن بھگت چلا گیا اور دیکھتے ہوئے کسی کو زور دے کر پھر لایا گیا

پٹانجے بازی | باری طلبہ کی ٹولی اس قسم کی حرکات بھی کیا کرتی تھی، نیند کی گشت کی حالت میں نسل انڈیاں دلائے ٹانگے کی

گوہوں کو لیٹ کر کنوئیں کے آگے ڈال دیتی جس میں پتھر سے لکڑی کا ٹکڑا بھی چھوڑا کر دیا جاتا، بکتے غریب گوشت کی لالچ میں ہوا زمانہ پر مارتے، دانتوں کے شے دہنے کے ساتھ ہی یہ گولی منہ کے اندر چھتی اور ایک ہیٹ ناک آواز آتی، غریب ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوتا، حکیم صاحب کا خیال تھا کہ اپنے متعلق کے کو قیصر بنانا ہے کہیں مریا، اور واقعہ یہ کہ کچھ دیر کے لئے منہم ہوا کہ وہ مردہ ہو چکا ہے، لیکن

جب بوش آتا تو پھر میڈا کر بھاگ جاتا۔

خرسوار | اسی طرح جانڈی راتوں میں ہی ٹولی پر حرکت بھی کھی کیا کرتی تھی کہ قبیلہ میں اوجھڑا دھر گدھے چمڑا سے مارے پھرتے، ان کو

پکارتے، اور دم اٹھا کر کھی ہوتی یا ہر چوں کا سفوت اس کے اندر ڈال دیا کرتے، طالب علم اس پر سوار ہو جاتے، اور مچوں کی توتے گھوڑوں پر ایک ٹال طاری ہو جاتا کہ لاکھ ان کو روکتے، مگر وہ جھگڑتے چلے جاتے تھے، مگر باخسوار کی وقت رات کے بارونچے کے بعد چاندنی راتوں میں مقرر تھا، اور سواروں کا یہ خورہ اپنی خرسواروں کے کالائے دکھاتا، اور بھی طرح طرح کے لطائف مختلف شکلوں میں اس ٹولی کی طرف سے پیش آتے رہتے، مگر خسا کی شرکت دیکھ لینے اور سکرا کر مٹ جانے کے آگے عقل کی کوئی بھی نہ رہی ہوگی

شبکاری کی مہم | باری طلبہ کی اس ٹولی کا ایک خاص مشغلہ شبکاری تھا، آبی باجری شکار کے لئے خدا جانے ان

لوگوں نے کہاں سے جال بھی پیدا کر لیا تھا، اور دسمبر جنوری کی راتوں میں جال کو لیکر ایک بچہ تو دیکھ کے بعد غمناک لالوں میں یہ رات چڑھتے اور پھیلوں کا شکار کرتے، بعض دفعہ ایک خاص قسم کی پھلی کسی کو کاٹ بھی کھاتی، ذہرا اس کے کاٹنے کا قفسہ بنا بچھو کے ذہر چھپا ہوتا تھا، نام اس پھلی کا سبب بھی باقرب قریب ہی تھا۔

اسی طرح بڑی شکاروں کا سلسلہ بھی جاری تھا، جن میں سب زیادہ اہم جنگلی کبوتروں کا شکار تھا، دو ہند کے اطراف وچ انہ گول کی کاشت کا رواج بہت زیادہ ہے، گرمیوں کے موسم میں بانی دینے کے لئے اکثر بنابر کھیت میں کے کنوئیں کھوٹے جاتے ہیں۔ ان ہی طریقوں کو انڈیاں بھی کبوتر راتوں کو لیر لیا کرتے تھے، کھیتوں کے ان کے کنوئیں میں نمازات جیسے سوراخ ہوتے تھے جن میں کبوتروں کو پناہ مل جاتی تھی، یہ شکاری مہم بھی راتوں میں ہی ختم ہوتی تھی، کبھی کبھی غیر بھی شبکاری

کی اس مہم میں اس ٹولی کے ساتھ رات بھر کھیتوں اور میدانوں میں بھٹکا ہوا گوسا ٹولی کا سب سے زیادہ صبر و ضبط تھا۔

بھرجال سٹریٹ نوشکا دیوں کی اس ٹولی کے حکیم منظر حسن صاحب ہی ہوتے ، خدا جانے کس طرح پتہ چلا لینے کہ اس کنویں میں کبوتروں کی کافی تعداد ہے ، یہ فیصلہ کر کے بال بچہ کنویں کے منہ پر پھیلا دیا جاتا ، اور ایک درجہ سا دھڑکا دیا ، اس کو ہاتھ میں لے کر حکیم صاحب اپنے خاص وقت کے ساتھ کنویں میں اتر جاتے ، ان لوگوں کے اترنے کے ساتھ ہی کبوتر اٹھنے لگتے ، کنویں سے باہر نکل جاتے ، لیکن جال میں گرفتار ہو جاتے ، اور پتھر ایلے بھی ہوتے جو کنوؤں کے ان خانوں میں بچے جلتے جو قدم جانے کے لئے کاٹھا کار ان کنوؤں میں بنادیا کرتے ، یا وہ اندر خود کبوتر اپنی چوچوں سے گودھو کر اپنے رسنے کی جگہ بنالیا کرتے ، میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو اس کا خوف نہیں ہوگا کہ ان سوراخوں سے آپ کبوتر نکالتے ہیں ، ان میں سانپ وغیرہ ہوں ، تو ہنسنے اور بولنے لگیں کنویں میں ایک سانپ بھی ہوگا ، اس کبوتر کا وجود ناممکن ہے ، پس کبوتر کا ہونا ہی دلیل ہے کہ اس کنویں میں کوئی خطرہ نہیں ہے ، یہ سب باتیں ہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ایک مہم میں اس اوقات میں تین سو چار مار سو کبوتر ہاتھ آ جاتے تھے ، پوچھنے کے ساتھ ہی ہم لوگ در در میں داخل ہو جاتے تھیں کو ذبح کئے ہوئے کبوتروں کی پکائی ، دیکھیں میں ہوتی ، اس میں شک نہیں کہ بڑی لالچ تھا ، جیلا پرند کے گوشت کا آنا بڑا ذخیرہ تھا ، پھر وہ خود اور دوسرے طلبہ بھی کبوتروں کی اس دعوت میں شریک ہوا کرتے تھے ۔

خرگوش کا شکار | پچھلیوں اور کبوتروں کے ساتھ ساتھ خرگوش کی بھی کافی تعداد ہوا دوسرے میسرے میں شکار ہو رہی تھی ، گیموں کے کھیتوں میں بکثرت خرگوش پائے جاتے تھے ، اور طلبہ بھی اس کھیتوں سے بھی ان کو مار لیا کرتے تھے ، گیموں کے ہتھے ہوئے خرگوشوں سے استدلال کیا جاتا کہ

خزوان کے آس پاس خرگوش میں بیشتر پائے جاتے ہوئے یہی شکاری شکاری رہتا تھا ان غریبوں کے سر پر بلائے جے دریا کی طرح بہتے جاتے ، اور ایک ہی دار میں بے چارے خرگوش لوٹ لوٹ ہو جاتے تھیں گاؤں میں بھاگ چلوں کے ایک اعلیٰ مولوی ذکی الدین صاحب کو اس باب میں اتنا حاصل تھا ، عجیب بات ہے کہ تین چار خرگوش غولیا پٹ کے دسترخوان پر دوسرے تیسرے دن آتے ، لیکن خدا جانے میلاد اس کے کھانے پر آخر وقت تک یہ لوگ اسی ڈھواں ، زیادہ سے زیادہ بھی معاف تو روٹی میں لگا لیتا ، لیکن ہر شادی بھی منہوال کی ہو ۔

چنے ہٹ گئے کا موسم | اس سلسلہ کی ایک بات جو گزری ہے ، اسے بھی عرض کر دیتا ہوں ، شرفا و نقین جو از کاختی نہیں دیا جاسکتا ، لیکن کبھی کبھی طلبہ کی بڑی کھیتوں سے چنے اور مٹر بھی اکھاڑ لیتے ، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ گئے رہتی بھی دھاوا بول دیتی ۔

دوبند وغیرہ میں قاعدہ تھا کہ اس نکلنے کی نشانی کو گھر پر جگہ گزے بہتے ہیں اور عام بات تھی کہ بیلوں کو گھنٹیں میں جوت کہیں کا جلیا ہے ، دس نکلے ، ایک مرتبہ جوتی سے خب گزری کی اس مہم میں تقریبی ساتھ ہو گیا ، گنے کی کافی تعداد حاصل ہوئی ، خیال کیا گیا کہ ان کا دس نکلا جائے ، لیکن یہاں اعلیٰ کماں سے لاسے ، بالآخر لے گیا کہ کچھ بیلوں کے طلبہ کو گھر چلا آئیں اس وقت پر پھر دیکھ کے مطابق خود ہی دیر کے لئے ناکہ آئے کہ دس چورے کھینے کو گھوٹیں خاکسار کو بھی جوتا گیا تھا گنے میں ہرن کی ڈار | گنے کے انھیں کھیتوں کے سلسلے میں ایک نکتہ یاد آئی ، ہر بات کا موسم تھا ، چاروں طلبہ

جدھر دیکھے کھیتوں میں پانی پانی بھر رہا تھا ، ایک طالب اعلیٰ کی نظر پڑی کہ کھیت میں ہرن کی کوئی لٹاڑی ہوئی ہے ، طالب اعلیٰ نے اس کھیت کا چاروں طلبہ سے رابطہ کیا ، عام طور پر ہرن ادھر ادھر سے اڑا کر نکل گئے ، لیکن ایک ہرن ہرنی

باتی میں پھنس گئی، طلبہ اس پر ٹٹ پڑے۔ گواہی نامک کے کھروں سے اسے اکثر بل کی ٹرلی، کافی زخمی گول کو پوچھا، لیکن پیچھے سے پہلے میں دکھایا نہ ہو سکی، اس واقعہ کی کافی شہرت ہوئی اور کثیر ہندو متی حضرات کے اہل علموں کی اس ٹرلی نے بہن کو بچا دیا، خوب دعوت اس کے کباروں کی ہوئی۔

اس نادر کام کا
معلوم نہیں،
لیکن جیسے
زمانے میں

مسلم خلوآن (جبری کا بیچہ) اور مرز عفری یادگار دعوت

عام دستور دیوبند والوں کا تھا کہ سیر کے باغ میں طلبہ کی دعوت کرتے، آسموں کی بھی دعوت ہوتی تھی، اور سال بھر میں ایک دفعہ ریادہ کی دعوت خاص دودھ کے ساتھ مدرسہ کی مدرسہ کی طرف سے کی جاتی تھی، کبھی کبھی باہر کے ارباب بھی مدرسہ پہنچ کر طلبہ کی دعوت کیا کرتے تھے جن میں ایک دعوت کے لطیف واقعات کا ایام پیر کی میں بھی جب یاد کرتا ہوں، تو دیر تک ذائقہ کو خیالی لذت کا موسم ہے

چنگل کے ایک شہر زان بخش ابھی مرحوم تھے، سیرنگٹ کے سادے ہندوستان میں سولی پہنچتے تھے، اپنے نادر میں کلکتہ کے سربراہ اور وہ تمام دس شمار ہوتے تھے سیرنگٹ سے ان کی ایک ہی دہ انتہائی سیری نظر سے گزرتی تھی جس کا گچھ اندھیرے میں گویا سب چراغ بنا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ان کے ہاتھ میں کوئی ستارہ چمک رہا ہو، بہر حال انھیں جیسے ہوئے دونوں کا لقب ہے کہ کش اپنی مرحوم دارالعلوم کے طلبہ کی دعوت کا ارادہ کیا، اپنے ساتھ دہل کا مری میں علوانوں (جبری) کے مشہور ہفت ماہر بچوں کی کافی تعداد لیکر دیوبند بھیجے، شاید سیرنگٹ سے تیار دہلی، ان جی علوانوں کی برائی بچائی ہوئی، اور مرز عفری، بیٹھ صاحب کی طرح سے جوتا رکھا گیا

تھا، واقعہ یہ کہ جیسے تھانوں کے بجائے حضرت کے زعفرانی بھاسے کے کئی دھکے اٹھتے رہے، ایک ایک طالب علم کے حصے میں خیال ہی گزرتا ہے کہ چند مسلم علوان کے گوشت آئے تھے، کھانے میں جائے کھانے کے مرغ مسلم کا مزہ بھی ملتا تھا، اور دیوبند پر جبری مرغ مسلم کی کڑیوں کا جبڑہ ہوتا تھا

مہمانانِ رسول کی غیب سے ناز بردار اریان

کم از کم اس زمانے میں جب غیر کو اس کے امانے میں چند سال زندگی گزارنے کا موقع ملا، امن و امانیت و راحت اور آرام کے اسباب تصور تھا، نہیں کہ سڑکی کی کسی قسم تھا، یا عریضوں میں منزل میں ہم تھے، اس کا یہ اتفاق تھا، جسے بعض بجزات تو اس باب میں عجیب ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دینی علوم کے ان طلبہ کی غیب کی طرف بھی ناز و داراں ہوتی تھیں، سب کا یہ کہ تو صاحب نہیں ہے، لیکن توشہ کے طور پر ایک تجربہ کار ڈگری دیتا ہوں۔

خانانہ شہابی استعان کا زمانہ تھا، جو ابوں کے کھنے میں کافی تاخیر ہوئی تھی، مبلغ سے کسی نے کھانا لا کر رکھ دیا تھا، روٹیاں بھی ٹھنڈی اور خشک پوچھی تھیں اور سالن بھی توڑنا قابل استعمال بنا تھا، جواب کھنے کے بعد کھانے کی خدمت کی میں، اس کھانے کو اپنے سامنے یا کھانا خلافت عادت طبعیت میں ایک چھوٹ سا تنہا کھینے یا کھانا کھا کر اس کی کیفیت محسوس ہوئی۔ اور بول ہی کھانے کو دس خزان پر بھجوا کر بستر پر ڈال دیا، شاید آدھ گھنٹے اس حال میں گزرے ہوں گے کہ میرے ایک رفیق دس جن سے بچو دسی رفاقت کے اور کوئی خاص تعلق نہ تھا، بیوی کے رہنے والے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سیکھتا ہے بیٹھ بیٹھ ہوئے ہیں، اور دھکا کر کے کہہ رہے ہیں کہ اسے یاد، خدا جلے کہ اس وقت میں میں خیال کیوں پیدا ہوا کہ اگر گھر پر دینی جو علوان باورچی کے ہاں تیار ہوئی ہے، اگلے کھانی چاہیے، اس کے ساتھ یہ خط بھی

آیا کہ کو بھی ساتھ لے چلوں ہیں ان سے عقد و عہد نہ بھی کرتا رہا لیکن وہ سری ہو
ہو گئے، ۱۱۔ اپنے ساتھ اٹھا کر باورچی کی دکان پر پہنچے، وہ اسی دن اسکے ہاں
برائی حد سے زیادہ لذت تیار ہوئی تھی، میرے ہرگز ہر دنوں نے کھایا، پینے کے نہ سننے
نہ جان کا ہم دولانا، بے انصاف رہا، سننے میں آیا کہ بیمار سے کا انتقال ہو گیا، انکو اسکا
پرستہ میں نے ملنے دیا کہ اسوقت روٹھ کر ایک خاص نسبت میں کھا اٹھا، بے غیر
میں پڑا ہوا تھا، اب یہی جب اس واقعہ کو سوچتا ہوں، تو محض ہمت و اتفاق قرار دینے
پر دل راضی نہیں ہوتا۔

باطنی اشاروں کی کرشمہ سازیاں

تھا، اور اس احترام کے عملی مظاہرے روز بروز سامنے آتے رہتے تھے، انکو دیکھ کر
اس کے سوال اور تجویز میں کچھ جاسکتا کہ کئی آدم کے قلوب جن الرحمن کی انظیوں کیچھے
دیے ہوئے ہیں، اسی کے باطنی اشاروں کی یہ کرشمہ سازیاں تھیں، کھیتوں کے حقے
متر گئے وغیرہ لانے کا قصہ بیان کر چکا ہوں، بظاہر شرفاء ان احوال و افعال کے جواز
کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی لیکن اسی کے ساتھ اس بڑاؤ کا خیال جب سامنے آتا ہے،
جو سہولت ہی یعنی طلبہ دارالعلوم کے ساتھ باشندگان قصبہ کا تھا، اسی اپنی سہولت
میں ملا کر طلبہ کی سہولت سے ضیافت یا مہروں میں، وغیرہ کے اصول کی سخاوت
ایک ظلم بات تھی، ان ہی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی دل میں یہ دوسرے بھی
آتا تھا کہ کیا اپنے کھیتوں کی پیداوار سے استفادہ کی عرفی اجازت اس علاقے
کے لوگوں نے طلبہ کو دے رکھی ہے؟ شاید کسی کا متوجہ تھا کہ طالب علموں کی روزانہ سہولت
کی شکایت اس زمانے میں شاید کی جی نہیں جی ہو، اسباب کے حالات اس میں جاہل
کے ہر میں بہت کچھ دل چکے ہیں، انکو جاننا چاہیے کہ اس عرفی اجازت کے دور
کی بھی گنجائش اب باقی نہیں رہی ہو، اکی لے کر شرف زماں کے واقعات پر چاہیے کہ

اس زمانے کے طلبہ قیاس کر کے حرام کو حلال و حلال کو حرام کرنے کی نگوہی کرکٹ
نہ کریں نہ دیوبند کے باشندے ہی وہ باقی رہے، جو انھیں کے آباء و اجداد کسی
زمانے میں تھے، ۱۱۔ طلبہ کا وہ ملک نظر آتا ہے جس کی رعایت آپ سن چکے
غیب میں بھی کی جاتی تھی۔

★

چند یادگار تقریبات

بہر حال ان جہانی مسرتوں اورادی لذتوں کے ساتھ ساتھ ان زمانوں میں وقفہ وقفہ سے ایسی تقریبیں بھی مدرسے میں ہوتی رہتی تھیں، جن میں بڑی سکنت اور دماغی رست و ضافت کا سامان پوشیدہ ہوتا تھا۔ دارالعلوم میں خاکسکے قیام کی مدت دو ڈھائی سال سے شایر زیادہ نہیں ہے۔

پہلی تقریب

لیکن اسی عرصے میں استاد بظرافت ترکہ کا ایک وفد جمال پاشا کی قیادت میں دارالعلوم پہنچا تھا۔ اور غبارِ دو سحر تمازت کے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقہ مبارک کے غائب ہونے کا ایک بڑا جھجکاؤ شیشوں کے ایک خوبصورت صندوق میں بند تھا، مگر تنگ سیلنے کی سادست اسی شاہی وفد نے حاصل کی تھی، خیال آئیے کہ جمال پاشا نے ایک تقریب بھی کی تھی۔ یہ یاد دہرا کہ ترکی زبان میں کی گئی تھی یا کسی مغربی زبان میں غالباً کسی نے ترجمہ بھی اس تقریر کا اکی وقت کر دیا تھا، مرحوم ڈاکٹر انصاری بھی شاید اسی زمانے میں مدرسے میں پہنچے تھے، اور ترجمہ بھی ممکن ہے جمال پاشا کی تقریر کا انھیں نے کیا ہو۔

دوسری تقریب

اسی زمانے میں علامہ بھی جو بد میں سعودی حکومت کی طلب سے انگلستان میں سفیر مقرر ہوئے انکی تشریف آوری بھی ہوئی تھی، فردہ میں تقریب بھی عربی زبان میں کی گئی لیکن جہاں تک یاد آتا ہے۔ ان کی تقریر کا کوئی خیر مسمولی اثر اپنے امد نہ ہم نے ہی محسوس کیا اور نہ دوسروں نے۔

تیسری تقریب

البتہ اسی زمانے میں علامہ دجیر الجیلانی الاندلی جو فیما بین مقبوضہ امریکہ کے مسلمانوں کی دعوت پر حکومت ترکی عثمانیہ کی طرف سے شیخ الاسلام بن کر نیا ان بھیجے گئے تھے، راستے میں ہندوستان سے گزرتے ہوئے وہ دارالعلوم میں تشریف فرما ہوئے تھے، عمر ان کی تیس چالیس کے درمیان تھی، گورے چہرے پر تین سیاہ دارھی کے بال نے ان کی وجاہت کو دو بار لاکھا تھا۔ فردہ میں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء کے سامنے عربی زبان میں سید موصوف نے ایک تقریر فرمائی، تقریر کا نتیجہ یہ تھے، بے ساختہ ان کی زبان کے ڈھلے ڈھلائے فقرے جس وقت نکلتے تھے، اور فقرے میں بعض خاص عربی الفاظ کا اسلوب جدید کے ساتھ جس وقت وہ ادا کرتے تھے قوصوفیوں کے وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، شیخ الاسلام دجیر اندلی دارالعلوم کو دیکھ کر اس درجہ اس کے گرد یہ ہوئے کہ نیا ان کی شیخ الاسلامی کے زمانے میں بھی اور ولایت کوجو سے قسطنطنیہ واپس ہونے پر جو بدہوئے کوئی بلکہ دارالعلوم کی یاد ان کے حافظہ میں تازہ رہی، ان کا ایک عربی خط قسطنطنیہ سے جو آیا تھا اسکا لے ترجمہ کے ساتھ انعام میں اس کو پیش کر دیا تھا۔

چوتھی تقریب

تقریبات ہی کے سلسلے میں شاید وہ دن بھی بھلا یا نہیں جاسکے، جب حکومت آصفیہ دکن کی امداد و اجازت میں شہر ڈھاکہ کو پہنچے، اور اکی حد تک محدود تھی، لیکن مرحوم شمس العلما، حافظہ علیہ رحمۃ

جواس وقت حدیث متہمت تھے، ان کی کد کا ڈھلے سے یہی امداد ڈھائی موسے ترقی کر کے
ہزار روپے ماہوار تک پہنچ گئی تھی، مانتظا صاحب قبل رحمۃ اللہ علیہ اس غیر معمولی
کامیابی کے ساتھ دکن سے جب واپس ہوئے، تو بڑے جوش و خروش کے ساتھ دیوبند
کے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا گیا تھا، اور دو سو ستر دن خود میں اساتذہ و طلبہ
کی طوط سے مانتظا صاحب مرحوم کی خدمت میں شکر پر پیش کرنے کے لئے حاجت جمع عام
ہوا تھا اساتذہ کی طوط سے تقریریں دکن کے ساتھ خوب بارہے کہ حضرت الاستاذ الامام رحمۃ اللہ علیہ
اور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عربی زبان میں ایک متحدہ خطے خاص کا تذکرہ کیا
تھا، مانتظا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات کی طوط اشارہ کرتے ہوئے شاد و غم
نے فرمایا تھا۔

کاشمیر فی نسب والبدون حسب

قدغما مرالمجد اقصاء وادناہ

ابن الاسار جلیل القدر دقاہم

والطائرا العیث فی ارجاء مضاہ

ابن مسلم ہوتا ہے کہ شکران میں اس وقت بھی گونج رہا ہے مولانا حبیب الرحمن
صاحب نائب مہتمم نے عربی زبان ہی میں اپنا قیدہ پیش کیا تھا، اس قیدہ کا آغاز
جن اشعار سے کیا گیا تھا یعنی

قدمت طولی نہانی ساہرا وجا ایام واصلحید المقوم معتبرا
راج الکریم لصلو الدین مجتہدا وبہ کالصبر مکروہا وکتابا

ان ہی مواقع پر مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے علمی کمالات کبھی کبھی دجانے والوں
کے سامنے بھی آجاتے تھے، روز غرام میں زیادہ شہرت ان کی علمی اولوالعزمیوں کی تھی
یاد آئیے کہ جہاں سے مخدوم دھرم مولانا محمد طیف صاحب مظلما علیہ السلام
دارالعلوم دیوبند کے لئے شاید یہ سیلا مولانا تھا کہ ان میں ایک ہی نہیں، بلکہ ان
نے دو نظریاتی ایک فاری میں اور ایک اردو میں تحریریں اپنے والد ماجد کی خدمت
کا احترام فرمایا تھا، باوجود کہ عمر کے فطری تجدد کی اور انسانی سائنات و طوائف
کے ساتھ یہ دونوں اتنے بڑے محسوس میں سنیں کہ ان کے والدین نے ان کی وقت تیار کیا
تھا، باقی کے اس آئینے میں مولانا محمد وک کا شاخا دار کا مستقبل چھا گیا رہا تھا۔
رفیقاہ اللہ تعالیٰ (ادیقہ روح نہ)

اردو کی جو نظر مولانا طیف صاحب نے سنائی تھی، وہ کافی طویل تھی، فاری نظم کے
انتخاب و تھوڑے تھے، اہم کے نمونہ میں جن میں حضرت الاستاذ انکشی اور مولانا
حبیب الرحمن انسانی رحمۃ اللہ علیہ کے عربی قصائد شائع ہوئے تھے، یاد آئیے کہ ان
میں مولانا طیف صاحب کی اس فاری نظم کو باکورد فکر مولوی طیف صاحب سلمہ اللہ
تعالیٰ کے عنوان سے عاکسہ رنے شائع کر دیا تھا،

باکورد مینا کسلم ہے عربی زبان میں وقت کے پہلے بھل کر کہتے ہیں، جو یا نظم
کے صاحب ہے مولانا طیف صاحب کی یہ پہلی نظم تھی، جو زور طبع سے آراستہ مولیٰ
مولانا طیف صاحب کی انہی نظم کا یہ شعر یعنی آئے آپ کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا
اسے غلام شمس اعظم فلسفہ اسم واطغی خود بخود وارہا شمس
دوقت بھی حسین و داد کا حق قرار دیا گیا تھا اور آج بھی میں پالیس سال کے بعد
داوطلب کا یہ شعر یاد رکھتا رہے، فاری کی یہ نظم کہ غنصر کہتے ہوئے مولانا طیف
صاحب کی زبان پر جس بے ساختگی کے ساتھ یہ شعر جاری ہوا تھا یعنی
فاری بجز اردو داریاں مطلع دیگر بھوان تیار با شمس

وتموال سیکھ کو نوات پانچے بہرہ شہر

شاید اس کا لفظ آج بھی سننے والوں کے حانظوں میں محفوظ ہوگا

پانچویں تقریب | غالباً اس تقریب کے چند دنوں بعد مولانا طیب صاحب کو صاحب تقریب بن کر جلوہ فرما ہوا تھا۔

یعنی مجدد دسویں خوش نصیبوں کے فقیر کی ایک خوش نصیبی بھی تھی کہ مولانا طیب کو دو لہا بنا کر دو بند سے راجوں کا جو بیج ان کی سسرالی راجپوت رندوان رواد ہوا تھا، ان میں ایک ادنیٰ ترین خادم کی حیثیت سے شرکت کی شہادت اس فقیر کو بھی حاصل ہوئی تھی، مولانا کے فخر مرحوم مولانا محمد صاحب ان زمانوں میں راجپوتانے کی راست اندر گڑھ بنائی کے مختار عام اور عادلانہ ہم تھے، یہاں تو ان کی غلط ملازمت میں جو کچھ ان سے ممکن تھا، اس میں شکست کا شاید ہی کوئی دقیقہ اٹھا رکھا گیا ہو۔

دیدہ عبرت جو ابھو اہو۔۔۔۔۔! | راجپوت کی اس نعل شادی میں ایک شب

جسے اب کبھی کبھی سوچتا ہوں تو کاتب اٹھا ہوں اپنی کم چری کے زمانے میں اچھی طرح یاد ہے کہ ہندوستان میں اخبار نویسی کی رافے، چند خاص ہفتوں کو غیر معمولی اتہا حاصل ہوا تھا جس میں ایک صاحب شرکت میرٹھی نامی بھی تھے، ان کا اخبار میرٹھی ہی سے غالباً پندرہ سترہ سترہ نام سے نکلتا تھا۔ لوگ اس اخبار کے مقالات و مضامین، اس کے لطائف و ظرافت کا ہنر بھر انتظار کرتے رہتے تھے، چونکہ یہ پڑھ نکلتا، جسے لکھا پڑھنے میں مشغول ہوجاتا تھا۔ راجپوت رندوان میں دیکھا کہ ایک پیر فرقت، فرسودہ کی شوالائے پسنے ہوئے مجمع میں اکڑ گئے تھے، کسی نے تعارف کو لکھ کر کہا کہ شرکت میرٹھی ہیں، جہریت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، کان سے سے کاسٹر اس شخص کے متعلق انکھن کے سامنے کیے گئے نقشے آگے ہوئے گئے، آج دیکھا کہ پیر و مجدد ہر کس جس میں اس کا شریک ہوا تھا کہ شاید لوگوں کو اس کی حد سے گڑبگڑ ہوئی

شیخوخت اور بڑھاپے پر رحم آجائے، اور جس نے جس قسم کا سلوک ممکن ہو، وہ کر کر کے، طالب علموں نے اس بوڑھے اخبار کار کا پڑھ کر لیا تھا، طرح طرح کے سواکت کہتے تھے شکست خوردہ شرح کی طرح وہ غریب اپنے آپ کو ان سے پہلے کی کارکنوں میں نشانہ اٹھا

اس زمانے میں شرکت میرٹھی، اور ولی کے ایک صاحب مزاحیرت نامی اور بھی چند اس نوعیت کے کچھ لوگ تھے، جو اپنے زور و بھاری روٹ لکھتے تھے، طرح طرح کے فتنے مسلمانوں میں نے نئے سالی پھر کر اٹھائے، ان کے عادی تھے، شرکت میرٹھی کو تو اس حال میں دیکھا، اور مدد و اقتدار لکھنؤ کے طالب علموں نے مولوی خشتی کی علاج دہی کے بعد احتیاجاً اسٹرلنگ کے سارے ہندوستان کو عجب سر اٹھا لیا تھا، اس گچی کو لکھانے کے لئے دانا بان قوم دہلی میں جیسے ہوئے تھے، دارالعلوم سے بھی ایک وفد علماء کا دہلی بھیجا گیا تھا، جس میں تقریبی شریک تھا، بجائے خود ولی کا یہ سنگام و ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص سنگام تھا، دیوبند مدد علی گڑھ مسلمانوں کے قیون علی مرکز کے قائم دے، اس میں ایک طیف خادم پر پہلی دفتر سرخ ذکر بیٹھے تھے، اس مجمع میں جہاں بہت کچھ تھا، اسی میں مزاحیرت سیدنا سے پر بھی نظر پڑی تھی، اپنے عبدطلی کے ان دنوں کو یاد کرتا تھا، جب سانا ہندوستان مزاحیرت اور ان کے اخبار کارزن گزٹ کے خرچے سے مورد حق اسی اخبار میں حضرت آج حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا انکار کر کے شیعوں اور سنہیوں دونوں میں ایک ایسی کلیلی پیادی کی تھی کہ اس مسئلے کے سرا شاید اس زمانے میں مسلمانوں کی پھولوں میں کسی دوسرے مسئلے کا ذکر ہو، مشکل بھی کیا جاتا تھا، لیکن یہ مزاحیرت بعد میں میرٹھی، اس مجمع میں آکر لے کر ورشٹاس کرانا چاہتے تھے، لیکن کسی کے کان بوجوں نہیں رہتی تھی کہ وہ بے؟ اور کیا کیا جاتا ہو ولی کی میں غریب مزاحیرت کا کوئی قیاس باقی نہیں رہا تھا، شہر کے سکڑوں میں سب غدار

کے جاتے ہیں کچھ ہی دنوں کے بعد افرانہ کسی سے معلوم ہوا کہ خود بھی مر گئے، اور جو دوست اپنے قتل اور زبان کی فتنہ زاریوں سے پیدا کی گئی، وہ بھی ان کے ساتھ دفن ہو گئی۔ خالصہ پوریا کو لی الا انصار۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات

ہاں مدد کے اسی ہوم مشہور کے مسئلے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا، قریب قریب چالیس سال گزر جانے کے بعد آج بھی اسکی یاد تروتازہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ غرض کرچکا ہوں کہ اس قریب میں اتفاق کی بات تھی کہ ایک طلعت دیوبند کے علماء اور دوسری طلعت علی گڑھ کے زعماء کے ساتھ ساتھ قدیم جدید کے ان دونوں طبقات میں برائی حقیقت کہنے کا اعلان مقام کے مالک تذکرہ کے فضلاء، گواہ سفارت کا کام انجام دے رہے تھے۔ بڑے چھوٹے سب سے بڑے شکار کثرت سے مختلف گوشوں سے جمع ہو گئے تھے، یہ دو زمانہ تھا کہ اہل انصاف مولانا ابوالکلام آزاد کا تاریخی محلہ چکا تھا۔ اہل انصاف ہی کے توسط سے دل کا ایک خاص تعلق مولانا کی ذات سے قائم ہو چکا تھا۔ دلی ہو چکے کہ بعد سے بڑی آرزو تھی کہ کسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات ہو سکے گا۔ موقع مل جائے جتن سمجھنا تھا کہ اس دشوار مسئلے کو بھی آسان کر دیا، میری سرباقتہ تعارف کے حکم پر اہل انصاف مرحوم کے ہمراہ ان کے مکان میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ مولانا کے دریاں شباب کا زمانہ تھا، سیاہ نمائی کی جھلک اور سر پر کاغذی عمامہ تین زمانہ میں اندھا کرتے تھے، غیر اعلیٰ ٹیچر دیوبند کی سمیٹ میں حاضر ہوا تھا، ہنسہ مسند طاہر، اہل انصاف، خالص دیوبند کا طالب علم، مگر ملنے کے ساتھ ہی انکی نیزہ ملی طور پر برسر ہو گئے، تاہم کونفر کے بعد سے قریب تک ختمات مسائل پر گفتگو فرماتے رہے، یہی اپنی زندگی میں مولانا نے پہلی ملاقات اور شاید یہی آخری ملاقات تھی۔

مسئلہ رفع یدین کی نئی توجیہ

مغرب کی نماز مولانا کے ساتھ کے ساتھ ادا کی گئی، نماز میں ایک خاص لطیفہ پیش آیا، غرض نماز میں اسے دکھا کہ مولانا نے رفع یدین نہیں کیا، لیکن سنت میں اپنی کورنٹ یدین کر کے ہوئے جب اٹھنے لگے، ہاتھ بندھے سے نکلے ہوئے وجود رافیت کی گئی، مولانا اسکرانے اور فریٹے لگے کوخبات بھی حدیثوں میں قلیل کی ایک شکل ہے، دیوبندی یہ توجیہ اپنے ذہنی چوکی، پھر ایک تقریر کی کہ جس کا حاصل غائب اپنی تھا کہ حدیثوں سے رفع یدین عدم رفع دونوں باتیں ثابت ہیں، ایک مقدم توجیہ ہوا، دوسرا مقدم یہ ہے کہ حکومت یعنی غرض نمازوں اور کسٹن و داخل کے درمیان مفصلہ دو کسے اختیارات و فرق کے ایک فرق بھی ہے کہ کسٹن و داخل میں گور حرکات کی گنجائش ہے، یوں کا محفل غرض نہیں کر سکتے، قیصر مقدم یہ ہے کہ رفع یدین عدم میں نماز ہے کہ رفع کا حلق حرکت سے ہوا، عدم رفع میں کون ہے، ان جہتوں مقدمات کو پیش نظر لکھ کر مولانا نے فرمایا کہ کسٹن و داخل میں تو رفع یدین کر لیتا ہوں لیکن غرض میں قیصر طے کام لیتا ہوں۔

و انھی مولانا کی طلعت سے مسئلہ رفع یدین کی نئی توجیہ تھی، جو اس وقت کان میں پڑی اور اس وقت تک کسی کتاب میں باوجود طول و مفاد کے یہ توجیہ نظر نہیں آئی۔

بہر حال اپنے ان بیٹے ہوئے، دنوں کو زندگی کی اس آخری منزل میں جب جو چاہوں تو ایسا مسلمہ توجیہ کر سکتے، شاید یہی چند سال ایام حیات تھے، طرح طرح کی باتیں ادا کرتی ہیں اب کماں تک درد کے اس افسانہ کو سننے بہت و بلند برقم کی باتوں کے نونے پیش ہو چکے، آخر میں جی جاہتا ہوا ان ہی دنوں میں یوں تو عموماً مسکے ہوئے تھے، پیش ہی آتے رہتے تھے، لیکن

ان سفروں میں دو سفر ایسے بھی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کا حال تو ناظرین کو کچھ سننا ہی دیا جائے، شاید اس مضمون کی آخری قسط یہی حصہ ہو گا۔

باج

آستانہ صابری کی زیارت



اب حسب وعدہ اخیر میں اپنے ان چند دلچسپا سفر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو قیام دار معلوم کے زمانے میں پیش آئے، واقعہ یہ ہے کہ طالب علم کے دلوں میں بھی جب بھی موقع ملتا، اپنے خاص حالات کے تحت فقیر درستہ باہر نکل جایا کرتا تھا، خوب یاد ہے کہ عید الاضحیٰ کی تعطیل مدرسہ میں ہوئی، اچانک خیال آیا کہ اس تعطیل سے فتنے اٹھانا چاہئے، بلکہ شریعت آستانہ صابری کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، روٹی کے اسٹیشن سے آر کر ٹھہری نعل میں دیا گئے، نہر کے کنارے کنارے بیٹھے ہوئے تھا و شرف پانی کی وسیع لذت اندوز ہوا، اپنا پران ٹکیر شریعت چوڑی لیا، لوگوں سے سن تو چکا تھا کہ روئے صابریہ آبادی سے باہر نکل جاتا ہے، لیکن یہ شہیدہ کے پورے نامندودہ بلکہ آبادی نہر کے اس پار غالباً بجانب شمال واقع تھی، اور نہر کے جنوبی سال رہنما رتوں کا طویل و خریف سلسلہ حضرت والاکے روئے کے ارد گرد پھیلا ہوا تھا، گرد و غبار کے سما جاتا کہ کیا خیال ہے، کوئی دوسری آبادی اس پاس نہ تھی، اسی روئے میں داخل ہو گیا، روئے پر پہنچ کر حسب دستور دعا خواں ہوا، قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا، رُخ میرا قبلہ کی طرف تھا، دیکھا کہ کوئی صاحب عیبت سے آئے، اور ٹرانٹ ہے جس کی تری پشت روئے مبارک کی طرف ہے، اس کا بھی تجھے خیال نہیں ہے، میں نے

عزیز کیا کہ میں بیٹھے کی طبی صورت ہی ہو سکتی ہے جس طرح میں بیٹھا ہوں
پھر میں نے کہا کہ آپ تو صوفی ہیں اور صوفیوں کا مشہور نظریہ یہ ہے کہ

سر نہ کہ نظر کد مہاسے توئی نہیں

اور ظاہر ہے کہ بزرگوں کی ساری بزرگیاں، ان کی ذات بزرگ برتر کے ساتھ
وابستہ ہیں جو پرندہ شخص کے ساتھ ہے، پھر تو نہ بیٹھے ہی کی کوئی شکل باقی رہتی
ہے اور نہ بیٹھے کی، سمجھئے کہ کوئی وہابی الزام آدمی ہے، بڑبڑاتے ہوئے چلے
گئے۔

اس کا خیال ہی نہ تھا کہ اس دہانے میں کھانے والے کا نظم ممکن ہو گا، صبح
باتھا کر گرسنگی کا تقاضا جس قابل برداشت حد تک پوچھا جا رہا تھا تو نہ کہ بار
جس پر دل تھا کسی پھٹارے ویاہرے کی دوکان کو کھانوں کا تین اہلی تھاتے
کا آغہ بازی ہوا تھا کہ دکھا ایک صاحب آ رہے ہیں، چند بیاتیاں اور سورو کی
وال بیاتے میں لے کر سوئے اور بولے جب تک تیرا قیام یہاں رہے گا تو اگر
تجھ تک پہنچتی رہے گی، کھانے لے لیا گیا اور ان ہی کے سامنے جہاں پہنا تھا
پہنچا دیا گیا، وہی صاحب شاید کہیں سے آئی بھی لے آئے، ٹھنڈا خوشگوار تھا
شکر کے ساتھ غور و روش کے اس فرض کو ادا کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

قیام کی مدت تھی، اب یاد رہا، لیکن تب تک کی ناز کے لئے ہر گز نہ کہ وہ
کرنے کا پرہیز نظر نہ آیا انہیں باسکٹا جب تک قیام رہا وہی چند بیاتیاں اور سورو
کی والی والاراشن مجھ تک پہنچا رہا، بظاہر بخانا تھا وہیں وار و وعا در تو کوں کے لئے
اس کا انتظام تھا، اسے یہ انہیں، لیکن اس وقت میری گھر میں ہی آیا تھا بخانا تھا
کے مختلف مجروں میں کچھ لوگ جو باہر سے آئے ہوئے تھے، ان پر بھی نظر پڑتی تھی،
لیکن غلطی میرے قریب ان لوگوں سے کل جمل سے مانے تھا جس کی اس کی تلاش
مجھ بھی پیدا نہ ہوئی کہ یہاں کے مجاہدین نے حساب یا خانا تھا کے ناظم صاحب کو میں

اپنا رشتہ تو صاحب دوسرے تھا جہاں تک ممکن تھا قرآن مجید کی تلاوت کا خواب
حضرت والا کی روح پاک کو پہنچاتا رہا، آؤ کچھ عید کا دن اسی مسافت کی حالت
میں آگیا، شاہد کرنا چاہا کہ ایک جڑا رہی شری میں تھا، نکال لیا اور اسی بیٹھا
حالات میں بخانا تھا کے اہل میں غائبانہ ز اور قطب ہوا، شریک ہوا، اس وقت
دوسرے مجاہدین صاحب پر نظر پڑی، کسی نے کہا یہی بجا دھاب میں، کافی سحر
آدی تھے

وہی مجاہدین صاحب جو عابد اور صاحب
زیارت تھے، ہوئے تھے، اور حضرت سے قدر

دجہ بڑھے تھے آدمی سلام ہو رہے تھے لیکن یہ دیکھ کر میری روح کانپ گئی،
شستی ہی کیفیت سارے سم بھاری تھی جب اپنی آنکھوں سے دیکھ، ہاتھ کا
ناز سے فارغ ہو کر، بائیں ٹھکانے پر ہمارے دوست کے سامنے وہی ہوئے
اور ان کی وہی پیشانی، جو ابھی کچھ دیر پہلے آسمان وزمین کے خالق کے سامنے
سے اٹھتی تھی، افسانہ کرنا جہاں سوزنظارہ تھا کہ اسی پیشانی کو روئے ایک
کے سامنے رکھتے ہوئے، اپنی ساتوں ٹہریوں کو کہیں پرندوں میں سمجھ دیا جاتا ہے
وہ سر ہوجاتے۔

ساری عزیز بزرگوں کی موت اسی مجاہدین گزری کہ آدم کی اولاد کے
انہوں کو مخلوقات کے سامنے ہے، شاہد براہ راست خالق کائنات کے سامنے
ڈال دیا جائے، اسی راہ میں وہ سب کچھ انہوں نے کیا جو وہ کر سکتے تھے لیکن
انہیں کے خلاف ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گئے کہ جو کچھ بھی کیا تھا، یہی
لے گیا تھا کہ اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بنا لیا جائے۔

وآن میں وہ بھی تلاوت کرتے تھے اور اب تک کہہ رہے ہیں۔
ماکان لکھن ان یومینہ، اللہ الیک اب والکھن والعبودۃ ثم یقول ہلست من

بہر حال خدا اپنے بندوں کی امداد آفتاب سے بھی کر رہا ہے اور اس کے
 بھی ہوا سے بھی پانی سے بھی لیکن ان مخلوقات سے استفادہ کا یہ طریقہ کر
 انھیں کو پورا جائے۔ اور ان ہی کو مجبور بنایا جائے، اسی کا نام شکر ہے اور
 توحید ہے کہ جس کا سب کچھ ہے، جو کچھ بھی مانگا جائے، اسی سے مانگا جائے
 اسی کے آگے کوڑا نہ بنایا جائے۔ اور زمین رکھا جائے کہ وہی چاہے کہ تو اسے مخلوق
 ہے جس فائدہ پہنچا سکتا ہے، اس سلسلے میں روحانی مخلوقات ہوں یا فیزیکی
 سب کا یہی حال ہے، وہم و گم

از خدا خواہم و از غیب خواہم بخدا
 کہ نیم بندہ فیروزہ خدا شد و گریست

خدا ہی سے مانگتا ہوں، بخدا غیب سے نہیں مانگتا، کیونکہ میں کسی اور کا بندہ نہیں
 ہوں، اور نہ کوئی دوسرا خدا ہے۔

مَا كَانَ لَنَا أَنْتَ تَشْرِكُ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا
 وَحُكْمُ آيَاتِهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ صافات)

ایک کافر پنا دینے کے بعد اسے جہان کی فقری سے توحید آدمی کو
 بے نیاز کر دیتی ہے، یقیناً یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ بہر حال قصہ توسات
 پڑیوں پر کئے جانے والے سجدہ کا بیان کرنا تھا اور سجادہ صاحب دیرینت
 ٹھیک فائدہ لے سجدہ کی طرح مزار مبارک کے آگے سر سجدہ دینے، اس حال کو
 دیکھ کر دل اتنا پریشان ہوا کہ اسی وقت خانقاہ سے جی جا کر نکل جاؤں۔

اسی کثیر شریعت کا وہ روحانی قصہ یاد آ رہا تھا کہ پوری مسجد ہی لوگوں پر
 گر پڑی تھی، بار بار دھیان جاتا تھا کہ شاید اسی قسم کی جہاد میں جتن اٹھانے
 سجادہ کے غصے کو بھر کاٹی ہیں کہیں پوری خانقاہ کے پیچھے ہم لوگ بھی نہ دبا
 دیئے جائیں۔

بہشتی ضیافت

غلازوں میں اس پاس کے دریاؤں سے بھی کچھ لوگ
 آگے تھے۔ ان میں ایک صاحب خانیا پڑوسی مسافر
 خیال کر کے میری طرف رخ پڑے، اور پوچھنے لگے کیسے آنا ہوا، اور اب کیا ارادہ
 ہے، جو کچھ واقعہ حاضر کر دیا، انھوں نے میرے ہاتھ چمڑے، اور اصرار
 کرنے لگے کہ تھے میرے ساتھ چلنا پڑے گا، اور ساتھ لے جائے میں بھی ساتھ ہو
 لیا، خانقاہ مبارک کے کچھ فاصلے پر دھکی کر گھسیٹوں کے درمیان کوٹوں کا ایک
 مکان بنا ہوا ہے، دیواریں بھی خانم کی تھیں لیکن مسافرت تھا، اس میں نے کو
 پیوئے معلوم ہوا کہ یہ ان کا مزرعہ ہے جہاں وہ خود کاشت کرتے ہیں، مکان بھی
 بنا لیا ہے، اسی میں رہتے ہیں، کچھ لیں اور کچھ نہیں لیں، ادھر ادھر نظر آ رہی
 زمین کھڑے پر یہ تھوڑی سی کھانا لائے، میں میں تین غذاؤں کے ساتھ سویاں اور
 خاص دو دھکی بالائی سے بہرہ یار لائی تھیں، مسافرت میں مسافر تو ازی
 جو قطعاً لگتی تھی اس کی ایک زندہ چھاتر میسر سے ملے تھی، وہ صاحب کو
 تھے، نہ ان کا نام ہی یاد ہے، اور نہ معلوم ہے کہ بچا کھائی یا نہیں، یا چاہا
 جانے کے لئے دنیا میں لوگ آتے ہیں، وہی جانے

کلیہ منگلور

کھانے پینے کے فضی کام سے فراغت کے بعد ان ہی
 سے چوچا کو منگلور نامی قصبہ کا، اس علاقے میں کس طرف
 سے راستہ ہے۔ انھوں نے بتا دیا، اور کچھ دور رخصت کرنے کے لئے بھی شاید
 ساتھ رہے جب وہ بیٹ گئے، تو خوب یاد ہے کہ بندے نے جوتے بھی پاؤں
 سے نکال لئے، اور اپنی ٹھہری میں اس کو باندھ لیا، ٹھہری میں بیٹھ گیا اور جب
 ٹھک جاتا تو آتا ہے کہ سر پر بھی اس ٹھہری کے اٹھانے کا شرت حاصل ہوتا
 رہتا ہے اب بھی معلوم نہیں کہ کلیہ شریعت منگلور کا فائدہ کتنا ہے، لیکن آفتاب
 جب غروب ہو چکا تھا، آفتاب و خیر ان کسی نہ کسی طرح منگلور تک پہنچے ہیں

کامیاب ہو گیا، نماز خانہ راستے میں ٹھہر لی تھی، اب خیال نہیں رہا کہ کشتار کی نماز ہو چکی تھی یا نہیں ہوئی تھی، تھکا ماندہ ایک مسجد میں جو سب سے پہلے سنانے والی اسی میں کھینٹ گیا، گٹھری حالانکہ کچھ دور تھی لیکن زندگی میں بار برداری کی حق کا میرے لئے شاید یہ ہیلا موقع تھا۔ یہ گٹھری میرے لئے دوبال جان بنی ہوئی تھی، رات ہو چکی تھی مسجد میں داخل ہوتے ہی گٹھری میں سجدوں میں شگ کر لٹایا پانی کیلئے ڈھونڈ رہا تھا، لٹا بلا بھی نہ تھا کہ اچانک مسجد کے جس سے برآمد ہوئے دلے ایک صاحب رنفر ٹھہری جو کہ کتے کرتے میری گٹھری کی طرف بڑھے، اور ہاتھ میں لیکر اسے ضمن سجدے سے باہر پھینک دیا، اور فرما رہے تھے کہ اس قسم کے لوگ مسجد والے سے جاننا بچالے بھاگتے ہیں، مقابلیے توڑ دیتے ہیں، اور کبھی طرح طرح کی باتیں وہ نروار دوسر فریق کی جو مسجدوں میں کھس جاتے ہیں، ان کے نام سنانے سے، ڈر بھی نہ ڈلا اور بڑھن دھاس بھی ان صاحب کے طعنوں سے جاتے رہے، تھکا ماندہ جسم جو رنفر، اس رسافر نمازی کا یہ ذخار وہ دل بھی جو ہو گیا گٹھری جو باہر پھینکے گی اچھی تھی، اس کو لینے کے بعد آگے بڑھا، اور قبل میں باہر چپ چاپ پچھڑنے کے بغیر مسجد سے باہر نکل گیا

اس قلندر کی رنگ کے کام آنچلے گا
یہ فیصلہ کیا کہ اس قلندری رنگ سے کام نہ لے گا، چنانچہ آگے چڑھ کر میں نے گٹھری سے جوتے بھی نکال لئے اور ٹکڑا سا ایک تھما بھی اس میں تھا، اس کو نکال کر کرور باندھا ایک اچھے خالصے لایا نیم لٹائی شکل نکل آئی، راستے میں کچھ لوگ ملے، اونچا کہ بڑی مسجد کہاں ہے؟ میں نے لے لیا تھا یا کسی نے خود دیا، بہر حال بڑی مسجد حق اچھی اضافہ ملائیست کے لوازم کے ساتھ داخل ہوا، ایک دو صاحب موجود تھے سلام و کلام ہوا، پہلی سجدہ میں سے نکال لایا، ڈرا ہوا تھا، برسی الفاظ کے بعد الفاظ

ہری دور کے آئین سے بھی گزرا پڑا معلوم ہوا کہ گروکل کا ٹھوس جانے کیلئے
 ہر دور ہی اتنا بڑا کم ہے، آخر ایک دفعہ جب کسی منزلت سے فقر و فاقہ کی پہونچا،
 یہ طے کرنا کہ کچھ بھی ہو، گروکل تک مجھے پہونچا جائے، گروکل میں کچھ لوگوں نے
 اس خیال کو جس نے ظاہر کیا ان میں سے کچھ نرسیدہ لوگوں نے کہا کہ اولاً تو
 ہتھنا جانا قرین صحت نہیں، ثانیاً یہ برسات کا موسم ہے جہاں تک ہم جانتے ہیں
 ہر دور اسے کا ٹھوس تکلف جانتے ہیں، بہت سے چھوٹے بڑے نالوں سے گزرنا
 پڑے گا لیکن وہ وقت بھی اور تھا، اپنی شہابی اسکول کو چھوڑنا ہوں تو سرگرمیاں
 ہو جاتا ہوں کیا میں ہی وہ تھا جس کے لئے سفر اور سفر کی صعوبتیں اور دشواریاں تھیں
 زیادہ کچھ اور خوشگوار مشغول کی مشیت کوئی تھیں، اسے غفلت و شرور کی
 بات نہ مانی، گروکل کے ایک بوڑھے بزرگ نے کان میں آکر کہا کہ کم از کم اپنی دولت
 کو اس سفر میں چاہئے کہ نہایاں نہ ہونے دیا جائے میں نے عرض کیا کہ پھر کتب
 کروں؟ بولے ابھی تو ہمیں سیکس جب گروکل کے قریب پہونچ جاؤ تو عام مسلمانوں
 کی طرح لنگی باندھو تو باندھ لیا، اور کھانے میں اپنے ساتھ صرف اس قدر رکھا جو
 میں تھا، اسے ساتھ کر دوں

گھاڑی جہر دورا جانے والی تھی، اس پر سوار ہونے کے لئے پیش آئے، تو کچھ
 دیر بزرگ اپنے ساتھ بیٹھے میں باندھے ہوئے کچھ چیزا رہے ہیں، یہ چند مولی
 مولی روٹیاں اور آلوں کے کچھ ٹکڑے سے بھرا ہوا ایک سالہ تھا، میرے حوالے
 آئی کہ انھوں نے کہ کیا ہم میں کان کا ایک جگہ یا تمام لوٹ بھی دیکھ کر ساتھ
 کر دیا تھا کہ لوٹا میرے ساتھ کسی دھڑے سے اس سفر میں تھا، سامان میں بسترے
 کے سوا طبقات ابن سدا کی ایک جلد تھی، بات کے وقت شاید اٹھ نو بجے ہر دور
 اسٹیشن پر گاڑی پہونچی ہوئی تو مسند دہا ہر دور کے آئین سے گزر چکا تھا یہ تو

باب

گروکل کا نگری کا سفر

جولانے ہیں، وہ تو خیر جانتے ہیں لیکن جنہیں جانتے، ان کے لئے اتنا
 اجالی بیان غالی کافی ہو گا کہ نہایت دیر اندر سہروانی، اور ان کے سامنے والی
 نے آریہ سماج کے نام سے ایک جماعت بنائی تھی، اس جماعت نے ہر دور
 کے قریب کا ٹھوس کے لنگی گھاؤں کے قریب ایک خاص قسم کی تعلیم کا بھی قیام
 کیا تھی جو اس وقت تک موجود ہے، بنیادی طور پر تو یہ ایک مذہبی مدرسہ ہے لیکن
 ان کے مضامین و مقالات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مذہب کے قدیم علوم و فنون
 اور شکریت بھاشا کے ساتھ ساتھ جدید علوم اور سائنس وغیرہ کے کئے سکھانے
 کا نظریہ بھی بیان کیا گیا ہے، دل میں ہوں تو مانے سے ہی کہ اس کی ترقی کیم گاہ
 کو انھوں نے دیکھا جس محل میں میری بھی زندگی گزری تھی، اس کے کئی فٹ
 سے یہ خیال تھا تو میرے غریب، بھٹ پڑے عربی مدرسے کے بانی تھے آج تک
 ایک دن کے لئے انھیں کسی حد تک مل گیا کہ میں قدم نہ رکھا ہو، اس کے دل میں
 کا ٹھوس کے گروکل کے دیکھنے کا شوق، کیوں اور کیسے پیدا ہوا، لیکن بہر حال
 شوق پیدا ہی ہوا، اور بڑھا بھی چلا گیا۔ اس عرض میں متحدہ بارہ سو دو دن

دیکھا تھا کہ انی ہوم اس آئین پر ہوتا ہے لیکن جب اترنے کی نیت سے میں نے بھی
بستر لیٹ کر لیٹ فارم پر قدم رکھا تو کان میں ہندوستان کے ہر صوبے
اور برصغیر کی آوازیں گونجنے لگیں، پکارنے والے ان ہی علاقوں کا نام لیتے
تھے اور سٹ سٹ کر مسافروں کی ٹولی مختلف پکارنے والوں پر جمع ہو رہی
تھی، آخر یہ کیا قصبہ ہے؟ پتہ چلا کہ ہر دوار کے بندھے میں، سارا ہندوستان
ان پر بیٹھا ہوا ہے، ملک کا جو علاقہ جس کے حصے میں آیا ہے، اس ضلع کے سنے
والے تیر بھی اسی کے خاص بھان میں ہیں، وہی ان کو اپنے ساتھ لے جائے گا، گویا انکی
حقیقت بلا جھجھکا نا ہو سکتی ہے، جو خطوں کی برائی ہے اور کہ مکر میں جن کا قہر
پہلے ہوتا تھا، اب تو سودی حکومت نے تقسیم کے اس قے کو ختم کر دیا ہے،
ورنہ سنہ ہے کہ ہندوستان ہی کو نہیں، ساری اسلامی دنیا کو محض نظر کے خطوط میں
نے بانٹ لیا تھا، لیکن، رہتا کہ ان کے علاقے کا حاجی دوسرے خطوط کے
پاس چلا جائے۔

ہر حال تقسیم تو ذرا کچھ یاد آ رہا کہ بد بخت ہو گیا، اپنے لئے ملوک ملاقوں
کے چھاؤں کو بند کرنے کے ساتھ لے گئے، ابتدا میں میری طرف سے بھی کوئی صاحب
یہ پوچھتے ہوئے بڑھے کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ لیکن یہ جواب ملکر بندہ تو سلاٹ
ہے، سر جھکائے وہ وہاں ہو گئے، سیشن خالی ہو گیا، جہاں آتا ہوا ہجوم تھا
وہاں ہو کر عالم قائم ہو گیا، سیشن کے چند ملازمین کے سوا کوئی باقی نہ رہا مگر
ایک وہی جوسی کے کام کا تھا، گاڑی روانہ ہو چکی تھی وہ اسی کا موجد بھی بانی
نہ تھا، اب تو بھال رکت ہر دوار میں گزار رہی ہے، ملے ہوئے ہر سٹے کو کل
میں دیکھنے سیشن سے باہر نکلا، سامنے ایک لمبی چوڑی عمارت تھی معلوم ہوا کہ
سڑے ہے، جس میں مسافر ٹہرتے ہیں، دل خوش ہوا کہ رات اسی میں بسر ہو جائیگی
لیکن جو رنگداریں مجھے دکھانے لگیں، دیکھا کہ کال دیگیا تھا اس کے ساتھ کچھ دوس
کیا صورت حال پیش آتی ہے، پھر تو اس وقت نظر سے نہیں گزرا تھا، لیکن شاید
مال ہی تھا۔

اسے برہنہ بارودہ رو کردہ اسلام را

یا جس عمر اور رادر بندہ ہم را غیبت

اسے برہنہ جس کو اسلام نے رو کر دیا ہے، ہم تو اسے جگہ سے دور یا کر لے
جیسے کہ کردہ زادی کی غیبت خاندان میں نہیں گمان نہیں ہے۔

غیبت کی خوبی ملاحظہ فرمائیے، یہاں سے بھی وہ رو کر آ رہی دیگیا، جوں ہی
سڑے کے دروازے پر پہنچا، دربان یا کون، اس نے درشت چہرے میں کہا

دعا خیر گوشت، مطوف کے جو غلامان آج کل کیسے پائے جاتے ہیں انہیں سے معلوم ہوا
کہ ان میں کافی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کے کہا کہ ابا و اجداد ہندوستان سے تھے جو کھلے ہوئے تھے
کہ عذاب دھو ہو ہو رہے ہیں، اس لئے کہ ان کی عبادت کو ہم تو ہرگز نہیں اپنی سلاطین تسلیم کرتے ہیں۔

آپ لوگوں کے لئے اس سرائے میں کوئی بچہ نہیں، مولیت تو چھپا بھی سکتا تھا، لیکن اسلامی طرقات بھر میں جہرے سے بچھٹے پڑتے تھے، آپ کیا کر دیں، اٹے پاؤں پھر آتش لگے لوٹ آئے، ان میں پہلے سے زیادہ مٹا تھا، لوگ اپنی اپنی آرام گاہوں میں جا چکے تھے، مگر، حکمران والی گری اسکے ساتھ تھی، انہیں کے اندر دل سوئے پر دہائی دہوا، آج خیال آتا ہے اپنی ہاں بے تکلفی اور جرأت کا کہ بیکس و سوسرا اور وہند کے بسترے آئین کے اعطاف ہی میں غالباً کسی درخت کے نیچے نظر کیجھا کر سر ہلے دکھ کر ناز پڑھنے کے بعد سو گیا، اور رات بھر سو رہا، کسی نے پتھر نہیں، یہ ذخیرہ بھی کتنی ہے لیکن دل کی کسی قسم کا خیال نہ تھا، حیرت اس پر ہو رہی ہے۔

صبح ہوئی، اسٹیشن ہی پرانی ہی لگتا، اور درخت کے نیچے بسترے ہی پر جانا دیکھا کہ صبح کے دو گھنٹے سے فارغ ہوا، بسترے کو لپٹ کر کھن میں دبا لے پھر اسی سرائے کے دروازے پر پہنچا جس سے نکالا گیا تھا، خیال ہوا کہ کتنی قوت بسترے کے بوجھ سے قوت مات حاصل کر لینی چاہئے، اس والی لٹل تے، جو عنقریب وبال دوش بننے والا تھا، اس سے قنات کی صورت ہی کچھ میں آئی سرائے کے اس دربان سے لمبا جت تمام وسعت با احترام کے ساتھ عرض رسا ہوا کہ کچھ نہیں بھائی تو میرے بسترے کو تو آپ اس سرائے میں جگہ دے سکتے ہیں۔ بندھا ہوا ہے کسی جگہ ڈال دیجئے، اور دروازہ کھول دیا، اور دروں کا کچھ سوال وجواب کے بعد، خرو بہ چارہ آدمی تھانہ پر لگا، اور بسترے کے رکھ لینے پر راضی ہو گیا، غالباً دو آنے چوبیس گھنٹے کے لئے لکرا یا بسترے کے رکھ لینے کا لگایا گیا جز نظر رکھ لیا گیا۔

اب میں آنا دھما ساتھ میں صوف وہی زاد وہ روٹی اور بھرتے والا رہ گیا، اور طبقات ابن سعد سرائے میں کتاب چھوڑنے پر دل راضی نہ ہوا، یہ معلوم کہ بسترہ

و اس لئے گایا نہیں، بسترے سے تو بھر بھی کھسکا تھا، لیکن طبقات ابن سعد کی ایک جلد برص کی صورت ہی کی گئی، دھوئی بھی ساتھ رکھ لی تھی، میں سب کچھ لپیٹ لیا اور لوگوں سے دریافت کرنے لگا کہ درکل کا ٹکڑی جانے کا راستہ کیا ہے، تھری دیہ بنگالی رہا، سردار میں ایک حصہ آبادی کا، جو دربانے لگا کے کنا سے کنا در دیکھ بھلا ہوا ہے کھل کے نام سے موسوم ہے، اس کی آبادی میں دو رنگ چلا گیا ہے، لوگوں سے پوچھتا کہ میں گروہل جانا چاہتا ہوں، صبح جواب کوئی نہ دیتا، بہت سے لوگ تو میری اسلامی شکل و صورت کو جسے مزید حرکات کرنے میں بھی غمناک ہوا کہ مٹا کر رہے ہیں، ایک نیکل سا دھوڑا تاج آدمی سامنے آیا میری طرف متوجہ ہوا، اور جی کہ اس نے راستے کے سامنے آتے تھے مجھے واقف کیا، بولا کہ ہم غلط راہ پر پڑ گئے ہو، واپس جاؤ، نلال مقام پر مسو خود والی کشتی جو مسافروں کو لنگر پار کرتی ہے، نہیں لے لی، اسی پر سوار ہو جانا، پھر آگے ہے، وہ ہے، الغرض اس غریب انسانیت کے بعد دسے جو کچھ بھی ممکن تھا سب ہی کچھ اس لئے کیا، پناہ دے گا جہاں کشتی کھڑی ہوئی تھی، پہنچا، بہت سے مسافروں پار جانے کے لئے تیار تھے، اس پار سرسبز پہاڑوں کا شہر بھلا ہوا تھا، جس کا سرسبز اس سے مل جاتا ہے، اس مقام سے کچھ دور پہاڑوں میں گنگا کا سرسبز ٹکڑا ہے، مختلف مقامات تیرہ کرنا لائیے وہاں اٹھے جاتے ہیں، غالباً چند ہی نامی دیوی کی تیرہ کے لئے کشتی کے یہ مسافر لنگر کے اس نالے کو عبور کر کے پار جانا چاہتے تھے، میں گنگا کا نالہ استعمال کر رہا ہوں جس کا عرض صبریات متحدہ اور اس کے بعد بہاں تک پہنچتے ہوئے میلوں تک پہنچ جاتا ہے اسی لنگر کا ہر دروازے اس کھلاٹ کے پاس ایک موملی ندی کی لگن میں ملنے یا چند ہی دیوی کی تیرہ کرنا لے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ایک مسافر فرد کل کا ٹکڑی کے اندر سے کشتی میں بیٹھ گیا، کشتی اچھی خاصی لمبی چوڑی تھی،

کبھی ادھر جھکا، کبھی ادھر گنا، تاہم کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو سلجھاتے ہوئے،
 ان نالے سے قوپا رہ گیا، کچھ دور چڑھ کر کسی ہی میں چلا، پھر وہی فریسیل اور پتھر
 نالے کو اپنے سامنے بناتا ہوں، غائبی دو ایک نالوں سے گزرتا تھا۔ جنگل والی
 چنگڑی پر چل رہا تھا کہ اچانک بونے کسی عالم میں آہٹیں محسوس ہوئی، ایسا
 معلوم ہوا کہ جھڑکیں جا رہی ہوں، اسی لحاظ سے کوئی آدمی میری طرف آ رہا ہے،
 اس سے کچھ دھاریں بندھی، آہٹ کے ساتھ ہی دکھا کر اونچی ایکسپریز مرد جس کی
 وارمی بھی تھی، اور اکثر زبال اس کے سفید تھے، سامنے سے آہٹیں ہیں، بہت جلد
 میرے قریب وہ آگئے، وہ بھی دھوئی کھڑے ہی نہ تھے، میں نے ان کو دیکھا،
 انھوں نے کچھ کو، اسی کے ساتھ اسلام منکر کے ساتھ پیش قدمی ان کی طرف سے ہوئی
 تدبیر سکون بناشت سے بدل گیا، مصافحہ کی نوبت بھی شاید آئی، اس کے بعد
 دیکھا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں، یہاں صاحبزادے کدھر جا رہے ہو، کہاں کے
 مارے ہیں؟ میں نے عرض کیا، اتنی جنگل میں سنا ہے کوئی، درگزر کو دل ناپی ہے،
 اسی کو دیکھنے جا رہا ہوں، بولے تو اس کے لئے برسات کا موسم آتے، اتنی
 کیا ہے، اور وہ بھی اکیلے تنہا جا رہے ہو، اس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا کہ ضرور
 حال اب یہی تھی اتنی کچھ پوری پوری سخت شفت پھرتے ہوئے بولے کہ تیرے
 بڑی برسات کی ہے، اب تو آجیکے ہو، چلو چلو دہاں تک پہنچاؤ، خدا جانے
 تم کدھر جنگل جاؤ گے، یہ کہتے ہوئے میرے ساتھ چارے پلٹ پڑے، اور ہم
 دونوں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے چلتے رہے، مگر کوئی کسے قائم ہوا؟
 کیوں قائم ہوا؟ یہاں کیا کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ اسی قسم کی باتیں وہ دھجے کہتے رہے
 اس کی بہت نہ بولتی تھی کہ اس پر مرد سے پوچھوں کہ اگر آپ کون ہیں؟ کہاں کے
 ہیں؟ اپنی باتوں میں مجھے الجھا رکھا تھا، اس کا شاید موقع پیدا ہونے ہی نہ دیا،
 اسی سال میں ہم دونوں پھر اسی فریسیل پتھر لے نالوں میں کے سب نالے پر پہنچے،

مافوں کی تعداد بھی کافی تھی کشتی کھول دی گئی، چند ہی منٹ میں دوسرے
 ساحل پر لنگر کے اٹلے کے ہم پار پہنچ گئے، ہماری کشتی کے نشیوں کو جس
 بہت جانا تھا، وہ اس راستے کے مقابل رستے پر تھا، جس پر نہ جانا تھا، ساحل
 تک سب ساتھ پہنچے، لیکن اس کے بعد سب دوسری طرف چل دیے اور تنہا
 بالکل تنہا کچھ دور تر ساحل پر کھڑا دیکھا، رہا شاید مجھے بھی کوئی نہیں سفر مل جائے
 نہیں جس راہ پر مجھے ملنا تھا، اس پر جانے والا انسان کوئی بھی نہ تھا، رستی والے
 بھی اپنی کشتی کو لے کر مافوں کو اتار کر واپس ہو گئے، تباہی کا تھا کہ سامنے
 جو کچھ جنگل نظر آتا ہے، اسی میں ایک چنگڑی لے گئی، اسی چنگڑی پر چلے چلے
 گروہل پہنچے جاؤ گے۔

اللہ کا نام لے کر تنہا اس جنگل میں گھسا، غانا سہاں میں نے لگی کبھی باہر
 باز نہ دلی، اجاڑا مار دیا، نادراد اور کاب والی گھڑی بغل میں تھی، آں تھان
 کے ساتھ جنگل کی اس چنگڑی پر چلنے لگا، ابھی چند ہی قدم چلا تھا، کہ پانی کا ایک
 نالہ سامنے آیا، اس نالے کے مقابلے میں جس سے کشتی کے ذریعے پار ہوئے تھے پلار
 چھوٹا تھا، اور بہت چھوٹا تھا، جوتے اٹارنے گئے، اور گھڑی کے ساتھ جوتوں کو بھی
 بغل میں دیکھے نالہ میں لگاؤں رکھا، انا اللہ وانا الیہ راجعون، مانی کا ہے کہ
 تھا کبھی ہوتی برت تھی، جہاں پانی کی شکل میں بہہ رہی تھی، خیر چون توں کر کے اس
 ٹھنک کو تو قطع کر لیا، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ قدم جہاں رکھتا ہوں وہاں سے
 پھسل جاتا ہے، وہاں ہی بہہ رہا کیسے؟ غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ پانی بھی ہمالیہ کی پانی
 ہوئی شاید برت ہی ہے، اور پہاڑوں سے چھوٹے پڑے پڑے پانی کے ساتھ
 بہہ بہہ کرنا معلوم زانے سے اس نالے میں نہ گئے ہیں، ان پر کافی بھی جی ہوئی ہے
 اور پانی کے بہاؤ نے ان تمام محلوں کو گول گول پتھروں کی شکل میں بدل دیا جو
 ظاہر ہے ایسے جگہ پناٹ کافی تھے ہرے محلوں پر قدم چھانا آسان نہ تھا،

معلوم ہو کہ حق تعالیٰ نے اس مسئلہ میں اسے جسے چاہے جلتے ہیں نالے کے قریب جب ہم دونوں پہنچے تو پیر مرد نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون کون سے کپڑے ہیں؟ روٹیاں اور اکوڑے بھر تیرے کا پیالہ ساتھ تھا، اسی کی طرف اشارہ کر دیا بولے تو پھر چارو ایک درخت کی چھٹیوں میں بکری چٹان پر بٹھے بیٹھا ہوا، اور تام لوٹ ہو میرے پاس تھا، اس کو لے کر نیچے اترے، نالے کے پینے ہوئے ٹھنڈے پانی سے اس کو بھر کر لائے، واقعی بالی خفا و شغاف تھا اپنے روٹیاں سے دیکھا کہ انھوں نے بھی چند روٹیاں نکالیں جس کے بیچ میں ایش کی رال تھی، روٹیاں بٹھا کر اپنے اور میرے زانوہاں سے اسی جگہ میں انھوں نے غرابی نعمت چم رہا۔

ٹھنڈے پانی اور بھوک کے ساتھ غذا کی لذت، جو اس وقت کا وہ دہن نے محسوس کی شاید ہی زندگی میں یہ کیفیت بھی میرا کی ہو، شغافہ طریقہ سے کھاتے جاتے تھے، خود بھی ایک دولہے لے، کہتے یہاں کھاؤ، خدا بڑا ہے۔ یہ لانا دانا نے بھی نہیں، کھانا ختم ہو گیا، دونوں آگے چلے کیے تیار ہوئے، نالے میں پاؤں رکھا، وہی بھلاؤ کا قصہ شروع ہو گیا کچھ تھویریں جو ان صاحب کو سلوم تھیں، غالباً کھائی گئیں، اور ہم نالے کے کنارہ پر گئے۔

بظاہر ہر برائی نالے برسات ہی کے موسم میں شاید جاری ہوتے ہیں، اور دونوں میں خشک پتے ہیں، الغرض نالے سے ہم یاد ہوئے اور ان ہی پیر مرد کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے، غالباً اس نالے کے بعد جس کے کنارے غرابی نعمت چٹائی تھا پھر کوئی کمال جگہ بڑی کی حد تک تڑپا، پھر وہی ریلوے پانکٹ ہم اس جگہ کے ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے، جو درختوں سے نسبتاً خالی تھا اور دور دراز تک سیدھے کچھ کھجوروں کے آٹا آٹا کی جگہ میں پھیلے تھے، پیر مرد شغافہ گئے اور مجھ روک کر بولے، لویاں ہی تمہارا وہ گروہل کا ٹکڑا کھاتے

وہی ہے، اب آگے رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے میں تم سے نصیحت ہوتا ہوں، محبت اور اس میں ڈوبی ہوئی لنگاہوں سے انھوں نے مجھ دیکھا، اور یہ کہتے ہوئے کہ "اے کے سپرد تم کو کیا" وہ سلام کے روانہ ہو گئے، عمارتوں کا پیلہ کچھ زیادہ دور تھا، چند ہی منٹ میں اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا ہوا جاں کافی چل پیل اور آدمیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، چھوٹے بڑے رکازوں کا دورنگ اور اصرار سلسلہ بھلا ہوا تھا، زمین کا ایک نقطہ تھا جس کا طول بظاہر چند میل سے زیادہ تھا لیکن عرض کچھ زیادہ نہ تھا، ایک طرف لنگاہ کا وہی بڑا نالہ تھا جس سے حق پر ہر دو از میں ہم بارہوئے تھے، اور دوسری طرف مولیٰ نالہ، اس وقت اس علاقہ کا جغرافیہ کچھ ایسی شکل کا رہا ہے کہ اندر رہا تھا، عمارتوں کے حدود میں داخل ہوتے ہوئے دوسری طرف چھوٹے نالے سے گزرا پھر تھا اس نالے میں بھی اور اس سے پہلے چھوٹے چھوٹے نالے، اب اس قدر تھے کہ گفتگو سے زیادہ باتیں ہی نہ تھا، لنگس کے کسی میں کچھ زیادہ باتیں ہو لیکن اگر گول بول کا کئی زونہ چھوڑ کا سلسلہ پاؤں کے پیچھے ڈاجا تو شامان ناہوں کو حافطہ یاد بھی نہیں رکھتا، سہرا لہر تو بے ہاتھ ہیں، دھانکین روٹی کے بزرگ کا دیا ہوا نام لوٹ اور انھیں کا بخشدہ بھرتا کا پیالہ جو پیر مردوں میں بندھا تھا، بکر پیش نظر رکھتے ہوئے کہوں کہ

گھڑی کو میرے ہاتھ سے لینا کہہ جلا میں

تو رواقت سے، قدر قدم ملے تو کبھی کی مرتبہ یہ صورت حال پیش آتی ہے۔ غیر جگہ کی کچھ بڑی بھی ختم ہو گئی، اس نے کھانا دیا تھا، درخت تو اس میں بھی تھے لیکن غالباً کاٹ دیئے گئے تھے، ان ہی کو کاٹ کاٹ کر بیچ بیچ میں ان کاٹوں

(۱) سودا کے مشہور مصرعے کی طرز اشارہ کر رہا ہے مگر اسے آقا سے لے کر کلا میں

کے لئے ملنے لگی تھی جس وقت میں گروکل کی اس آبادی کی طرف روانہ ہوا۔
 قورمہ کرچا ایک راستہ میں مل جانے والے میرور راسنکو دیکھتا جاتا تھا، دل
 میں طرح طرح کے دوسرے آئے، آخر یہ صاحب کوں تھے؟ اس جنگل میں کہاں
 آگئے، لیکن آخری فیصلہ دل نے یہی کیا کہ شاید اسی طرف کے رہنے والے کوئی
 صاحب ہیں، جو ہر دور جا رہے تھے، اتفاقاً راستے میں میری ان سے ملاقات
 ہوئی، یہ میرا ذاتی نقطہ ہے، جس کی محنت اس پر موقوف ہے کہ ان جنگلی
 آبادیوں میں بھی کہیں کہیں مسلمان رہتے ہوں، یا اس زمانے میں رہتے تھے میں
 ہی کیا بھنوں کے عام ٹرے والوں کا یہی جھگڑا ہے اور صاحب کے شاید یہ
 کوئی روحانی ہستی ہو لیکن محض قیاس سے اس خیال کی توثیق ہو کر اذکر میرا دل
 اکادہ نہیں ہوتا، یہی کو تاہ نصیبوں کو خیال کرتا ہوں، تو یہ نتیجہ ہے کو تاہ اسکا
 وہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

خانا انھیں میرور سے معلوم ہوا تھا کہ گڑھی نامی کوئی گاؤں اس جنگلی علاقہ
 میں ہے جس میں زیادہ تر اہمیر یا بونیشوں کو چلنے والے گولے دیو رہتے ہیں
 چونکہ گروکل کے لئے زمین کا انتخاب، اس جنگل کے گاؤں کے پاس کرنا تھا،
 اس لئے کانگریسی کی طرف سے گروکل خسرت ہو گیا، اس خیال کے آگے کہ کانگریسی
 انھیںوں سے اشارہ کر کے انھوں نے تیار بھی تھا یہی کانگریسی ہے، جنگلی
 گاؤں میں جیسے ملکانات بہتے ہیں، خانا دوسرے دن نظر آئے تھے لیکن
 یادداشت میں اس کے اقسامات تقریباً مٹا کر گئے ہیں، اس قدر کو تو چھڑے
 اب آئے گروکل کے احاطے میں پہنچ گیا۔

برسوں کی پالی پوسی ہوئی آرزو، آج پوری ہوئی تھی، میری
 مسرت کی کوئی انتہا تھی، لوگ آجھا رہے تھے، ان ہی سے
 کوئی میری طرف متوجہ ہوا، کوں ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟

جواب سب کا دے دیا گیا، اور خانا اپنی ظاہر کی گئی کہ گروکل کے ہانگرو یا
 پرنسپل صاحب ملنا چاہتا ہوں، وہ کوئی نیک دل آدمی تھا، پر دہی کی ادا کر
 اپنا انسانی فرائض خیال کر کے اپنے ساتھ مختلف مقاماتوں اور اضلاعوں سے
 گزرتا ہوا جن کے کروں میں نظر کیا کہ اساتذہ درس دے رہے ہیں، طلبہ طبع
 لیے ہیں، ایک اچھے خاصے کمرے کے سامنے لاکھڑا کیا گیا، اور اندر سے آہنی
 اجازت حاصل کر کے وہی صاحب شہ اندر ملے، اندر داخل ہوا، ایک
 ادھیڑ عمر کے آدمی کو دکھا، اچھے دیکھ کر کسی سے اٹھ گئے، اور بکثارت پشانی
 مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنے سامنے کی کرسی پر بیٹھے کہ حکم دیا،
 یہی گروکل کے ہانگرو، ناصر دیکر، گورنار پرنسپل کے نام سے منور تھے،
 اخباروں میں گروکل کے گورنار پرنسپل صاحب کا نام جس سے ہر کافی آشنا
 تھے، ہنسی رام تھا، ہنسی رام تھے جنھوں نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں
 سماجی شرم دھاندلہ کے نام سے شہرت حاصل کی، یہاں بھی کاروبار والوں کے لئے
 ان کا وجود ایک متعل موقوفہ میں ہونے کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن مجھے
 ناکاروں کے لئے ان کے پیچھے نامی شرم رام کو سن کر خیال آتا تھا کہ ہنسی کا لفظ
 جو ٹیٹھنرلی لفظ ہے، انشاء بابا خاں کا آسم خاں ہے، ایک زمانہ انکی ہندوستان
 میں وہ بھی گروکل کے کام کے ساتھ عملی کے اس لفظ کو جوٹنے اور نام نکٹ
 رکھنے میں مصافحہ نہیں محسوس ہوتا تھا، لیکن آج ہندوستان میں اب جو کچھ ہو
 رہا ہے، اسے ہم دیکھ رہے ہیں، جو کچھ خدا دکھائے، اسے ناپا کر دیکھنا ہی ہے،
 آزاد ہندوستان کے سب سے پہلے وزیر داخلہ کا نام بھی اسی تاریخی دور کی یادگار رکھا
 کرتا ہے، خیرہ تو ایک جلاوطن تھا، کہتا یہ کہ وہ اب تک خیال ہی تھا کہ میں
 ہنسی رام ہی سے مل رہا ہوں لیکن بہت جلد مجھ پر واضح ہوا کہ ہنسی رام ہی گروکل
 کے شہر بانی اور گورنر ہیں بلکہ کوئی اور صاحب ہیں، جہاں تک یاد رہ گیا ہے

ایمان نام انھوں نے دایم دیال بنایا تھا، بعد کو یہی نام گرد گل کے سلسلے میں کان
میں پڑتا رہا شاید یہ نام اسے پاس تھے۔ حالانکہ فقیر لنگی باندھے ایک حامی
بلکہ دشمنی مسلمان کی شکل میں ان کے سامنے پیش ہوا تھا۔ اور اپنی مولویت
کو سپرد ان کی ہدایت کے سلطان چلنے پڑے اور ان کے اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ
جس کی توقع نہیں کیجا سکتی تھی خوشی کے انھیں جذبات کے ساتھ گرد گل کے
پرنسپل صاحب مجھ سے ملے، چند طلبہ جو ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھا اب کچھ بڑھ رہے تھے
ان کا اتحاد بار آور کر کے میں تنہا میرے ساتھ بیٹھ کر دسی گفتگو کے فیصلے میں
تصویر پر وہ چلبستے تھے کہ مجھے باتیں کریں، لیکن اپنی حمایت کو ظاہر کر کے
ان سے کچھ انگریز انگریز بائیں کرتا رہا، تاہم پھر بھی انھوں نے سمجھتے ہوئے
کہا تھا کہ اب جو لوگوں کے یہاں ایک قوم پرند کا مدبر سے، اور ایک ندو کا
ہمارے گرد گل کو اگر آپ سمجھا جاتے ہیں تو خیال کر لیجئے کہ محدودہ کے اصول
پر قائم کیا گیا ہے یعنی قدر معلوم و فنون سنسکرت کی زبان میں جاری ہے
پاس جوں، ان کا رشتہ جدید معلوم و فنون کے ساتھ جو ملنے کی کوشش میں
گئی ہے، ایسا خیال آتا ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ شہری تمدن کے
زیر پرے جراثیم سے طلبہ کو محفوظ رکھنے کے لئے تعلیم گاہ کے لئے اس حوالی تمام
کا انتخاب کیا گیا، جہاں زمین بھی کافی ہے، اور اتنی ضرورت کی حد تک
سبزی چرنگاری وغیرہ طلبہ و اساتذہ کو خوش گذشت کرتی ہے، دودھ دہی بھی
کے لئے مولشیدین کی پرورش کی اسامیاں یہاں ہیں میر میں، آب ہوا کے
لواٹے بھی شہری آبادیوں کے مقابلے میں اس کو ترجیح دینی چاہیئے، ان سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر فاضل بھی گرد گل کے قبضے میں ہے، اور شاید کوئی
پرسن بھی اسی احاطہ میں گرد گل کا چل رہا ہے، بہر حال وہ کہتے جاتے تھے اور فقیر
سننا جاتا تھا اور چاہتا تھا کہ ایک حامی مسلمان سے زیادہ ان پر اپنے متعلق کوئی نہ

پڑنے سے دونوں لیکن اس معلوم ہوتا تھا کہ پرنسپل صاحب نے بھانپ لیا کہ ہر دو
مسلمانوں کا یہ کوئی مولوی ضرور ہے، لیکن یہ سبکہ ہاتھ میں طبقات میں اس سد
کی جھلک رہی تھی، اس کو دیکھ کر ان کا دل مشتعل ہوا ہو، انھوں نے پھر اپنے
کسی آدمی کو بلا لیا، اور کہا کہ اساتذہ کے درس کے کروں میں ان کو ملے جاؤ،
اور لائبریری جا کر دکھاؤ، اور سب کو جگہ ملیں، تو ان کو اس جہاں خانے میں
جا کر نظر آدو، جو نمونہ مسلمانوں کے لئے مختص ہے، وہ آدمی بھی بڑا اھٹا
خشار آدمی تھا پرنسپل صاحب نے خست ہو کر ان کی غیر مولوی ہر باتوں کا شکریہ
ادا کر کے اسی خشار آدمی کے ساتھ روانہ ہوا۔

مختلف کمروں کے پاس لجا کر وہی بے چارہ مجھے کھڑا کرتا، اور تانا کلاس
کو میں فلاں صحنوں کا درس پور رہا ہے، انگریزی زبان تو وہ لوگ سیکھ لیں نہیں
کرتے تھے لیکن جس زبان میں پڑھا رہے تھے اس کے اکثر الفاظ میرے لئے
نا قابل فہم تھے، غالباً پنڈتائی یا پسی دکن والی زبان کی زبان میں پڑھائی ہو
رہی تھی، اس وقت تک رائاں گھنے کی قابلیت مجھ میں پیدا نہیں ہوئی تھی، اسلئے
ان اساتذہ کے کھجوروں سے استفادہ نہ کر سکا۔ لائبریری پر بھی اجمالی نظر ڈال رہا
بارہ بج چکے تھے، وہی خشار دیکھ لے آدمی مجھے اپنے ساتھ لے ہوئے ایک
بڑے کمرے کے سامنے آیا، کمرہ کافی وسیع تھا، اور ساز و سامان سے بھرپور تھا،
پنک لٹاؤ کے اس میں مجھے ہوئے تھے جن پر بستہ ہو چکا تھا، تخت بھی فرش سے
اڑستہ تھا، شاید ایک دو کرسیاں بھی تھیں، کمرہ کھل کر اس میں کو باجھے اناور یا
گیا، پانی کا نظریہ بھی تھا، وضو کے سینچا، شاید بیچ میں منٹ گڑے تھے کہ اسی
خشار دیکھ لے آدمی کو دیکھا ہاتھ میں ایک ہات لے آیا، جو اس پر اس کے
ایک گوشہ میں کچھ پوریاں و چیرے تھیں اور چھوٹی سی بیلیوں میں کچھ زکریاں، کچھ
جیسی چیزیں تھیں، ساتھ ہی کچھ مٹیاں بھی، پرنسپل صاحب کی طرف سے

میری عیاضت کا یہ نظر لگا تھا تو گویں نے کن غلط فہمیوں میں مجھے الجھانا چاہا تھا بلکہ جب واقعہ سامنے آتا تو شاید میری مدد میں خوش آمد کے ان تاملات کی کوئی شکل ہی سے کر سکتا تھا وہ فساد راہی بھی غیر معمولی طور پر میری عادات میں غمازی کی تیار رہا، کھلا پلا کر اس نے کہا کہ اب کچھ دیر آپ آرام کر لیجئے، چرات لینے ساتھ لے لیا، میں نے کہہ کے کا دو روزہ بند کر لیا، اور منگٹ پر دروازہ ہولنا، اچانک اس وقت خیال آ کر کہ اسے آج تو جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ کا خیال آتے ہی اندر اندر تھلنے لگا۔ اب یاد تو نہیں رہا کہ قیلو میں کچھ خیر بھی آئی یا نہیں، بسکین دو بجے کے قریب منگٹ سے اٹھا، پانی گھرے میں رکھا ہوا تھا، وضو کیا، اب اس کی ہند کہہ میں خواجہ سے میرا جنون خیال کیجئے، یا خطا ضرورت تو نہ تھی، لیکن کیا یہی کہ مسئلہ آواز میں اذان دی، اذان کے بعد جیسے کہتے ہوئے پہلے مسجد کی دو رکعت کے ظہر کی چار رکعتیں ادا کیں، دل میں یہی خیال تھا کہ اللہ کی اس سزا میں اللہ کا نام پکا کر دوں، پھر کون آ کر گا جو اللہ کا نام پکا رہے گا ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر منگٹ پر بیٹے بیٹے طعناں ان سدا کا بھلا کر تارا، اس وقت بھی ہی بارش میں بندہ میں منٹ کیلئے اس طالعے میں ہوئی، یہاں تک کہ جازنگ گئے، اور صبح کی نماز بھی آئی یہاں ٹھانے کے آئی کہ میں اذان کے بعد داکر کے ایک نیا خیال تسلسلے لگا یعنی اب مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا اس دن کو گرہل جیسے کے احاطہ میں گزار دوں، یا وقت باقی ہے، مغرب تک میں گونگے کے اس سال تک پہنچ جاؤں گا، جہاں سے نکلتی ہیں بیچہ کہ ہر دو پہنچ سکتی ہوں، میں نے غلط اور فتنہ غلط فیصلہ کیا کہ یہاں رات بسر کرنا مناسب نہیں، اس خیال کا غلبہ اتنا شدت پذیر ہوا کہ کہے سے باہر نکل آیا، اور اپنے فتنہ کا گٹھ سے طاقات ہو گئی، میں نے کہا پر پزل تھا سے کیا لاسکتا ہوں، بولا کہیں؟ میں نے کہا ان سے رخصت ہونا چاہتا ہوں

اس نے بھی سمجھا کہ یہ وقت جانے کا نہیں ہے مگر وہاں سے جوانی، اور اس کا دیوانہ پن، اس غریب کے سر ہو گیا، آخر لے گیا، پر پزل صاحب بھی حیران تھے کہ اس جھٹ پٹے وقت میں وہ کسی کا خیال اور وہ بھی بنگلہ کی اس گڑبڑی سے عجیب راستہ میں مختصر زمانے پڑتے ہیں لیکن وہ وقت ہی اور تھا، اب تو بدلتے ہوئے ساتھ ہی تقریباً ہر ادا وہ تدبیر اور خواہش سینی میں رہ جاتی ہے، بسکین عہد شباب کے دنوں کا یہ تھہرے، وہ وقت ایسا تھا کہ کسی ادارے کے گھر میں اس قوت سے جوا کرنا میرے لئے ناممکن تھا، پر پزل صاحب کی فہمائش بھی بیکار ثابت ہوئی، اور میں ان سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ دل میں صرف ایک برس باقی رہ گئی تھی، یعنی جاتا تھا کہ ظہر سے باتیں کر کے ان کی علمی صلاحیتوں کا کچھ اندازہ کروں لیکن ایک پر دہی جنبی کا دی کے لئے یہ امید ہی غلط تھی کہ ظہر فرما مجھ سے باتیں ہو جاتے، پر پزل صاحب رخصت ہو کر جب ملنے لگا، تو راستہ میں خطبہ پر نظر پڑی، مخاطب تو مخاطب کر سیکے بودہ ہو گئے، لیکن ظاہر ہے کہ کل عرصی منسلک ہو، وہ بھی علمی رنگ کے منسلک پران پیاروں سے گفتگو کی امید ایک غلط اندازہ دینے کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔

گروہ کے متعلق جو کچھ جانا جاتا تھا، اس پر اس سے تو گو نہ واقف ہونے کا موقع مختصر یہی دل تو تھا لیکن ظہر کی علمی استعداد کا اندازہ نہ کر سکا، میرا خیال ہے کہ تحت الشعاع جلدی میں کچھ دلیل ان پر دانا کی باتوں کا بھی تحتہ اگر سیکھ دل میں پہلے سے اس قسم کے خیالات دھولے جاتے، تو شب گزاری میں ظاہر یہ صحت ہی تھا، میزبان کی تقریباتی امید سے زیادہ حوصلہ افزا تھے، لیکن ایک بات دلی میں جب ڈال دی جاتی ہے تو چاہا جائے یا نہ چاہا جائے کچھ نہ کچھ اثر اس کا ضرور نمایاں ہوتا ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ گفتہ کے جذبات کا رد عمل بھی ہمیشہ نفرت ہی کی شکل میں

ظاہر ہے کہ شیخ علی الدین بن عسکری نے فتوحات میں اپنا ایک ذاتی تجربہ
اہل کیا ہے، جو ان کے دلوں میں جب اپنے دلوں
اندس میں وہ تھے، اور شکار کا ذوق حد سے زیادہ غالب تھا، لکھا ہے کہ
ایک دفعہ غریب میرا گزر ایسے میدان میں ہوا جہاں جس میں جنگلی گورخروں کی
ایک ٹار جھنے میں شغل تھی باوجود شکاری ہونے کے اسوقت، دلی میں
میں نے یہ لے لیا کہ کچھ بھی ہو جائے، میں ان گورخروں پر حملہ نہیں کروں گا، باریق
کیا ہے کہ میں اپنے غم کو بے پروا کر رہا تھا، بھلا اس کے ہاتھ میں کھنڈ
گورخروں سے نزدیک ہوا، آستانہ تک پہنچا کہ گوراما کی صفوں میں اس گدا
بھالان کے کانوں کے پاس جھجھکا تا کہ میں کسی قسم کی وحشت ان میں پیدا
ہوئی، نہ بھڑکے، مزے سے حوٹے میں شغل تھے، تاکہ میرے نوکر یا کچھ
آ رہے تھے، اور شکار کرنے کے خیال کو انھوں نے دل سے نہ نکالا تھا، چونکہ
گورخروں کی نظر ان پر پڑی جو کڑی بھرتے ہوئے روانہ ہوئے، شیخ نے
بیان کیا ہے، کہ نفرت سے نفرت اور عداوت سے عداوت پیدا ہوتی ہے،
قرآنی آیت اذْذِبحْ بِالْحَقِّ حَتَّىٰ أَحْسَنَ مَا ذَاكَ اَللّٰہُ یُحِبُّ اَیُّھُکُمْ وَیُحِبُّ
عَدَاوۃَ کَافِرٍ، دینی حکیم کا مجھے طے ہے، برائی کا مقابلہ کر کے دیکھو، تم
بادگے کہ اجانک وہی جن کے درمیان اور دشمنی سے درمیان دشمنی ہے، وہی
خیر بخش دوست بنا ہوا ہے، لوگ باہر میں مخالفت کو سمجھاتے ہیں، حالانکہ
ہر شخص اپنے اندر کو سمجھاتے، تو باہر خود بخود سمجھ جاتا ہے، افراد دو قسم دونوں
کے لئے یہ قرآنی قانون عام ہے۔

بات دور پیو کچھ گئی، کہنا تو یہ تھا کہ میری اس جلد بازی میں کچھ دخل
الغیر وہاں کی باتوں کا بھی تھا کہ اتنی حوصلہ افزائی نہ ملتی کہ باوجود گرد و گل میں
شب گزاری پر دل آلود نہ ہوا، سہو اتفاق سے کچھ دیر کے لئے اس علاقے

میں ملکی سی بارش بھی ہوئی تھی، اب کل چکا تھا، آفتاب چمک رہا تھا، لیکن
بارش کو جسے درختوں سے قطرات ٹپک رہے تھے، اسی حال میں گرد و گل کے
احاطے میں کل کر جنگل والی گڈ مٹی پر چلنے لگا، دونوں طرف سے جنگل تھے،
ٹپ ٹپ آواز گرنے والے قطروں کی خشک جوں سے آری تھی، دن ختم ہوا
تھا، جوں جوں آفتاب کی روشنی دھیمی پڑتی جاتی تھی، جنگل کا یہ سماں میسر
لے زیادہ بھیانک بنا جاتا جاتا تھا، خدا خدا کر کے خشک اسوقت جب ہوج
کا زور چٹاؤ میں غالب ہوا، اس سائل تک کسی دوسری طرح پہنچ ہی گیا
جہاں کشتی لٹی تھی، ابھی سائل دور تھا، لیکن نظر کے سامنے تھا، اس لئے اضطراب
کی کیفیت میں بھی کمی محسوس ہوئی، دور ذرا قریب ہے کہ غور کے بعد تو یہ حالت ہو
گئی تھی کہ کوئی قلعہ خشک ہے، جنگل میں گرا، اور بندے نے سمجھا کہ بوند ہو
کوئی درندہ، زچہ، تندرہ اور غیرہ میری طرف چلا کر رہے، کوئی شبہ نہیں کہ تقریباً
یہ نصف گھنٹہ جو اس حال میں جنگل کی اس بگڑ مٹی پر گزرا، میری زندگی کا خاص
وقت تھا، بندہ صبرت اپنے خدا کے سامنے تھا، خدا خدا کر کے سامنے گیا
آگیا تھا، جبنا اللہ رحمہ اللہ کی عالمی خبر تھا جس سے گویا گرا اور اجار باہت،
سائل پر جب نظر پڑی تو تسلی مزدور ہوئی، لیکن دور دور تک لگا ہوں کو
دور تانا، آدمی کے اولاد کا کہیں نام دشمنان ملک بھی نہ تھا، مسلمان ہو، ہندو
ہو، کالا ہو، گورا ہو، عالم ہو، جاہل ہو، کوئی ہو مگر آدمی ہو، آدمی کو دھوکہ
تھا، خوب یاد آئے کہ ابی مومن پر انسان کے متعلق وہی منسلک ہوا کہ یہ اس
سے ماخوذ ہے، میرا دل اس کو دھوکہ دھ رہا تھا، زمین بھی تھی، درخت بھی
تھے، بہالہ کی سر بلنکے جوٹیوں کا سلسلہ بھی تھا، یہ سب کچھ تھا، لیکن میرا دل جس
سے اسوقت اس حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ جسے انسان تھا، دور ہی سے دیکھا
کہ سائل کڑھتی کے قاتل چلے آ رہے ہیں، اب تو پر امید ہو کر تیز قدم بھرتے ہوئے

جاہل کہ کشتی تک پہنچ جاؤں، لیکن اب میری ماہوسی کا وہ عالم، ابھی
 کشتی سے دوچار فرلانگ دور رہی تھا، دیکھا کشتی والوں نے کشتی بھول دی،
 شاید کچھ مسافر میں پار کھڑے تھے، ان ہم سے بھر کر کشتی روانہ ہوئی، تاریکی گویا
 پھیل رہی تھی، میں نے سر پہ ڈالیا، اب کیا ہوگا، میں نے خدا کی نعمت کا انکار کیا
 تھا، اگر وہی کی ہوائی خانے میں جب گزاری کا ارادہ خواہ خواہ ترک کیا تھا، اب
 اسی کی یہ منہ مٹی کر گئے کہ ایک چٹائی نلے کے کنارے جس کے ایک طرف کھٹا
 جھل، دوسری طرف اونچے اونچے خفاک پہناؤ دوسری طرف دریا کا نالہ،
 رات بھرا ہی ٹاپو میں ایسا اندر کیسے گزاروں گا، مغرب کا وقت آہی چکا تھا،
 اب تو جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا، نماز تو پڑھ لی تھی چلیے۔ نماز پڑھ لی دعا
 کیا کرتا کہ اس وقت میرا سارا وجود دعا ہی دعا بنا ہوا تھا، سلام پھیر کر اسی دعا کے
 لئے ہاتھ اٹھائی رہا تھا کہ اسی سمت سے، جس کی طرف صبح کو جندی دہوی کی طرف
 تیر سڑ کر نیا والوں کو دیکھا تھا، کجا رہے میں، مجھے کچھ آسٹ سی محسوس ہوئی ایسا
 معلوم ہوا کہ بیلوں کو ہٹا کتے ہوئے، اس طرف سے ٹوٹ سائل کی طرف آ رہے
 ہیں، اتنے میں بیلوں پر اور ان کے ہٹکانے والوں پر بھی نظر پڑی، بعض سے اٹھا
 اور انہیں کی طرف بھاگا، خیال یہی تھا کہ رات اگر گزارنی پڑے گی تو انہیں کے
 ساتھ گزرے گی جب بیلوں کی قطار کے قریب ہوا، تو ایک آدمی جو آگے لگے
 تھا، اس نے پوچھا تو کون ہو؟ مسافر ہوں، راجا ناچا جاتا ہوں، میری گھر اسٹ
 دیکھ کر ہلا کر پریشانی کی کیا بات ہے ہم لوگ سمجھا رہے ہیں، نمک بکڑ بھی دیتا تو
 میں مٹھتے میں اور پیچھے ہیں، کشتی والے کو اپنی خاص علامات کے ذریعے تم
 بتائیں گے، اور وہ آگے گا، آپ ہمارے ساتھ پار ہو جائیں گے، ہیلو اضطراب
 ساری سرایتی، ان دعا نیت سے بدل گئی، میرے اس اضطراب پریشانی میں
 بالکل ممکن ہے کہ تو عمری کے ساتھ میری اجنبیت کو بھی دخل رہا ہو۔ اس علامت سے

میں قطعاً خبر مانوس تھا جس رنگ میں اس ماحول کو میرا دل بار بار تھا، ہو سکتا ہے
 کہ واقعیت اس میں کمر شریک ہو، اجنبی نامانوس جگہیں یوں بھی آدمی کو سخت
 ہوتے ہیں، اور یہ مقام تو بہر حال وحشت کا تھا بھی، جگہ بھی وحشت کی، وقت
 بھی وحشت کا اور سب پریشان کن کیفیت تہائی کی تھی، بارے اور ارجاع میں
 کی رحمت نے دستگیری کی، اور بنیادوں کو لینے کے لئے کشتی واپس لوٹی،
 اور بنیادوں کے ساتھ ہم بھی کشتی میں سوار ہو گئے، اور جس ساحل پر ہم روار کی
 آبادی ہے، اس پر پہنچ گئے، سرائے پہنچے، راستے کا کرایہ دو آنے ادا کئے
 اس کو نل میں لئے اسٹیشن پہنچے، اور گز وں کا ایک افسانہ اپنے
 حافظہ میں لئے ہوئے ہم دیوبند واپس ہو گئے۔

تھا تو میری زندگی کا یہ سفر صرف ایک دن کا، لیکن عمر کا اکثر و بیشتر حصہ
 جس کا یہ روایت ہی میں بسر ہوا ہے، جب سوچتا ہوں تو نتائج اور فاشی کے
 لحاظ سے، اس ایک دن کو بہت سے دنوں پر بھاری مانتا ہوں، وہاں
 سے واپس ہونے کے تیرا داغ، میرا دل کی کیا سوچتا رہا، اس کی داستان طویل
 ہے، اور سفر اس کا کتنی بھی نہیں ہے، سفر کی حد تک اس سفر نے اس کو اپر
 ختم کرنا ہوں۔

باب ۱

سفر ٹونک و حیدر آباد

دارالعلوم کے احاطہ میں زندگی کا جو حصہ گزرا، اور جن حالات سے گزرنا پڑا، ان میں جو باتیں اپنے نزدیک قابل ذکر تھیں، سچ پوچھیے تو وہ ختم ہو چکیں، آخری مرحلہ اس سلسلہ کا وہی ہے، جب تقدیر نے دارالعلوم کے دن بڑے معارف و اگلیں ماحول سے جدا ہو جانے پر مجبور کیا، جس کے بعد دارالعلوم سے حق تلفی باقی نہ رہا، یوں تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے پندرہ تیس سال تک رکشیت کا جو رشتہ تھا، ہمیشہ کو نہیں لیکن عموماً اس کی جیسے سال در سال بعد و بوسند کی مانوس فضا میں سانس لینے کا موقع ملتا رہا۔ تاہم دو اجماعی حلقوں کی بات باقی رہی، دارالعلوم سے میری جدائی کا ارشاد اپنے بعض پیلوں کو، کہ لحاظ سے اس قابل ہے کہ سننے والے اس کو عبرت کے کالوں میں سنیں، دارالعلوم کے تاثیر و عمل کے بعض تاریکی پیلو آپ کے سامنے آئیں گے۔

اس سلسلہ میں اگر مشابہت خود دفائی کا بھی ہوتا ہے۔ مگر اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں، تو اس حدی کے عارف ہر، علامہ عبد الوہاب شحرانی رحمتہ اللہ علیہ نے جیسا کہ تمام فرمایا ہے۔

”تبر میں جو پاؤں چلا چکا ہو، حذر راسخ کی پیشانی جس کے پیش نظر ہے۔“

ہو چکی ہو، خود دفائی کے موت ہے اس کی اگر بڑی کہا جائے تو غلطاً بات نہیں سنرا۔ کا اقتضا یہی ہونا چاہیے
بقول شخص جس کا یہ حال ہو کہ سے یہ شعلہ مل رہی ہے کچھ بھی ہوئی
اب بھی ذوق فروغ اور بڑاؤں میں چرچے کا شوق، اس میں باقی رہ گیا ہے، شاید اس بدگمانی کی گنجائش مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔
ابنیت کچھ ہی ہو، جہاں بہت کچھ سنا چکا ہوں، اتنی حکایت اور سن لیئے۔
سننے بڑا کم سنو کہ میرے بعد نہ منو گے یہ نالہ و منہ یاد

امیر تقی میرا

واقعیہ ہے کہ تعلیمی زندگی سے فروغ تو کب نہیں سکتا، زیادہ صحیح یہ ہے کہ کچھ اکتا جانے، اور حالات کی بعض مجبوریوں سے، کسی سماجی مسئلہ کی طرف جب توجہ ہوئی، تو محسوس ہوا کہ سادہ سادہ کام حل نہ کئے، ایسے کسی کام کی صلاحیت مجھ میں نہیں ہے، دورہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد اسی لئے خیال گزرا کہ اپنے قدیم علمی مرکز ٹونک میں جا کر قسمت آزادی کروں، انگریزی حکومت کے دھتکارے ہوئے کو شاید یہی رستہ میں کوئی نقش مل جائے۔ چند دن کے انتظار کے بعد مدرسہ خلیفہ جس میں میری تعلیم ہوئی تھی، اسی کے کتب خانے میں کیا تولد کی قبرست مرتب کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور میرے سامنے چشک دہی کی کہ اس کام کو جب تک انجام دو گے پانچ روپے ماہوار ٹونک کے نواب شاہی سے (مکہ کو دئے جائیں گے، یہ بلا موقوفہ صاحب یہ شعور کچھ میں پیدا ہوا کہ کوئی ایسا کام شاید کھانا کا رے سے بھی لایا جاسکتا ہے، جس کی قیمت نہ پندرہار تھی جو پندرہ تیس روپے کے درمیان میں نکلیں کہ قبول کر لیا گیا، القرض بھی سخاوت اپنی زندگی میں ہی پانچ روپے نواب شاہی کی تھی، لیکن ہمیتہ دو بیسے لئے بعد

مدرسہ میں دینی کی بھی ایک جگہ تفریق طلب قرار پائی پندرہ روپے تنخواہ کے ساتھ میرا تقرر کر دیا گیا، یوں میں روپے ملنے لگے، فوٹ صاحب ٹونک جن کا نام ابراہیم خان خٹک تھا، ان ہی کے قریب خانے کے ایک دار و دروازے پر کھڑے بیٹے والے یہ مقرب صاحب تھے، اپنے محمد محمد یوسف نامی کو ابتدائی تعلیم دینے کے لئے مجھے خرابی کی، غالباً پانچ یا دس ان کی طرف سے بھی ملنے لگے، یہ کہ وہی محمد یوسف میں جو آج کل جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے اپنے دار کے میں کافی اعتبار حاصل کر چکے ہیں۔

یہ ساری چیزیں میں چار مہینوں میں طے ہوئیں، دنیا بلی کے امکانات کے اس غیر متوقع تجربے نے دسویں پیدا کرنے شروع کئے، خطرناکی طرہ میں تو کامیابی کے دروازے بند تھے، قدرۃ دل کی قوت حیدر آباد کی طرف ہوئی، دوسرے دن دترہ فیصلہ کی صورت اختیار کی، یہ جاتا تھا کہ خوشی لوگ ملے ٹونک جیلے نہ دیں گے، آخر اپنے ایک مخلص دوست کو دل کے فیصلے سے آگاہ کر کے ان سے جا پا کر ٹونک جہاں سے اسٹیشن دس پندرہ کوس کے فاصلہ پر تھا وہاں تک پہنچانے کے لئے کئی ایسی سواری کا بندوبست فرما دیں کہ رات کی تاریکی میں ٹونک سے نکل جاؤں، انھوں نے بندوبست کر دیا، اگر ادا ضلع کا ایک طالب علم انوار احمد زہا می مجھ سے بڑھا کرتا تھا، اور میرے ہی ساتھ رہتا تھا، بعد سے زیادہ دفعتاً وار مخلص، راستباز، دہائی کو اپنا تین طریق بنا شایب ٹونک سے روانہ ہو کر اسٹیشن پہنچا، اور میرے حیدر آباد کا ٹکٹ لے کر راہی دکن ہوا، حیدر آباد کے اسٹیشن نامی بی بی بی بی بی، وہ دن آج تک یاد ہے اور بسا اوقات جب نامی کے اس اسٹیشن پہنچتا ہوں وہ دن یاد آجاتا کہ وہاں سے اتنے کے بعد انوار احمد میرے رفیق طالب علم نے پوچھا کہ شہر میں کہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟ عجیب سوال، حیدر آباد سے لئے قطعاً انہی شہر تھا، کہاں جاؤں؟

میں نے اس سے کہا، پھر حیدر آباد کے بعد خیال آکا کہ کہاں کا مشورہ دینی میرا نظارہ نہایت ہی جگہ ہو سکتی ہے، جہاں مولوی کو یاد دلائی کی شایب گنجائش مل جائے، مجھے میں لدا سامان اور دنیاں انوار احمد کے ساتھ مدرسہ نظامیہ کا پتہ پوچھتے ہوئے بالآخر اس کے دروازے پر پہنچ گئے، جگہ والے سامان اتارا، اور دروازے کے سامنے رکھ کر گراہی طلب کیا، دیدار کیا، اس سامان کے ساتھ ہم دونوں رفیق اور میرا اول کھڑے ہوئے، انڈیا فری اجازت کے داخل ہونے کی بہت ضروری، مدرسہ میں تعلیم پانچوالے طلبہ میں سے ایک صاحب جن کا نام مولوی محمد حسن تھا، کسی ضرورت سے دروازے پر پہنچنے دو تہی مسافر اول نظر پڑی، انسانی حیدر دہائی، اور اس کی بنیاد پر قطعاً حال کیا بتایا گیا، کہ میں بھی طالب علم ہوں، آپ کے مدرسہ کا نام سن کر آگیا ہوں، مولوی صاحب نے خدا کو کجرا لے کر خیر دے اپنے حجرے میں مجھے اپنے ساتھ لے کر چلا گیا اور وہاں نوازی بھی فرمائی، آپ سب کے لئے دل کا جو عطا تھا ظاہر کیا، اپنی تعلیمی حالت جو کچھ بھی اس سے آگاہ کیا، بہت جلد مدرسہ میں شہرت ہو گئی کہ ٹونک کا کوئی معقول مولوی جس نے دو بند میں حدیث شریف پڑھی ہے، آیا ہوا ہے، طلبہ سب سکر کرنے لگے جن چاروں ہی میں لوگوں سے عمل مل گیا۔

مولانا انوار اللہ خان صاحب کی بارگاہ میں

اتفاق سے ٹونک کے ایک
رفیق درس مولوی شاہ خٹک
احمد صاحب اس نوازش پر حیدر آباد

انوار احمد آج وہیں مجھے ایک کے جو ساری طرح تھی، اسی کو مل گیا جاتا تھا، مجھے دونوں اسکے درجہ کم ہو گیا اور انہیں خود کو اس کے لوگوں کی سوری بھی ہو چکا تھا، جب اسی ہم ملی شین پڑھنے میں آکا کو مجھے کا حیدر آباد یاد آجاتا۔

ہی میں تھے، مدرسہ نظامیہ میں بھی کچھ بڑھا تھا مدرسہ میں ۲۱۱ سے ملاقات ہوئی،
 اسے یہاں مناظر اہل بیابان کہاں آپ کہتے ہوئے بڑی گرم جوشی سے ملے اور
 بولے کہ مولانا انوار اللہ خاں مرحوم، جو اس زمانے میں اس وقت کے صلیحین العالم
 یعنی وزیر تھے، اور مدرسہ بھی ان ہی کی سرپرستی میں تھا ان سے ہم کو ملاؤں گا،
 مولانا کی توجہ دینی مدرسے کے قریب ہی شکر کوٹے میں تھی، وہیں لکھ رہے تھے، اللہ اللہ
 ایک مولوی اس حال میں بھی رہے تھے، دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں، تو ان مرحوم
 اگرچہ اخیر وقت تک ایک درویش عالم ہی بنے رہے لیکن وزارت کے لئے خلیفہ
 کے لئے ناظر امداد کے لوازم سے اپنے آپ کو کلفتہ دور کرنا نہیں رکھ سکتے تھے،
 بہر حال ان کی اسی ایلانہ جوشی کے احاطہ میں داخل ہوا کی تھاکہ بالا غلے سے
 معلوم ہوا کہ کوئی صاحب مجھے سلام بھی کر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ اے آپ
 یہاں کیسے آگئے؟ پھر شیروں پر بڑھ کر ان ہی کے پاس پہنچے، سوچا، یہ اخیر شریف
 کی دو گاہ کے بہنو دوستی مولوی شاد احمد مرحوم تھے، اخیر شریف میں کافی شناسائی
 ان سے حاصل ہو چکی تھی، میری تقریری صلاحیتوں سے بھی واقف تھے، مولانا
 انوار اللہ خاں مرحوم کے پاس اس ناظر میں یہاں تھے، اسی وقت اپنے ساتھ لے
 مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دس سے تھارہ دن کے لئے بہتر سے بہتر الفاظ
 جو ممکن ہو سکتے تھے ان ہی کے ساتھ مولانا مرحوم سے مجھے روشناس کرایا، مولانا
 انوار اللہ خاں نے دریافت فرمایا کہ تم پھر سے ہونے کہاں ہو؟ عرض کیا مدرسہ
 میں۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے، غالباً اسی وقت مدرسہ میں کچھ بھیجا کر نے طالب علم
 ٹوٹکے سے جو آئے ہیں، ان کو مدرسے کے سطح سے نرا دل کا کھانا دیا جائے، مولانا نے
 مل کر مدرسہ بہم آجس ہوائے، قویہ خبری، شاید بدین چاروں اس حال میں گئے
 میری آمد وقت ان دنوں میں مولانا انوار اللہ کے پاس جاری رہی، خود ہی
 فرمانے لگے، مدرسہ میں تم کو تکلیف ہوئی، میرے مکان میں کافی تمنا جاسا ہے یہیں

آجائو، اب میں بجائے مدرسہ کے مولانا انوار اللہ خاں مرحوم کا خصوصی بہانہ ہو گیا
 ایک خاص کر میرے لئے شخص کو دیو گیا، انوار احمد اور خاکسار ای کمرے میں
 رہنے لگے،

مولانا انوار اللہ خاں کی مجلس درس میں | مولانا انوار اللہ
 خاں مرحوم کے

یاں رات کو فتوحات کچھ کاہلیں ہوتا تھا، حیدر آباد کے شاہرہ علما، اصحاب
 جتہ و عامہ بڑی بڑی اور حیوں کے ساتھ اس حلقہ درس میں شریک ہوتے
 تھے، فقر تو انی مکان ہی میں رہتا تھا، حلقہ درس کا ایک رکن میں بھی بن گیا،
 کبھی کبھی کچھ سوال جواب کے مواقع بھی پیش آتے، مولانا مرحوم کو کسی سی
 قابلیت کا کچھ اندازہ ہوا، ایک دن فرماتے لگے کہ میری توروڑ سنئے ہو لیکن
 اتنی بھی کچھ سناؤ گے، عذر خواہ ہوا کہ حضرت والا کے سامنے میری زبان بھلا
 کس فعل نکلتی ہے؟ مگر لفظ ہو گئے، اصرار ان کا جب حد سے گزر گیا، تو کسی نہ
 کسی طرح مولانا کے اسی حلقہ علما میں تقریر کرنا ارادہ کر لی لیا گیا، اب یاد نہیں کہ
 کس موضوع پر یہ تقریر ہوئی، لیکن آنا خاں ہے کہ مولانا انوار اللہ
 خاں مرحوم نے اس زمانے میں چند خاص کتابیں جو کچھ تھیں جن میں مقاصد الاسلام
 کتاب العقل، حقیقۃ اللغہ، افادۃ الاہتمام خاص طور پر کافی پر مغز کتابیں ہیں، میرے
 مطالعہ سے یہ کتابیں گزری تھیں، بیچ بیچ میں ان کتابوں کے خاص خاص اہم
 مضامین کا تذکرہ اس تقریر میں کچھ اس نسبت سے کیا جا رہا تھا جس سے مولانا
 اس لئے متاثر ہو رہے تھے کہ ان کی محبت سے استفادہ کر لیا جائے ہی پائے جاتے
 ہیں، تقریر جب ختم ہوئی، تو مولانا کی شفقت و مہربانی، اس غریب مسافر کے
 ساتھ قدرۃ شہدائی اسی تقریر کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ حلقہ درس میں شریک ہونے
 والوں سے تو دوستی خاص کاموں کے مولا علی ان ہی لوگوں میں کابل کے

ان کو وحدۃ الوجود کے مسئلہ سے خاص دلچسپی تھی، چھپرہ کے اس سلسلہ رکھنے، فقیر
اپنی مصافحت کی حد تک اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ اس وقت جانتا تھا، اور
جو قطع نظر رکھتا تھا، جب بیان کرنے لگا تو دیکھا کہ مہاراجہ چند ہی غوروں کے
بعد کچھ کھصل سے گئے، اور میری گفتگو کو بھروسہ نہ لگے، ویریاں میں کچھ بہتے ہی
تھے، پس کا جواب دیا جاتا تھا، میری غور کی کا نا نہ تھا، اس کا نام سے نکال کر
اب معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ کو میری مصلحتات اور طریق بیان پر کافی توجہ ہوا اور
کہنے لگے کہ اس طریقے سے تم نے اس مسئلہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے، کیا چند
مولوی جو کچھ دہائی خیال کے ہیں، ان کو سمجھ کر میں کہیں مستناچا ہوں تو ان کے
تقریر کر دیتے ہیں، راضی ہو گیا، تاریخ مقرر ہو گئی۔

مہاراجہ کا جو فقر شاہ علی پندے میں ہے، اسی فقر میں ان مولویوں کا ایک
مختصر مجموعہ دیکھا کر بیٹھا ہوا ہے، مہاراجہ نے علم و دایم کفر اہر ہو گیا، جو کچھ عرض کرتا
جاتا تھا، ان حضرات کے سامنے بھی اسی طرح بیان کرتا رہا، ہر سب مسئلے سے بغیر
تخت ہوئی، بھجوں نے توفیق کی، اب اللہ اعلم، توفیق مہاراجہ کی خاطر سے
میر کی یاد اور قدم ان کو پسند آئی تھی، جلسہ سنی خولی کے ساتھ ختم ہو گیا، اب ہمارا
مجھے سے اور میں ان سے بہت قریب ہو گیا تھا، اور دریافت کیے گئے، میں نے مولانا
انوار اللہ خاں مرحوم کے دولت خانے کا ذکر کیا، کہنے لگے اس میں کیا حرج ہے
کہ کچھ دن تو مولانا کے یہاں رہ چکے، اب ہمارے یہاں بن جاؤ، لیکن
مولانا انوار اللہ خاں کا خیال ان کے اس سے مصلحت خواہ ہوا، "یہاں نہیں بیٹھے
تو آتے رہو مہاراجہ نے فرمایا میں نے کہا ہاں یہ تو ہو سکتا ہے، دو ستر تیس دن
مہاراجہ کے یہاں میری حاضری ہونے لگی، علی مذاکرے، ادنیٰ حرج سے ان کی
مجلس میں ہوتے رہتے، اپنی مختلف تفصیلات کی ایک ایک کا بیان لگے دیتے،
پائے پر چھتے، اسی سلسلہ میں ایک بہترین نسخہ، "تہذیب و تمدن" کا بھی مجھے فرائض

رہنے والے ایک صاحب جن کا نام لاہور تھا، سالہا سال سے جند آباد میں
کتابوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے، ہنوی مولانا دوم کے گویا محافظ
تھے، ایک خاص زمین جو انھیں کے ساتھ تعلق تھی، لوگوں کو ہنوی سنا یا
کرتے تھے، شہر کے سواغدا میں بھی حصہ لینے تھے، زیادہ تر ان کا وہ ہنوی ہی
کے اشعار پر مشتمل رہتا تھا، اپنے وقت میں جند آباد کی سوسائٹی کے خاص لوگ
تھے، اور ان کا کام میں شاید ہی کوئی ہوگا، جو ان سے واقف نہ ہو، اور ان کی
رسائی و بائیں ملک نہ ہو، ان تفصیلات اور ان کی خصوصیات سے تو بعد
کو واقف ہوا، اس وقت جرح کو نہا ہے کہ تقریر سے غافل ہونے کے بعد میں نے
دیکھا کہ میری باتوں سے ملا صاحب رحمہ فرمایا طور پر لذت اندوز ہوئے، بڑی
گرم جوش سے ملے، اور اسی وقت وعدہ کیا کہ کل ان کے سامنے ان ہی کے کھر
پر کھانا بھی کھاؤں، وعدہ کر لیا گیا، دو ستر دن لینے کے لئے خود کہنے، اپنے
گھر لے گئے، دعوت میں کافی تکلف سے کام لیا تھا حالات دریافت کرنے کے
بعد رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ جند آباد کے خاص خاص لوگوں سے تھے، ملا
میری آمد و رفت کا سلسلہ ان کے یہاں شروع ہو گیا۔

مہاراجہ کشن پرشاہ آباد کی بارگاہ میں
کہنے لگے کہ مہاراجہ کشن پرشاہ
قدرشاہی آدمی ہیں ان ہی کے پاس تھے سب سے پہلے نے جانوں کا، لے آگئے،
فارسی زبان میں مہاراجہ سے تعارف کرانے ہوئے انھوں نے جو الفاظ کہے تھے
بجسہ یاد نہ رہے حاصل غالباً یہی تھا

"اس شخص کی عمر ہی پر نہ جائے، ہندوستان سے آنیوالوں
میں اس قسم کی تقریر کرنے والا میری نظر سے نہیں گزرا
مہاراجہ بہادر جیہا کہ ان کا دستور تھا، اچھی سنتے رہتے، ہاتھیں ہونے لگیں،

دلی کے ایک بڑے فاضل بڈت نے اردو زبان میں گیتا کے اشلوکوں کا ترجمہ بھی کیا ہے، اور ہر اشلوک کی تشریح اردو زبان میں اس طریقہ سے کی ہے کہ بیچ بیچ میں صوفی مزاج مسلمان شعرا و اداری کے اشعار بھی بکثرت طلب سمجھنے کے لئے اس کتاب میں درج کر کے دیں۔ گو آپس شہر میں قطعاً ایک ایسی مسافر کی حیثیت سے داخل ہوا، اس کی دو بڑی خاص مرکزی ہستیوں سے میل تعلق قائم ہو گیا، یعنی ایک تو ہی مرزا بے غلیت جنگ بولانا، اور دوسرا نیاں مرحوم، اور دوسرا مہاراجہ بھاپرہ کے اس کے بعد میراجی، دوسرے نمبر کے نوٹک میں فیصلہ کا قیام اختیار کیا تھا، سامنے آیا۔

ایمانی کشش

اسی ذرا لڑنے کے امکانات کا جائزہ لینے لگا، لیکن غلاب توقع اس راہ میں کافی مایوسوں کا تجربہ ہونے لگا، حیدر آباد اس زمانے میں وہ حیدر آباد نہ تھا، جس میں جاسٹینا نیز جیسا طولی و عین غلابہ قائم ہوا، تعلیمات کے اسکولوں کی تعداد بھی حد سے زیادہ ناکافی تھی، دریافت سے ان اسکولوں کے مولویوں کی خواہش بھی جاسٹینا ہی سے زیادہ عزماء تھیں۔ در نظام مرحوم کے لئے سب سے مناسب ہو سکتا تھا، وہاں بھی غریب مولویوں کو تقریباً سہائی لحاظ سے اسی حال میں پایا جاتا تھا، جس میں ہندوستان کے عربی مدارس کے متعلمین مسئلہ تھے، البتہ ایک اور اسلوب کا بھی تھا جس میں خواہوں کا میاں گسٹری دار اس کے قدر سے ملنے تھا، لیکن جہاں تک اندازہ ہوا، اس کی حالت بھی "یک انار" مددگار سے زیادہ نہ تھی، اسی کا نتیجہ بھی دیکھا کہ بعض ہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ حکومت حیدر آباد کے کسی انتظامی عہدہ میں داخل ہونے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، اتنا ان مشوروں کی بھیجی کہ ایک صاحب نے پولیس کے محکمہ کی طرف بھی توجہ دلائی، اس وقت تک کالت کے لئے حیدر آباد میں انگریزی یونیورسٹی کے سند یافتہ ہونے کی ضرورت دیکھی، ایک راہ یہ بھی تھی جو دوسری راہوں کے ساتھ میرے سامنے

پیش ہوتی رہی۔

عجب شخص کا معاملہ تھا، اس وقت تک ساری زندگی جن آرژوؤں اور تمناؤں کا بابر ہو چکی تھی، اچانک معلوم ہوا کہ مشورہ دینے والے ان سب سے بہتر حل ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں، مجھے دین کی تعلیم دلائی گئی تھی، اسے حاصل میں میری حریت ہوئی تھی، جس میں دین اور علم کی خدمت کے سوا کچھ کوئی خیال سدا ہوا تھا، اور نہ ہو سکتا تھا، مجھ کو اس کا بھی خیال آتا، اور اس سے زیادہ اس کا تجربہ کاموں اور مشغلوں کا تصور بھی نہیں دماغ میں نہ آیا تھا، وہ میرے جس کے نہیں ہیں۔

اسی ایدہ طریق میں چند دن گزرے، اور آخر حیدر آباد میں قیام کے فیصلے کو بدلنے کا فیصلہ کر پڑا، مہاراجہ بہادر کے پاس تیسرے چوتھے دن حاضری کا موقع ملتا ہی رہتا تھا، اپنے اس فیصلے سے انکو بھی آگاہ کیا۔ جانتا تھا کہ کچھ صبح و شام ان کے پاس آئے جلتے رہتے ہیں، جو واقعہ اس کے بعد سامنے آیا قطعاً غلاب توقع تھا، یہ سننے کے ساتھ ہی کہیں حیدر آباد سے جانا چاہتا ہوں دیکھا کہ مہاراجہ نے عجب طرح سے مجھ دیکھا حیدر آباد پہنچنے کے بعد حیدر آباد سے واپس ہو جانے کا فیصلہ شاید ان کے نزدیک مجھ عجیب سا تھا، مجھ سے کہنے لگے کہ آخر کیوں، کیا بات ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی کہنے لگے کہ میں نے تو پہلے بھی کہا تھا کہ مرزا بے غلیت جنگ کے بال سے اٹھ کر ہمارے پاس ملے آؤ، اور اگر نہ گئے کوئی نہ کھانے زودوں کا گردو پیش کے لوگوں سے کہنے لگے کہ ان کے رہنے سے کافظ نیاں مکان میں کر رہا ہوں، میں بہتار ہا کہ یہ جناب والا کی فوازش ہے لیکن حیدر آباد میں قیام کی صورت نظر نہیں آتی، میں ان سے کہہ رہا تھا۔ اور اسی حیدر آباد کے متعلق کہہ رہا تھا، جہاں قدرت میرے قیام کا فیصلہ کر چکی تھی، اور یہ سارا طول طیل قدر ہی نے سنا رہا ہوں کہ کہے جو کچھ عرض کروں گا

وہی میرا خیال تو یہی ہے کہ لعیرتوں، اور جرتوں کا بلیق اس سے پڑھنے والوں کو مل سکتا ہے۔

غیاث کرنے کی بات ہے کہ پانچ روپے ماہوار کی تمنا ہے جس کی معاشی زندگی کی ابتدا ہوئی تھی، وہی ایک بڑے امیر کبیر راجہ راجگاں ہزار کی مجلسی سرکاری سلطنت پر کارور وزیر عظم حکومت آئینہ کا مطلوب بنا دیا گیا ہے، ہمارا جرنے یہ واقعہ جو کہ ہماری نظر اسیان تھا، جسے سمجھانے اور فیصلہ کرنے کے سلسلے میں اختیار نہ کیا ہو، آخر میں بیان تک بول لائے۔

مولوی صاحب آپ اندازہ نہیں کر رہے ہیں کہ کون آپ کو اپنے یہاں بیٹھنے پر مجبور کر رہا ہے؟

خفایت حدیث پیش کرتا رہا، خفایت کر آخر یہی کہا کہ ہمارا جرنہ ابھی اپنے ساتھ سے لے کر کچھ اور بھی لے کر بیٹھنا ہے، جس کا نظم حدیث آباد میں ہو سکتا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جرن میں ہمارا جرنہ کیا۔

”جیدہ آباد میں ادیب کمال کی کمی نہیں ہے، جس عالم سے جو کچھ پڑھنا چاہو گے، میں اس کا بندہ دست کردار کا سواری پر کمزور دیکھنے والے چلے جانا، جو کچھ پڑھنا چاہتے ہو، پڑھنا۔“

مگر وہی کا فیصلہ اس کے بعد بھی میرا ہی رہا۔ آخر میں مصاحبوں کی طرف سے لکھنے ہوئے متوجہ ہو کر ہمارا جرنہ لے گئے کہ ابھی نوجوان آدمی ہیں۔ گھر سے بی بی فرور بھی آئی ہیں، اسی لئے بھی ان کا گھر گیا ہے، یہ کہتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کاغذ منظر اگر کچھ لکھنے لگے، لکھ کر اپنے ایک مصاحب کے حوالے کر دیا، اور رحمت و شفقت میں ٹوہ بے ہوئے الفاظ کے ساتھ انھوں نے مجھے نصحت کیا۔

مولانا ابوالقاسم خاں مرحوم کے مکان میں پہنچ کر ہمارا جرنہ کی بات کو سمجھنے لگا کہ جس کا ہمارا جرنہ حال تھا، بے کہی کے اس حال میں ہمارا جرنہ جیسے آدمی کا

مہربان ہو جانا، اور مہربان ہی کیا، جو کچھ وہ کہہ سکتے تھے، میری غلات و بہبود کے لئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں کمی نہ کر سگے، مگر ان کے تھکا دہہ جس میں پڑھنے کا کمال انھوں نے اپنے لافوں کو دیا تھا، مجھے دکھا دیا گیا تھا، ہمارے ہی کی کوئی کا وہ حصہ تھا، راحت و عافیت کے ساز و سامان سے نہیں، پلٹنے پھرنے کے لئے منت سوزی، تنقید کی روشن قوتات!

ضمیمہ کی پکار ایک طائفہ یہ ساری باتیں تھیں، اور دوسری طرف خیال آتا کہ دین کی تعلیم میں علم کا رشتا بڑا حصہ، جو صرف ہوا، پیدا کرنا صحیح الہند اور حضرت الامام ازالہ الامم اکثریت کے عقائد کے درس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے سننے اور پڑھنے کا آخری انجام میرے لئے کیا ہی تھا کہ ایک غیر مسلم امیر کی مصاحبت اور خدمت میں اپنی زندگی گزار دیا گا، یہ خیال سنے آنا اور معلوم ہوتا کہ دنیا بھر پر تار تک ہوئی، ہمارا جرنہ میرے سر پرستی میں کسی حکم میں اچھی ملازمت بھی مل سکتی ہے، مکانات کا امتحان بھی دے سکتا ہوں، چاہوں تو حیدر آباد کے مدرسہ طیبہ میں شریک ہو کر طب بھی پڑھ سکتا ہوں۔ یہ اور اسی قسم کے امکانات قدم میں پیش کیا کرتے تھے جسے حوالوں کے ساتھ سامنے کھڑا ہوجاتا لیکن دل کہتا کہ میرا اس کا کیا جواب ہوگا جب پوچھا جائے گا کہ کیا اسی لئے قرآن وحدث کی تعلیم تھی، دی تھی تھی، چاہے باور نہ کیجئے یا نہ کیجئے، لیکن مولانا ابوالقاسم خاں نے جو بیانی کی مفری ست کا وہ کمرہ، اور انہی زمین اس کی خدمات دے سکتی ہے کہ شاید رات بھر کی کمرے میں کروٹیں ہی بڑا رہا، مجھے بھی اللہ کرے کھانا، اور اسی اپنے زینتی طریق افواہ احمد سے کہتا کہ۔

”تم ہی بتاؤ میں کیا کروں، مولانا محمود اس شیخ الہند کے درس میں بارہا بیٹھ کر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان الافیصلیغ الشاهد الغائب! مستعار ہوں، مطلب جس کا یہ ہے کہ واقف ہو جائے والوں کو

چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر کو ان لوگوں تک پہنچاتے چلے جائیں، جواب تک اس سے ناواقف ہیں، اسی بنام کی تبلیغ، آپ کے دین کی تعلیم ہی زندگی کا نصب العین بن چکا تھا، لیکن اس ظلم پر تلے کہ مدت دیکھیں اس راہ سے ہٹنا چاہتی ہے، میں دھتکار دیا گیا، قبول کرنا لے نے مجھے دھتکار دیا۔

یہ ایسی قسم کے الفاظ زبان پر آئے، اس وقت ایک عجیب حال طاری تھا، انوار عرب بجا رہی تھیں ان کے آسپہر لانا، مگر اس بیجا قسم کی کجی کیا مجھے وقتاً دیکھ کر وہ بھی وقتاً میں کہتا۔

”انوار کسی امیر کی نرم زمیں اپنی ساری صلاحیتوں کی حرارت نہ جھونک دوں، کیا یہ زندگی کی کوئی قیمت ہوئی، اس سے کہیں بڑھتا ہے، میں کچھ نہ بڑھتا، کسی گاؤں میں بلی جوتی تھی، اسے شربہ کر جوتی تھی، گاتھنا۔“

اس قسم کی باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں، لیکن اب زندگی، اور زندگی کے لمبے قہرے ختم ہو رہے ہیں، دوسروں کے لئے ناگفتہ بہ افسانے کو گفتہ بنا رہا ہوں، میرے لئے یہ واقعہ ہے کہ حیدر آبادی وہ مات، امتحان کی رات تھی، کدھر جانا چاہتا ہوں؟ دل و دماغ دور رہے پر لا کر ڈال دیئے گئے تھے۔

کشتکس کا خاتمہ اور ایمانی فیصلہ | ارجمند الامین کی رحمت و احسان

کے لطف غیبی نے دیکھ کر کسی امیر کا قتل محفل بن کر رہ جانے کا خطہہ جیسے سامنے آ گیا تھا، اُسے تو نہیں سمجھتی تھی، ہوس کا آسارہ تھا، کچھ ہیوانہ ہو، خود ہڈیاں کا لطف دیکھ ہی سمجھ جیسے آدمی کے لئے کیا کہہ؟ ان کی ذاتی آمدنی دس گیارہ لاکھ سالانہ امیٹ کی تھی، پانچ ہزار ماہوار تنخواہ ان کی بیٹیکاری کی پیشینی خدمت

کی تھی، کوئی کام کریں یا نہ کریں، خزانہ عامرہ سے پانچ ہزار کی رقم ان کے خزانے میں نقل ہو جاتی تھی، جب دارالہم تھے، تو شاید دس ہزار سے زیادہ تنخواہ ان کو ملتی تھی، ان کا دربار میری تحریکوں کی جھوک شانے کو کافی تھا، ان کی خدمت سے اس قسم کے اشتا سے بھی مل چکے تھے، میں دیکھ رہا تھا کہ متعدد شعراء و ادباء قلم ان کے در و درت سے وابستہ ہیں، اور میں قنارم کی زندگی گزار رہے ہیں، انہیں کسی ملک و دود، جد و جد کے میرے لئے کم از کم اس قسم کی زندگی کی گنجائش نہیں ملتی تھی، ایک طرف یہ حال تھا، دوسری طرف خیال آنا کہ حیدر آباد سے وہاں کے لیڈر برطانوی ہند کے اسی علاقے میں جھٹکا پڑ گیا، جمال کے باشندوں کے لئے ملاک و دنا قابل برداشت بن چکا ہے، مسابقی نقطہ نظر سے اندھیرا ہی اندھیرا تھا، مولوی غافل نشی قابل جیسے مشرقی امتحان کی طرف توجہ دل کا رجحان نہ تھا، ایک فریڈ مینش کا غریب ملاؤں کے لئے طلب کیا رہ گیا تھا، میرا خاندانی پیشہ چنداشت سے طلب کا تھا بھی، فرماں روا کے ٹونک کے طبیب خاص کو لینا، رکاست احمد صاحب تھیں، اللہ شرف میرے استاد تھے، لیکن پیلوٹ کی کچا ہوں کہ حکیم صاحب نے طب پڑھانے سے انکار ہی نہیں کیا، بلکہ ان کے بھائی سے جب طب کی کتاب شروع کی، تو جلد احکیم صاحب مرحوم نے ان کو پڑھانے سے منع کر دیا۔

اس تارک مستقبل شخص میں بہر حال گھس پٹنے کا ارادہ کر ہی لیا گیا، اور بسج ہوئے تک میری ذہنی شکست ختم ہو گئی، مولانا انوار اللہ خاں مرحوم کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر روایتی کی اجازت حاصل کر لی، اسی طور پر غافلانہ انھوں نے پوچھا کہ کیوں جاتے ہو لیکن اس باب میں ان کی طرف سے کسی قسم کی حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوئی، اور جوتی بھی تو میرا فیصلہ دہائی کا اشتراک اندر نہ بدلتا، یہ میرا سے عامرہ مرحوم کو بھی میرے اس فیصلے پر انوسر تھی ہوا اور عجیب بھی، لیکن کیا کر سکتے تھے

ندان کی مرضی سے حیدر آباد گیا تھا، پھر ان کی مرضی کو میری والدہ میں خصل
ہونے کی وجہ سے ایک ہوشی تھی، انھوں نے حیدر آباد کی بعض نادار کاتبین منتخب
کیں جن میں جدید سائنس اور ریاضی کی وہ کتابیں بھی تھیں، جو اس الامرا کو میر کبر
مرحوم کی توجہ اور غریب سے ترجمہ ہو کر طبع ہوئی تھیں، ان کو سہ ماہیہ شریعت
تھے، ہمارے ایک علمی شخص بھی دیا تھا

مہاراجہ کا عطیہ اب یاد نہیں کہ اسی دن یا دوسرے دن، جو میری
روایتی کا دن تھا، سامان جو مجھے دیا تھا، درست کیے
روانہ ہونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک مولانا انوار اللہ خاں مرحوم کی جو بی
میں دیکھا کہ مہاراجہ بہادر کے ایک صاحب شاعر شرافت بدایونی، جو مولانا
کے نام سے بھی مشہور تھے، وہی تشریف لائے ہیں، ڈھونڈتے ہوئے میرے
گھر سے میں پہنچے، تنہا ہی بیٹھا ہوا تھا، جب سے کوئی چیز نکالی، اور میری طرف
بڑھاتے ہوئے بولے کہ مہاراجہ بہادر نے یہ بھیجا ہے، پونہ میں روپے تھے جلے
کرتے ہوئے یہ بھی شرافت صاحب نے کہا کہ

”مہاراجہ نے سلام کہا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مولوی صاحب کی
دیکھو کہ یہ ان کا سفر خرچہ ہے، دعویری کی وجہ سے گھرا گئے ہیں، کیونکہ
کہ گھر پہنچنے کے بعد جب دل و دماغ ٹھکانے ہو جائے، تو بغیر کسی
خاصہ کہ وہ میرے پاس چلے آئیں“

اس میں شک نہیں کہ ان کی طبیعت میں جلا ضرور تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ
حیدر آباد سے نکلنے کے بعد کہاں جانے کا ارادہ کیا جائے گا یا قدرت کس ان
لے جائے گی؟ اس لئے یہ امداد غیر متوقع امداد تھی، تاہم، اس کے لینے پر رضی
ہوا، شرافت صاحب نے عرض کیا کہ اس قسم کی باتوں کی عادت ابھی نہیں پڑی،
دل لینے پر آمادہ نہیں، مگر وہ سال خوردہ تجربہ کار بزرگ تھے، فرمانے لگے، ابھی

اب طالع علم میں، ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے، اسے مہاراجہ بہادر، سوائے
یاں داد و پیش کا یہ قصہ صبح و شام جاری ہے، آیت لیں گے، قرآن کو کچھ باہمی
صلام ہوگا، اور کسی غیر حق نہایت ترجمہ سوچ جائے گی، کچھ اس طریقے سے شرافت
صاحب نے مجھ پر کہ رزق مآثرہ اللہ الکف تھا، رقم لینے کی کئی ہنگامہ کا کوئی
عریضہ بھی لکھ کر شرافت صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ اور اسی دن یا ایک دو دن بعد
یاد نہیں رہا میں پھر نام کی آئینہ پر حیدر آباد سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کیلئے
واپس ہوا، ٹکٹ کہاں کا لوں؟ اگرچہ مہاراجہ نے پوچھا میں نے کہا کہ اگر مٹاؤ
ٹکٹ کا لے ہی لو، حیدر آباد کے علاقہ سے تو نکل جاؤں، لیکن اس کے حیدر آباد کا
خیال، و ماغ سے نہ نکلے گا، یہی کیا گیا میں متاثر پہنچا، جس کے بعد ایک دوسری
آزمائش کا قصہ شروع ہوا۔

آمدنی کا کافی حصہ تیرا ہی ہو گا خیال آتا ہے کہ ہزار دو ہزار کی رقم اس راہ میں مل سکتی ہے، کچھ اس قسم کا وعدہ انھوں نے کیا تھا، یا امید دلاتی تھی۔

و عطا اور رحمت کی راہ سے کبیر کو کامیاب کرنے کے لئے بالکل نیا اور قطعی
نیا تجربہ تھا، پہلے تو بہت چکچکایا لیکن کچھ سیر و سفر کا شوق اور یہ کہ اس لئے ہی ہوتا
کیا ہے، اس کے جاننے کی خواہش، آگاہی، اور الغرض مختلف کمزورتیاں کہ رحمت
میں اس کے ساتھ ہوگی، انوار احمد بھی ساتھ ہی رہا، اپنی پوری مولاہانہ زندگی میں
پندرہ بیس دن کا یہ سفر اور اس کے تقریبات و مشاہدات میرے لئے عجیب تھے
تجربات کے حلقے میں یہ مقبول کے آبائی مریدوں کی بستیوں تھیں، تو اولاد،
برودلی، ان دوستیوں کے نام اور رہ گئے، پہلے سے مریدوں کو پیر زادے
کی تشریف آوری کی اطلاع مل جاتی تھی، خط لکھ دیا جاتا تھا، اس میں برودلی
سادری کے لئے موجود رہتے اور اپنے گاؤں کے بل جاتے، ہم دونوں یعنی خاکسار اور
انوار احمد میرے رفیق سفر، کا شہر آباد اور اس پیر زادے کے خدام میں ہوتا تھا
لیکن مواقع اور تقریروں کا سلسلہ جب شروع ہوجاتا، تو پیر زادے سے زیادہ
لوگ میری ہی طرف توجہ دیا کرتے تھے، دو دو تین تین دن ان
بستیوں میں قیام کرتا، و عطا کی مجلسیں عقد ہوئیں، رخصتا براہ راست پیر زادے
محب وصول فرماتے، گاؤں سے نکلنے کے بعد کہتے کہ کچھ اور تہنہ اپنی تقریر کے
تعلق میں نے جو ارادہ کیا ہے، غلط نہ سمجھ لی، کوئی غلط و متور نہ رہا اور رقم وصول
دلی، برودلی نے ہمارا کام لے لیا کہ ہم کچھ جسے کافی شہرت حاصل کی، فقیر اس
جیسے میں شہرت سے پہلے یہ مقبول، اس کی رفاقت میں بیوی تھا، وہاں کے
ان لوگوں نے غلط فہم کیا کہ اس کا کیا حال ہے، اس کا حال یہ کہ اس نے اپنی بیوی سے
غلط فہم کیا ہے، بہتر یہ کہ اس کا راضی کیا جائے کہ چلے جائے، اس پر ان کے خیر خواہ
تھے، یہ غلط فہم کیا گیا کہ اس کی رفاقت میں شہر سے لے کر ان کے گھر تک ہوا، یہ

باب

ایک اور لغزش کا

سید شاہ مقبول احمد ٹرنک کے ایک رفیق درس کا ذکر کرچکا ہوں کہ حیدرآباد میں ان سے ملاقات ہوئی تھی، مگر بہتہ و طرح ہفتہ کے بعد وہ حیدرآباد سے اپنے گھر چلے گئے، ان کا وطن منٹاوی کے پاس ایک گاؤں میں تھا۔ میں ان کے بعد سینے چارہ بیسے قیام کر کے حیدرآباد کے واس ہوا تھا۔ منٹاوی اس کے چچا بیو بیو خان کی بیوی مقبول احمد صاحب کو کئی پیشکش پر پایا مگر اس نے اسے بھجے دیکھ کر بولے کہ چاہ میں جو کچھ مناسب معلوم ہو ان سے کہہ دیا گیا، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ میں نے دیکھا، بولے کہ جہاں اتھر جاتے ہو بندہ پرناؤہ ہے، اپنے والد کے مرید بن میں گشت کرنے کے لئے نکلا ہوں، اسی کے ساتھ بڑی لمبا جوتے سے کہنے لگے کہ میرے اس شفیق سرخس کاٹش! تم بھی ساتھ بھولتے تو میرا کڑا کام حل جانا مطلب ان کا یہ تھا کہ غلطو تقریریں وہ فار دہنتے تھیں۔ بڑی تقریری صلاحیتوں سے چونکہ واقف تھے، اس لئے ان کی خواہش ہوئی کہ ان کے آبائی مریدوں میں سے جو کچھ میں تو تقریر کروں، اور وہ غلامی قبول کریں، تقریر کی وجہ سے ان کا غلامی تھا کہ بندرانے کی آمدنی بڑھ جائے گی۔ کچھ ایسے الفاظ بھی وہ بولے کہ اپنی اس

اور چلوں کے لئے بنیادی پتھری میں پاروں طرف اس طے سے لٹکا دیے جاتے
 کہ کسی لڑکے کے جیسے پرندے بہت کم ہر ایک راہ پر داخل غریب کو پھیلوں کے
 اس جیل میں سے بچ میں بیٹھے کا سکرم دیا مانا جیو پھیلوں کے نکلے ہوئے پاروں
 میں داخل نہ ہو سکا۔ صرف اس کی تقریر انھوں کے کانوں میں پہنچتی شروع
 شروع میں لوگوں سے بڑی دشت ہوئی لیکن ان ہی خوشی سے مانوس
 ہونے کے لئے قدم رکھا ہی گیا تھا۔ انوار احمد بھی بھی کسی اس جادو گھٹن یا پردہ
 گل کے بیچ میں سے ساتھ بیٹھا جا جاتا ہے چار اچھے دیکھ کر ہنستا، گویا ہم
 ایک تماشا بنائے گئے تھے مولوی مقبول احمد صاحب بردوں کے بعد ہی غالب
 سورت کے مشہور قصبہ رائدر پور تھے، یہ مسلمان تاجروں کا مشہور قصبہ ہے،
 افریقہ اور برما وغیرہ میں اسی قصبے کے تاجروں نے انگریزی عہد میں غیر معمولی
 فروغ حاصل کیا تھا بڑی بڑی بینک یہاں کھیر ہوئی، ہر سجدہ پر معلوم ہوا کہ افریقہ
 اور برما وغیرہ میں دوکانوں کی شکل میں جائداد وقف ہے، اور ہر ایک کے
 حساب میں ان اوقات کی لاکھوں لاکھوں کی رقم بنیوں میں جمع ہو چکی ہے ایک
 مشہور سجدہ جس کا نام اب یاد نہیں رہا، اسی میں کچھ بھڑائے گئے، اس مسجد میں
 عربی کا ایک مدرسہ بھی تھا، اس کے صدر مدرس ڈاکٹر اسلام دیوبند کے ایک
 فارغ التحصیل نکلے جن سے فقیر کی شناسائی پہلے سے تھی اسی سجدہ کے منار سے پر
 بڑی ہوا دار عمارت تھی جو میری قیام گاہ تھی۔

مطے ہو کہ میری تقریروں کا سلسلہ شروع ہو، شاید پہلی تقریر، اسی مسجد میں
 یا کسی دوسری مسجد میں ہوئی، کراچیاں پھر ایک تہہ بد تہی اور بے سچان کا دور
 بھر پڑنا شروع ہوا، منار کے خوبصورت بلند غریبوں بیٹھا ہوا دیکھتا رہتا کہ
 اچھے کھاتے تھے لوگ آرزو میں، چاہے میں خیال یہ گزرتا کہ ان ہی لوگوں کو
 تاک کر مولوی مقبول احمد اپنے ساتھ مجھے لاتے ہیں، غرض یہی ہے کہ تقریروں کے

ان لوگوں سے رخصتانہ کی کچھ رقم ملے گی، میرا بھی اس میں کچھ حصہ ہوگا، اس
 خیال کا آنا تھا کہ کچھ خیال کی کمی نیست پانے اندر پانے لگا، دل کہتا تھا کہ آخر یہ
 لوگ جو ہماری امیدوں کا رخ بنے ہوئے ہیں، جنہوں کی اولاد میں، نہ عورت
 نہ فرشتے، نہ اور کچھ ہم سے کسی آدمی ہیں، اور بقول آدمی، زیادہ بڑے کچھ بھی
 یہ پیارے نہیں ہیں لیکن جب ہی دو کوش سے اتنا کچھ حاصل کر سکے ہیں کہ ہم جیسے
 مولوی لوگوں کی امیدوں کی آگاہ گاہ بنے ہوئے ہیں، غیبت و محبت کا رخا رہا
 معلوم ہو کہ کچھ پر چڑھا چلا جاتا ہے، اپنے آپ دل میں نفرت پیدا ہونے لگی،
 یہاں وہی نوعیت کے خیالات کا جو ہم اس شدت کے ساتھ ہو کر اپنے اس شہ
 سفر کو نفسی طور پر ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مولوی مقبول احمد صاحب نہیں باہر گئے
 ہوئے تھے، ولایت کا وقت تھا، شدت کے ساتھ ان کا انتظار کرتا رہا، چوں کہ
 کہے میں داخل ہوئے اپنی کسی قریب و دہند کے میں نے ان کو مطلع کیا کہ بھائی گل
 میں یہاں سے چلا جاؤں گا، اب آپ بھائی اور آپ کا کام، ان کا چہرہ من پڑ گیا
 کہنے لگے آخر کیا کہہ رہے ہو، دل کے سارے جذبات کا اظہار تو ان کے سامنے
 نامناسب تھا لیکن غرض یہی کہتا رہا کہ گل میں ہونے کے بعد ایک لمحے کے لئے اب
 اس قصبہ میں میرا مقام نامکمل ہے، اس کے بعد اگر کوئی دیکھ کر وہی خوش ہو گئے بھوت
 یہی کہتے رہے کہ جہاں سب سے زیادہ امید تھی، وہیں سے تم بھاگ رہے ہو، اگر
 بے چارے کہہ کر سکتے تھے، انھوں نے مجھ اپنی رخصتانہ کی آمدنی سے مجھ کو دینا چاہا
 لیکن اس کی ضرورت نہ تھی، ہمارا سب سے کچھ دے دیا تھا، وہی کافی تھا، اور اسی
 زندگی کی یہ دوسری لغزش کا گاہ تھی، جس پر پھسلنے کے بعد تو میں ابھی بے ہاتھ ہو کر لیا تھا،
 پندرہ روز کے لئے انھوں نے انداز و رخصتانہ والے اس مقبرہ میں مقبول ہونے کے بعد
 دوسرے دن صبح کو غصہ لوگوں سے مل کر بندہ رخصت ہو گیا۔

اِنَّ رَبِّيْ سَيَهْدِيْ

(میرا رب مجھے ہدایت کے نوازے گا)

راست میں ایک دن کے لئے قاتل احمد آباد آئے، وہاں کے مسلمانوں کی یادگاروں کے دیکھنے کا مدت سے شوق تھا، ان کی مسجدوں اور مقبروں پر حیرت والوں کے چند انگوٹوں کے پھول چڑھا کر لیں بیٹھا، اس وقت تک اپنے مستقبل کی تلاش میں میں خود بھٹکا تھا، لیکن اسباب یہ ہوئی، اس فیصلہ کے ساتھ مٹی کے مستقبل ہی سے سامنے جس شکل میں آئے گا، اسی کے ساتھ اپنے آپ کو رہی رکھنے کی خوش کردوں گا۔ اور اللہ ربی سہدین کہتا ہوا احمد آباد سے ریل پر سوار ہو کر میں چلا، کچھ چلا، بس یہی کہنے لگی بات کر۔ دارالعلوم دیوبند سے کچھ دن کے لئے الگ ہوا تھا، حیدر آباد، اور جرات میں دو مہینے لنگھ گئے تھے میرے سامنے کہیں، جیسا کہ عرض ہی کر چلا آ رہا ہوں کہ صرف توفیق الہی دینے مٹی جس نے مجھے دونوں انگوٹوں کا ہوں یا کوئی زبان میں پھیل بندوں سے نکال لیا، یہی سبب توجہ ہی تھا لیکن عالم اسباب کے لحاظ سے جہاں تک میلانا احساں کر

دارالعلوم دیوبند کے ماحول اور ماحول میں بہت اس کی تربیت کا یہ قدرتی ارتقا کو ان دونوں لغزشوں کا ہوں پر پھیلے پھیلے لیا گیا، یا نہ تھا لیکن جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ احمد آباد سے احمد ادریش کے بغیر ایک سوئی کے ساتھ سیدھا دیوبند کی طرف روانہ ہوا، دیوبند میں کن حالات سے سالہ ہو گا، ان سے قطعاً غالی اللہ ہی ہو کر دارالعلوم کی طرف اس لئے بھاگا چلا آ رہا تھا کہ وہ دیوبند کا دارالعلوم ہے، جہاں اپنی تعلیم کے چند دن گزرے ہیں، دیوبند کے سوانح میں کے اس کہ برصورت کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی تھی، میں نے حیدر آباد کو ہی دل سے نکال دیا تھا، سواہی دارالعلوم کے اس علاقہ کو بھی بھلا چکا تھا، جہاں تقریباً پندرہ دن تک ایک خاص قسم کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا تھا، اب دل میں صرف دیوبند تھا، ماوراء غائب بھی دیوبند تھا۔

پھر دیوبند میں

طالب علمی کا مقصد میرے منقطع ہو چکا تھا، حکیم نظر میں صاحب میرے رفیق قدیم، جو بھی اپنی طالب علمی سے فارغ نہیں ہوئے تھے، ان ہی کے حجرے میں کہ اگر اسی، مولانا صاحب نے ان صاحب سے مل کر کہاں کہاں ہے، تفصیل تو کیا عرض کرتا، اجمالی الفاظ میں مجھ باتیں کہیں سابقہ شفقت، دہرائی کے ساتھ ملے تھی دی، اور اسی وقت اپنے اختیار خاص سے آتا تو خود ہی کروا کر کھانا و قوام کے بارے میں سیکھ کر شہر گیا، پتہ دس روپے ماہوار میرے نام جاری فرمائے گا، مگر یہ نہ تھا کہ ان کو اس وقت پتہ دس روپے کا کام مدرس میں کروا، اور الفاسم دارالعلوم کے منقطع ہونے کے بعد ان دونوں رسالوں میں لکھتے رہے، کہ میں کوئی مستقل نظر تیار سے لئے کر دوں گا۔

اسلام یعنی آج سے تشریف لے جائیں پہلے ان کی روداد مدرسہ کی ایک کاپی جو میرے

(۱) یہ مضمون رمضان ۱۳۸۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا۔

کتب خادیں کی طرح محفوظ رکھی ہے، اس میں اپنے نام کے ساتھ ملازمین مدرسہ کے تختہ میں "مبین مدرسان عربی" کے نسخے

"مولوی منظر آسن صاحب خانہ ماہوار"

کے الفاظ چھپے ہوئے ہیں، یہ وہی روڈا ہے جس میں ہوائے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سیدنا الامام انجیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام دیا گیا اسی تختہ تنخواہ میں "تمام تمام مدرسہ" کے الفاظ کے ساتھ غالباً سب سے پہلے درج ہوا ہے، تنخواہ کے غلے میں سرور پئے ماہوار کی رقم کے ساتھ کیفیت کے غلے میں لکھا ہے کہ سرور پئے ماہوار شاہ صاحب کو کچھ عوم ۳۲۲ روپے دیا گیا، گویا دارالعلوم کی سند صدارت پر امام کشمیری نور اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلوہ افروز ہو کر یکایک پانچ سال تمام حضرت شیخ الہند نے سرشوال سند کو سفر حج کے لئے مدرسہ سے رخصت حاصل فرمایا اسی کے بعد پیش کے لئے دارالعلوم سے آپ رخصت ہی ہو گئے، اسی روڈا میں حضرت شیخ الہند کی درخواست رخصت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ

"حضرت صدر مدرس مدرسہ شیخ الہند کے منجانب مدرسہ پچھتر روپے ماہوار تقریز ہو چکے ہیں"

باوجود منظوری کے کہ اسی کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

"حضرت صدر مدرس صاحب نے بجا نہیں لیا اور مجوزہ آتی کو نہیں لیا"

یہی مطلب ہے اس مشہور بات کہ شیخ الہند اپنی پچھتر روپے تنخواہ سے بہراہ پچیس روپے ماہوار بطور چندہ عطا فرماتے تھے جسوں رخصت کے بعد باقی کیا ہے کہ

"پچیس ماہوار والی تنخواہ سے بھی ایک چار لاکھ گوارا نہ فرمایا"

روڈا میں حضرت سیدنا الامام انجیری کے متعلق یہ معلومات درج ہیں کہ

"جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ شمال سندھ سے دارالعلوم میں مدرسہ دوم کا کام انجام دیتے ہیں"

لیکن کس طریقے سے، آگے آئی میں ہے۔

"جناب شاہ صاحب موسوی نے اس وقت تک مدرسہ کے مشاغل طرانا منظور نہیں فرمایا"

یعنی ۱۳۲۳ء تک باضابطہ تنخواہ مدرسہ سے شاہ صاحب نے نہیں لی، گو بات سال تک مسلسل تنخواہ ملے کہ نیز کام کرتے رہے سات سال کے اس کا کلی طویل عرصہ میں بھی ۴۴ مہینے تک اس کا جو رنگ رہا، اسی روڈا میں ہے کہ

"اول آدی کو کچھ نہیں لیا، بعدہ موزوں متفرق اخراجات کے لئے

بہرہ تمام کچھ بھی دیں روپے بھی پندرہ روپے ادوا ب کچھ دولوں

۲۵ روپے ماہوار قبول فرماتے ہیں" (روڈا ۳۳ صفحہ ۲۹)

گواہات سال کے بعد ۱۳۲۳ء کا پہلا سال تھا، جس میں اس ناچیز کے نام

دس روپے ماہوار منظور ہوئے تھے، سیدنا الامام انجیری نے باضابطہ سرور پئے

ماہوار کی تنخواہ کا لینا قبول فرمایا تھا، ورنہ اس سے پیشتر آپ دیکھ رہے ہیں،

دس، پندرہ اور آخر میں پچیس سے زیادہ بھی نہیں لے۔

اللہ اللہ دارالعلوم دیوبند، اودا کے اس ماحول میں سو بچنے کے

بعد واقف یہ ہے کہ دس روپے ماہوار بھی مجھ جیسے مسیح میرز کے لئے عجیب بات

تھی، سیدنا الامام انجیری کے علم کے ساتھ میرے جہل کی جو نسبت ہے اس کو

پیش نظر رکھتے ہوئے، اسی وقت میں آج بھی دس کوڑیوں کا بھی صحیح معنی میں

استحقاق نہیں رکھتا، سوچنے کی بات ہے، الہند کا کچھ، اساتذہ اعلیٰ کی جگہ

میں کچھ کی تنخواہ ہے کچیس روپے ماہوار ملازمتی چندے میں دینے کی نسبت قائم

کے بہرہ، اسی مدرسہ کے ماحول میں چاندی اور سونے کے گزروں سے انسانیت کی

پہاں کا مسئلہ کنستھک میں کر رہا تھا، پچ پچے تو دارالعلوم دیوبند کے
 انچیم وید مشاہدات ہی کو اپنی زندگی کی مذکورہ بالا غلطیوں میں عالم اسباب
 کی رو سے اپنا نجات دہندہ اگر سمجھتا ہوں، تو براہ انصاف بتایا جائے کہ اور
 کس چیز کا نتیجہ اسکو کھوں بہر حال میرے نام کے دس روپے ماہوار تو خواہ کے
 خلتے نہیں تھے، اور کنست کے خاتمے میں کھاپے
 "صوت ایک ماہ کی خواہ ادا ہو رہی ہے"

حافظ اب مدنی کر رہے کہ اس کے بعد ایک صورتیں میں آئیں، اس اعتبار
 رہ گیا کہ دس روپے ماہوار کی یہ خواہ صرف ایک ماہ تھی، اس کے بعد
 مدرسہ میں باضابطہ تازمت کا آغاز تیس روپے ماہوار سے شروع ہوا اور دارالعلوم
 کی مجلس شوریٰ نے طے کیا تھا، دارالعلوم کے پچیس روپے کا وزن کچھ ہی ہو،
 لیکن دارالعلوم کے احاطہ میں پچیس روپے تو کم از کم لے لیا میرا کافی اعتبار تھا
 وچہ ایشیا زہیاد ہو، لیکن جہاں تک اپنے دل کو ٹھٹھا تھا، اس خواہ سے کامل
 طور پر اگر مطمئن نہیں، تو چنداں غیر مطمئن بھی رہتا، طالع العلماء، بھولنے کے لیے دارالعلوم
 کے ساتھ میری خدمت کا رشتہ جب پیدا ہوا، تو دس سے شروع ہو کر پچیس تک کی
 خواہ میں وہ دن گئے، جن کی سرگزشتوں کا مختلف جہتوں سے تذکرہ کر چکا
 ہوں، اب پوری مدت کی تیس روپے سے لے کر ستر دست و خواہ ہے، لیکن کافی
 مدت تھی جو دیوبند میں گوری۔

بہار میں عارضی قیام اور دیوبند واپسی | دیوبند کے قیام کے
 مزید میں بھی ایسی سائنس آئیں کہ نصرت کی غیر قرآنے میں گیلانی جلا کر اپنا سہاں
 دارالعلوم کے قدیم طالع العلماء مولوی سید علی عظیم سے ملاقات ہوئی، ان کا داغ
 حد سے زیادہ ایک ہزار ایک سو تالیف و تالیف کے بڑے بڑے پروگرام دینی، ملی خدمات

کے رہنا کر رکھ کر ہوئے تھے، پھر برصغیر اور بہار جہاں دارالعلوم کو کچھ جیسے مولوی آدمی
 مل سکتے ہیں، لیکن مولوی اور بہار جہاں دارالعلوم ہے، وہاں کام کرنا ان کی بڑی کمی
 ہے، جن بھی وطن اور اپنے مریضوں کا زیادہ ہے، میں مولوی کی اس سلسلے میں حاضر ہوا
 بانی مذکورہ اعلا حضرت مولانا محمد علی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں جب
 پہنچا، تو حضرت والا کے چشمہ داروں کے اشاروں نے بھی مولوی عظیم مرحوم کے خیال
 کی تائید کی، انفرم بہار غرض مولوی کی میں قیام کر کے، باغیچہ لائے، یا کچھ اور
 کام کر کے نقشہ بننے لگے، رخصت دارالعلوم سے غالباً ایک مہینہ کی ملی تھی،
 لیکن مہینہ دو مہینہ میں بیٹے گزر گئے، دارالعلوم حاضر نہ ہو سکا، مولانا
 حبیب الرحمن صاحب نے دریافت کیا، پہلے کہ لکھت لکھنے سے کام لیتا رہا،
 آخر میں عرض ہی کر دیا کہ بہار ہی میں لوگ روک رہے ہیں، یہاں عمل کا میدان
 بھی کافی وسیع نظر آ رہا ہے، اس لئے مجھے اگر اجازت مرحمت ہو تو وطن ہی میں قیام
 کر لوں، میں نے بعض کاموں کا پروگرام بھی لکھ کر بھیجا تھا، جواب میں مولانا مرحوم نے
 جیسا کہ چاہیے تھا لکھا،

"یہ سارے قصے تمہاری ناچرخہ کاری اور جوانی کے خوشی کے میں مناسب
 یہی ہے کہ تم دارالعلوم چلے آؤ، جن کاموں کا تم نے ذکر کیا ہے، ان
 کے لئے بہتر زمین دارالعلوم ہی میں ہمارا ہر کئی ہے، دارالعلوم کا وسیع
 کتب خانہ ہے۔"

پس خود مولانا حبیب الرحمن صاحب کا تھا، ارقام فرمایا کہ تمہارے حوالے
 کر دیا جائے گا، اور علماء دیوبند سے حوالے تھا بھی، دو دو سالے القاسم اور الرشید
 کے صفحات تمہارے مضامین و مقالات کے لئے کافی تجاویز رکھتے ہیں، پھر دارالعلوم
 کے طلبہ جس مقدار میں جاہور کے اپنے کام کے آہوں کا انتخاب کر سکتے ہو، اسی کے
 ساتھ یہ بھی لکھا کہ دارالعلوم میں تم جانے ہو، خواہوں کا معیار نہ مادی ضروریات

کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ بالی ہر ملے کر لیا گیا کہ بجائے عیس کے پچاس روپے ہر ملے ہندوئی خواہ کر لیا جائے،

یہ وہ زمانہ تھا کہ دارالعلوم میں محمد کے کافی میٹر سرائہ بھارت سے تیس ماہ سے زیادہ نہیں با رہے تھے۔ مگر ان کی کھجکا ہوں کہ شاہ صاحب قبلہ روضۃ اللہ طریکی خواہ اس زمانہ میں بشکل ستر منظور ہوئی تھی حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت و محبت کے جن الفاظ میں یہ غایت نامدار کام فرمایا تھا، اس کو پڑھ کر ہر ایک آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ ہندوؤں کو سب کا پچاس گز سے زائد اس عرصے میں ایک سو اور پندرہ ماہوں کے متعلق بھی تجربہ کا موقع ملا رہا، خود نوکر، بجا کچھوہ میں کام کرنے کا موقع بھی ملا، دیکھ گنگ بھی حاضر ہوا تھا، دیکھا ہی کہ کچھے والے اور بالی بنائے تو ہر کوہ و مانا میں مل جاتے ہیں، لیکن گز کا وقت جب آگیا ہے، تو لوگ بغلیں جھٹکتے گھٹتے ہیں، ان ہی چند بدینوں میں کافی ایسی باتیں سے بھی قوم و ملت سے اس قصے میں دوچار ہونا پڑا تھا۔

مولانا مرحوم کے اس خطے نے اس واسطے کو قبول کر دیا اور دوسری دفعہ دارالعلوم سے الگ ہونے کے لیے تفریق ہوا دارالعلوم میں چل گیا (۱)

(۱) پہنچنے کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب دارالعلوم ہندوئی خواہ کے ملکہ حضرت شاہ صاحب کے سامنے اعلانِ تہذیب میں کیا تھا۔ خواہ صاحب نے فرمایا کہ وہ راجی رہتا ہے، وفاق الہی میں مضامین بھی لکھتا ہے اور دارالعلوم سے اس کو وہ وقت و تقریر کے لئے بھانے سے ملتی آتی ہے۔ بعد بجا جاتا ہے، اگر ہر پردے میں بھی اس کو یہ دعوتیں تو بار بار توں ہوتے ہیں، گیا سو روپے بھی آپ دیکھ گے تو ان کا وہ حق ہے، یہ پہلا مرحلہ تھا جب مجھے عیس پر ان کا پرتشاد صاحب کی خاص نفرت تھی ہے، ان کی ایک تنگ زندگی کو دیکھ کر پہلے اس کا تھا کہ سیکھوں طالب علموں میں ایک طالب علم بھی ہے، اس کے زیادہ ان کے قلب بھارت میں کوئی اثر نہ تھا۔ (گیلائی)

باب ۲

دارالعلوم دیوبند پھر حیدر آباد

اب میں سے وہ قصہ شروع ہوتا ہے جس کے لئے اتنی طویل سحر خانیوں کا کام لینا پڑا، دارالعلوم دیوبند، اور نئے دلوں اور بڑے بڑے حصول کمال کے پوچھا، پہنچنے کے ساتھ ایک سو اور پندرہ ماہوں کے بنائے میں ہنک پو گیا، لیکن تقدیر میں یہی تھی، شاید ایک مہینہ کی مدت بھی نہ گزری ہوگی کہ چانک کلکتہ میں ایک ہنگامہ شروع ہوا، مختصر یہ ہے کہ ”ڈپٹی نیوز“ نے اپنا کوئی انگریزی اخبار تھا جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض نامزد الفاظ شایع ہوئے، کلکتہ کے مسلمانوں میں غم اور غصہ کی لہر دوڑ گئی، بات بڑھتی چلی گئی، تا آنکہ کل ہند سادہ پر فیصلہ کیا گیا کہ باضابطہ ایک مجلس ہی بنائی جائے جس کا مقصد یہی ہو کہ اس قسم کے ایسویں کی راہ ہر لمحے مسدود کر دی جائے قابل مجلس تحفظ اسلام کے نام سے یہ مجلس موسم ہوئی، کافی رقم بھی وصول ہوئی۔

کلکتہ میں ارادہ کیا گیا کہ سارے ہندوستان سے علماء کو طلب کر کے ایک اجتماع عظیم کیا جائے، اور حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ آئندہ اس قسم کی

ناہور اہول کے اندر اذکی وہ ضمانت لے، ملک یا کسی طرفان میں مختلف وجہ سے خطرے کا ہوا تھا، ان ہی میں ایک مذہبی آدمی بھی ابھی اسکی سے اندازہ کیجئے کہ کلکتہ کے بڑے بڑے تھانوں اور ملاؤں کے اساتذہ کا خط دار اہولم اس معضوں کا پہنچا کہ دار اہولم سے علماء کی بڑی سے بڑی تعداد کلکتہ بھیج جائے جن میں صدر دار اہولم اور ارباب ہمسام کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک سے زیادہ قضاے اس سلسلے میں دروازہ شروع ہوئے، اور یہی طے کیا گیا کہ اس موقع پر علماء دار اہولم کو کلکتہ پہنچنا چاہئے، مگر اگر آدھ اکا کے سایہ خیر بھی پاس ہوئی کہ قیصر بھی اس وفد میں شریک ہو

ناگمانی اطلاع

الغرض چودہ علماء جن میں ایک یہ ظلم و جہول بھی تھا علاوہ ذیلی خدام کے دیوبند سے روانہ ہوئے جو ش غرض کا حجب عالم تھا، فقیر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و کارو کا سوال تھا، اس پر کوئی فرستہ نہ گئے، کلکتہ پہنچ کر اس قہر کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جائے، غازی آباد سے خیال آئے ہے، پنجاب میں سے علماء کی یہ جماعت کلکتہ روانہ ہوئی، راستہ بھر اسی مسئلہ پر اور اس کے مختلف پہلوؤں پر باتیں ہوتی ہیں غالباً صبح کا وقت تھا، میل الہ آباد آدھیشن پہنچا، دیکھا گیا کہ ان ماسٹر الہ آباد عظمیٰ العلماء حانفہ محمد احمد کا نام لے لیکر ہڑے میں پوچھ رہا ہے کہ کیا وہ شریف ہیں، ان کے نام کا ایک تار کلکتہ سے میسر ہے سے آیا ہوا ہے حافظ صاحب رحمت اللہ علیہ تو موجود ہی تھے، انہیں ماسٹر نے تار لے کر کہتے ہوئے ترجمہ بھی

سنا دیا کہ

”آپ لوگ واپس ہو جائیں، کلکتہ کی حالت حد سے زیادہ نازک ہوئی ملی جا رہی ہے، تفصیل خط سے معلوم ہوئی۔“

میرا سفر کلکتہ جاری رہا

پنجاب میں سے علماء کا وفد یہ کیا تھا، ہمارے ٹرے میں مایکل سی بھی تھے، طرح طرحی ٹکٹیں ہوا یہی فیصلہ کیا گیا کہ لاہور آدھیشن میں لوگ، ترجائیں، ہولینڈا جیب الائنس صاحب نے صرف فقیر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عزت اترو، چلے جاؤ، اور کلکتہ پہنچ کر دیکھو، جلسہ میں تقریر و فیروہ کی گفتگوں ہو تو شریک ہو جانا، ورنہ واپس چلے آنا۔ یہ بھی فرمایا کہ فقیر عید کا زمانہ قریب ہے، وہ کسی میں تم کو اجازت ہے، عید وطن ہی میں سنا کر آنا میری فوجری اور فوجانی کے ساتھ رہایت کی گئی تھی، اچانک وہی راجہ قاضی العلماء ونا ہوا تھا چند منٹ میں خالی ہو گیا، اور ایک دفعہ مولوی بیچارہ، دیوبندی لباس میں لپٹی لے کر گئے، وہی ٹوٹی کے ساتھ تنہا اسی ٹرے میں بیٹھا ہوا، روانہ ہو گیا، جبکہ بھی کلکتہ کاٹنے لیا گیا تھا، اور لوں کے ٹکٹ کو تو خالی واپس کر دئے ہوں گے، میرا ٹکٹ کارڈ مٹا ہوا، فقیر نے اسیٹا مل دیوبندی سے لے لئے تھیلے بھائی میں اس مقام جن مسلم کے نام تار دیا تھا کہ میں کلکتہ جا رہا ہوں، پڑھائیں، برتھے سے غلال شین پر ملاقات کو میل جاتا ہوا پڑھنا ہوا، میان منکام کو دیکھا آدھیشن پر موجود ہیں، مجھ سے محبت حال میں، کلکتہ کے آخری اخبار میں کلکتہ کے حالات مسلسل شائع ہو رہے تھے جن میں شدید بغض اور فسادات کے خطرات اظہار کیا جا رہا تھا، مسلمانوں اور حکومت میں شدید تصادم کا احتمال پیدا ہو گیا ہے، وہ مجھے کلکتہ کے ان حالات سے آگاہ کرتے ہوئے مھر ہوئے کہ میں پڑھ ہی نہیں اتر جاؤں، لیکن ان زیادہ تر جن کیفیات سے گزر رہا تھا، وہ جیسے تھے کہ رائے کو ستر کرتے ہوئے کہا کہ اب تو جانا اور بھی ضروری ہے، وہ میرا دامن پکڑے ہوئے اتارنا چاہتے تھے، اور میں نے کارواہی کے ساتھ ان کے ہاتھ کو محاکات دیا۔ اتنے میں جن نے میٹھی دلی کاٹھی خرک ہوئی، میان منکام منہ دیکھتے تھے

اور کچھ دیکھے۔

ابھی اپنے اس ایمانی حالی کو جب یاد کرتا ہوں، اور بے فیرتی بے محنتی
بلکہ بے حیائی و بے شرمی کی جو زندگی اب گذر رہا ہوں مجھ پر نہیں آتا کہیں کیا
تھا اور کیا ہوگا، حضرت عمار بن ثابتؓ صحابی نبی اللہؐ کا مشہور شعر

فَاتِ ابْنِي وَالدَّقِ وَعِصْنِي
بِرَبِّ بَابٍ، مِيرِي مَالٍ، مِيرِي
أَكْبَرُ وَبِابٍ مِيرِي مَالٍ، مِيرِي
أَكْبَرُ وَبِابٍ مِيرِي مَالٍ، مِيرِي

ابھی ٹپے تیس، جس میں میرے سوا کوئی نہ تھا پڑھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا، مگر سستی دھار دھکی کے ان ہی حالات میں ہوڑہ سٹیشن پر نسیل مجھے لیکر پہنچ گیا۔

استقبال کریں والوں کا ہجوم اور مایوسی

یقین تھا کہ آج دارالعلوم دیوبند سے ملنے کے لئے ہر کوئی ادا ہے۔ سیدنا امام
کبریٰ، مولانا عثمانی، مولانا خاں صاحب، مولانا حبیب الرحمن، کبار ائمہ و محدثین
چروں کی زیارت کی تہاؤں میں ڈوبے ہوئے لوگ آئے ہوئے تھے، یہاں تک
سے ان کے پیشکش اشرف کے نام ہو دیا گیا تھا، اس کی کسی کو خبر نہ تھی، ہر طرح کے کوٹ
موجود تھے، پھر یہ کیا ہے یہی لوگ پنجاب میں پھوٹ پڑے، لیکن علماء کا یہی ثبوت
میں بت چلا، شرر پر پڑ گیا، غیر تنہا بیٹ خادم برس میری کے حال میں اترا،
غافل کوں کر لوگوں کی غلط فہم ہو جا، اور اطلاع دی کہ دیوبند کے علماء آپ لوگوں
کا ہمارا کرا آباد سے واپس ہو گئے، صرف اس غیر کو اجازت دی گئی تھی، وہ حاضر
ہو گیا ہے، ہر ایک غیر تھا جس نے کب، کس کے ساتھ سے سے تیار دیا، لیکن پوسے
مجھ میں کسی نے اقرار نہ کیا، وہ فک کے سہل کلکتہ کے ایک مشہور مدرس اہل تہذیب و
سبزرنگرٹ کے سول جینٹ تھے، ان کے صاحبزادے آؤں مولوی عبد الرحیم اپنی

کادے کر پیوئے ہوئے تھے، ان ہی کو کھٹی میں علاء کے قیام کا فقر کیا گیا تھا، جس پر انہی کی تفریح کو گاڑی میں بیٹھا گیا، اور اس مکان میں بیہوش کیا گیا، جہاں علاء بیٹھا رہے جانیے تھے، ہر ایک پر حد سے زیادہ ایسی طاری تھی اور ان کی فکر میں سرگرداں تھا کہ آخر یہ تار کس نے دیا

حاجی عبد الصمد
 مٹوڑی دیوبند جب لوگ مجھے اسی مکان میں تنہا
 چھوڑ کر چلے گئے، ایک صاحب شریف لائے،
 ہم ان کا حاجی عبد الصمد تھا، وفات ہو چکی، غالباً دیوبند میں نظران ہو چکی تھی
 تھی، وہی آئے، اور ادھر ادھر دیکھ کر بولے تمہارا میں نے دیا تھا، لیکن میرے
 اکاؤنڈر کہہ کر سے نہ کیجئے گا، ورنہ حوام میری دھیمان اڑا دیں گے، حالات
 کی نزاکت کا یہی اقتضا تھا، وہ دیوبند کے مخلص خیر اندیشوں میں تھے، کافی مالی
 مدد بھی مرہر کو ان سے ملتی تھی، مجھ سے کہنے لگے کہ اس لیے جوئے مکان میں
 تنہا تھا راجی کہوئے گا میرے پاس اٹھ کر چلے آؤ، یہی فون پر آئے بل حاجی عبد الصمد
 صاحب اجازت بھی لے لی، مجھ سے گناہ کس پر کس پہاں کے بھڑلے پتر
 مراد کی وجہ کہ جو کتنی تھی، میں حاجی عبد الصمد کے پاس اٹھ کر چلا گیا، اس کے
 دیکر کیا ہوا، کیا کیا دیکھا، مذاہب انضیلات ہی یاد میں، اور نہ ان کے ذکر
 ضرورت!

یہ واقعہ تھا حکومت اور مسلمانوں کے درمیان کش مکش نزاکت کے آخری نقطہ تک پہنچ گئی تھی مسلمانوں کی حکومت جبر کرنے پر اصرار کر رہی تھی حکومت بزدل رہا اور کوہنا چاہتی تھی بات بھر رہی تھی ایسی دلی یاد ہے دن دریا کی مشہور رو میں مسلمانوں پر گولیاں بھی چلا دی گئیں کافی مسلمان شہید بھی ہوئے اور زخموں کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا میرا حال یہ تھا کہ بار بار بھائی عبداللہ سے کہتا تھا مجھے چھوڑ دیجئے، مسلمانوں کے ساتھ تنگدامن شرمک، وجہ تاہل

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی عزت پر مسلمان اپنا خون بہا رہے ہیں، مگر خون
 انہر کہاں کا بہتی ہے، حاجی جہاد صمد رحمہ اللہ ہوا کیا نادر حاجی قواذ میں کھو
 بیٹھا ہوں، وہ سب سے درد گر چشمہ بزدل تھے، مخالفت نہیں کرتے، بلکہ
 کہتے ہاں، ہولناکی میں بھی چل پھرتے ہیں جن باتوں کا انتظار رہے۔
خانہ قید اب اسی عرصہ میں معلوم ہوا کہ اس طریقے سے بہار کے بعض انگریزی
 طلبہ جو کلکتہ میں تسلیم ہوتے تھے، ان کو سب سے آنے کی خبر ملی،
 ڈھونڈتے ہوئے جو تک پہنچے، وہی حال میں تھا، اس کو دیکھ کر ان کو کھینچ
 چرگا کر بے حد متاثر ہوئے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا چلئے، میں آپ کو
 بلکہ گاؤں تک پہنچاتا ہوں، موڑ پڑنے ساتھ لائے تھے، وہی مجھے بٹھا کر دیکھا
 کئے جا رہے ہیں، ذکر اس طریقے میں ہم شریک ہوئے تھے، وہاں سے سات
 آٹھ میل یا قابلاً تھے اس سے بھی زیادہ دور تھکے گا ایک حملہ سجان میں نہایت تھا،
 وہیں پہنچ کر کہے، اور ایک مکان میں مجھے داخل کر کے ان لوگوں نے مطلع
 کیا کہ

”آپ اس مکان سے ہم باہر نہیں نکل سکتے۔“

گو یا ان طالب علموں نے مجھے اپنا تیری نایاب، پوری نگرانی کرنے لگے، کہ
 کھرے باہر قدم نہ نکالوں میں کھلا ناہنجی رہا، جو ناہنجی رہا ان کے اختیار
 میں تھا، انھوں نے قریباً چار یا پانچ دن اسی مکان میں گویا ایک قیدی کی
 حیثیت سے میری زندگی گزارتی رہی، خود مجھے تو بخار دیکھنے نہ دیتے، انگریزی
 اجاراں کے پاس آتے تھے، ان ہی سے خبریں سناتے، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ
 مسلمانوں اور حکومت کی کشمکش نے ایک نیا مقابلہ پیدا کر لیا ہے، یعنی ہندو مسلم
 خندا کی صورت پیدا ہو گئی ہے، مسلمانوں کو ہندو جہاں تہا پاتے ہیں، انہیں کہتے
 ہیں، اور مسلمان بھی یہی کہہ رہے ہیں، خصوصاً جوڑہ سے جانوالی گاؤں میں اس قسم کی

خون ریزیاؤں کے چند واقعات پیش کیے ہیں، نیز بھی بھی کہ کلکتہ کے مسافر جس
 ایشین سے ان کے چہرہ سے ہونے کے ایشین تک پہنچنے والے اس کا پل ٹوٹ
 گیا، ریل کی آمدورفت بند ہوئی، ان ہی حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اپنے اس
 قید خانے سے رہائی پر ضرور ہوا، اور وہ دھوکا کھڑا نہ دھاؤں گا، آپ لوگ دوبارہ
 واپس ہونے کا خطرہ کر دیئے، ان لوگوں کی رائے ہوئی کہ اگر چاہئے کہ راہ قوند ہو
 چکی ہے، اور جوڑہ سے جانوالی ریزل میں خطرناک واقعات میں خون ریزی کے
 پیش آ رہے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ دیوبند کے ناگپور ریل سے جاؤ، میں نہ
 اپنی ریل ہی سے واقع تھا، اور وہ اس لائن سے، ان ہی ہماری طالب علموں
 نے اس کو پہنچا کر رکھ لیا، اور ناگپور ریل میں بٹھا دیا، آنا بٹھا دیا گیا کہ راستہ میں
 ”ہندوڑہ“ نامی ایک کشمکش ہو گیا، یہاں گاڑی بدل جائے گی، ہم سکندر آباد
 حیدر آباد جانوالی گاڑی پر بیٹھ جائے، وہاں سے ننٹا ہو کر دیوبند پہنچ جائے گا۔

حیدر آباد میں

کلکتہ کا یہ سفر موت ایک بہت ہندو روز کیلئے ہوا کہ
 ہوا تھا، اس لئے اپنے ساتھ کر کے پہنچے کہ وہ گاڑی
 سے زیادہ کوئی سامان میں سے نہیں رکھا تھا، ایک ٹکی کاٹکس میں اور خدیل ہی، اپنی
 ٹکی کو بائیس سے ریل میں بیٹھا حیدر آباد کا نامشاکر کہ میں وہاں ہو چکا تھا، اس
 زیادہ کوئی اضافہ نہ تھا کہ حیدر آباد وہاں میں آئے گا، گزر چاؤں گا، لیکن گاڑی
 جب سکندر آباد ایشین پر پہنچی تب معلوم ہو کر کہ قوالاچی والی عید کا دن ہے، اس
 میں لوگ اس کا چرچا کر رہے تھے کہ حیدر آباد کی سال کی ریل میں گزر جائے گی، یہ

(۱) جن میں بہار سے دست مولوی علیہ رحمہ اللہ کے ناگپور مسلمان اور مولوی میٹر ریل جیم
 غلام علیہ رحمہ اللہ تھے۔ (دیکھو)

سوال دل میں آیا، اور جواب اس کا یہ ملا کہ اپنے ایک غلام عزیز مولوی بھی الدین
 حیدر آبادی ہیں میں پہلی دفعہ اس سے ملا تھا جس کی شہادت بھی انھوں نے
 کی تھی، اس نے حیدر آباد میں گزارنے کی نیت کے کہ میں حیدر آباد میں اتر گیا اور
 اسی جگہ غریب و شہرہ شکل و صورت کے ساتھ کئی باندے سیدھی الدین
 صاحب کی قیام گاہ تک پہنچا، مجھے اس ہیئت کذا کی کے ساتھ دیکھ کر وہ بھی
 پریشان ہو گئے، میں نے قصہ سنا کر کہا کہ ہوا کی بالکل سے دیوبند جا رہا ہوں
 کل حیدر ہے، اس نے اتر گیا ہوں، بہر حال صرف ایک دن قیام کی نیت سے اترنا
 لیکن وہی مستقل جس کی تلاش سے واپس ہو کر حیدر آباد سے واپس ہوا تھا، وہی
 میرے سامنے اس طریق سے آکر ایک دن کی حکمتیں سال سے زیادہ مدت
 اسی حیدر آباد میں مجھے گزارنی پڑی اور یہ قدر کا کہ شرمناک پانچ اور دس روپے
 کی تنخواہ سے جس کی معاشی زندگی شروع ہوئی تھی، وہی ہزار روپے ماہوار کی تنخواہ
 پر غلیظ قیام ہو کر اب پھر اسی

مستقل انی جنین

کی طرقت واپس ہو گیا، جہاں کئی سے اس نے سرکنا لایا تھا، اور اب بھی نہیں کہہ
 سکتا کہ اپنا سفر دس کہاں ہے؟

لا تدری نفس ما ذا تنكب عدا و ما تدری نفس بائی ارض
 تدری دکرئی نفس نہیں جانتا کہ گن گن کر گیا اور کہاں مرے گا، کی قرآنی آیت
 کے پسے حصے کے جزرات سے تو ساری زندگی بھری ہوئی ہے، اب اسی آیت کے
 آخری حصے کے جزرات کا انتظار رہی، دیکھئے اس کا موقع کہاں ملتا ہے
 والا علم پر بند کے احاطہ سے جہاں اسی منزل پر ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد
 پھر کیا کیا ہوا، ربیعہ صدی سے زیادہ مدت کے اس حصے میں کیا کیا دیکھا، کیا کیا
 سنا، کن حالات سے گزرنا، جتنا یہ تو یہ سنی میرے سامنے حیدر آباد میں کس طرح

قائم ہوئی، استادوں کی پہلی کھپ کھپے، یا جھول میں شریک ہو کر اس محبت و
 غریب تعلیم گاہ میں ہر کسے داخل ہوئے، دیوبند کی کے اندر اور دیوبند کی کے
 باہر جو کچھ پیش آ رہا تھا، اسی کو دکھانا والا، کیا کچھ بنا کر دکھاتا رہا، یا بے ہمتانہ
 ماضی پر بھی حیدر وہم نہا وہ آفاق مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر سلمہ کی خدمت زادگی
 کے دباؤ نے اتنا بھی کیسے اگلا لیا، اسی پر حیرت ہے، ورنہ یہ سب نہ روزگار کے
 جن سرکار کا تجنیہ بنا ہوا ہے، اب اس کو دیکر کیا بھیجے گا، آہ کہ جس کا آخری انجام
 یہ ہو کر ہے

ہوئے میں فن مرے ساتھ سینکڑوں ارباب

ہم کی راہ سے جاتے ہیں و تافل دل کا

روشنی بھی دیکھی اور تاریکی بھی، فزائجی سامنے آیا، اور ٹیپ بھی، چڑھا
 بھی اور گرجا بھی، اور اب وہی پرانا فرسودہ عربی زبان پر جاری ہے۔

گئے دن کھنکی کے باغ بن گئے!

اب کھنکس دیتی ہیں دود و دھند

یا کبھی کبھی مرزا غائب کان میں جو نہٹ جاتے ہیں۔

ہر چنگ غائب بلا میں سب تمام

ایک مرتبہ ناگہانی اور ہے

وَسَيُفِي رَحْمَةِ رَبِّكَ ذُخْرًا لِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا كَذَابٌ

AF-277

طوبیٰ ریسرچ لائبریری
اسلامی اردو، انگلش کتب،
تاریخی، سفرنامے، لغات،
اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com